سلسلۂ تحقیق و تجدید تاریخ پاکستان - حصہ چہارم

معارفِ سرائیکی

سرائیکی زبان، وطن اور تمدّن کا تذکرہ

شاہِ میوسی کینس کا دارالخلافہ - ۳۲۶ ق م

پتن منارہ - رحیم یار خان

مصنف: سیّد نور علی ضامن حسینی
(ریٹائرڈ ڈپٹی چیف انجینئر آبپاشی مغربی پاکستان و کوئٹہ، قلات، لاہور، لائل پور، ملتان
بہاول پور، پشاور رینج، و ایڈیشنل چیف انجینئر ایڈمنسٹریشن مغربی پاکستان)

ناشر:- مصطفےٰ شاہ اکیڈمی محلہ نقاش احمد پور شرقیہ

صادق لائبریری
پرویز صادق
گیارہ نومبر ۱۹۸۹ء

سلسلۂ تحقیق و تجدید تاریخِ پاکستان

(حصہ چہارم)

معارفِ سرائیکی

نمبر شمار 6

(سرائیکی زبان، وطن اور تمدن کا تذکرہ)

مُصنّفہ

سیّد نُور علی ضامن حُسینی

ریٹائرڈ ڈپٹی چیف انجینئر آبپاشی مغربی پاکستان

(کوئٹہ، قلات، لاہور، لائلپور، ملتان، بہاولپور، پشاور رینج، و ایڈیشنل چیف انجینئر ایڈمنسٹریشن مغربی پاکستان)

ناشر: مصطفےٰ شاہ اکیڈمی ـــــ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

مصنف : سید نور علی ضامن حسینی

ناشر : مصطفےٰ شاہ اکیڈمی۔ احمد پور شرقیہ

مطبع : پنجاب آرٹ پریس — لاہور

اشاعت : اوّل ۱۹۷۲ء

تعداد : پانصد

قیمت : دس روپے فی جلد

INSTITUTE OF RESEARCH
AND ANNALS OF PAKISTAN
106-D, Z Block, Gulshan-e-Iqbal,
Rahim Yar Khan-64200 Pakistan.

سنگلی جنہاں دی ڈاڈی

سوڈھی جنہاں دی ما

ماہلی جنہے پنج پتر

ڈاہر، بھٹہ، لنگاہ، ناچ، تنجرا

(ملاحظہ ہو فصل ۴۴)

۴

سُخن ہائے گفتنی

صفحہ نمبر

مُصنّف کے مختصر حالاتِ زندگی اور ان کے نظریات	۵
انتساب	۱۵
پیش لفظ	۲۱
فہرست	۲۷
حرفِ آخر	۲۳۹

مُصنفؒ کے مختصر حالاتِ زندگی اور اُنکے نظریات کا عکس

جغرافیہ اور تاریخ نگاری کے اس سنگِ میل "معارف سرائیکی" کے مصنف "سیّد نور علی ضامن حسینی"، ۲۳-اکتوبر ۱۹۰۶ء (یوم خمیس، ۱۳-ماہِ رمضان، ۱۳۲۴ ہجری) کو سابق ریاست بہاول پور کے شہر احمد پور شرقیہ کے محلہ نقاش میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد ڈیرہ غازیخان کے قصبہ داجل سے ملازمت کے سلسلے میں آئے تھے۔ بُخاری نژاد بیس سالہ نوجوان باپ (سیّد غلام مہدی شاہ) حسینی صاحب کی پیدائش سے

چار ماہ پہلے کالے موتیا بند کے شکار ہو چکے تھے۔ ان کے دادا (سید غلام مصطفیٰ شاہ) نے جو مقامی مڈل سکول میں عربی اور فارسی کے مدرس تھے، اپنے پہلے پوتے کا تاریخی نام پہلے ہی شاہزادہ ضامن علی (۱۳۲۴ھ) تجویز کر رکھا تھا۔ مگر نوجوان بیٹے کے نابینا ہو جانے پر رنجیدہ خاطر دادا نے پوتے کا نام نور علی رکھ دیا۔ گویا دادا ماتم کر رہا تھا نابینا باپ کا نور چشم بنے حسینی صاحب کی والدہ اوچ شریف کے ایک درجہالی سادات کے خاندان سے تھیں جن کے اجداد بلوچستان کے علاقہ پشینگ (موجودہ پشین) سے آئے تھے۔ ان کے والد کی والدہ کے دادا چاند خاں بارکزئی کو بہاول پور کے والی ریاست دہلی کے قریب کے شہر ریواڑی سے مغلوں کے زمانہ میں اپنی فوج کے نئے افسروں کی کھیپ میں بھرتی کرا لائے تھے۔

حسینی صاحب ابھی ایک ہی سال کے تھے کہ ان کے دادا فوت ہو گئے۔ اپنے نابینا اور غریب باپ کے زیر سایہ، ابتدائی تعلیم، مقامی مڈل سکول میں اور میٹرک بہاول پور کے صادق ڈین ہائی سکول میں پائی۔ ابھی ایف اے میں تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کالج کی تعلیم بہاول پور کے صادق ایجرٹن کالج اور میرٹ سے پہلا بی اے پاس کر، بہاول پور گورنمنٹ کے وظیفہ پر انجینئرنگ کی تعلیم برطانیہ کی شیفیلڈ یونیورسٹی میں حاصل کی۔ انجینئرنگ کی فرسٹ کلاس ڈگری دو برسے (مساحت) میں امتیازی نمبروں سے حصول کے بعد یکم اپریل ۱۹۳۲ء کو بہاول پور کی انجینئرنگ سروس میں داخل ہوئے۔ پنجاب کے محکمہ آبپاشی ستلج ویلی پراجیکٹ، تھرڈ بہاول پور سرکل کے رحیم یار خان ڈویژن میں ٹریننگ کے بعد پنجاب کے نظام

آبپاشی کے مغربی ترین ڈالس ڈویژن کے مغربی ترین لسبیلہ ڈویژن میں پہلی بار ۱۹۴۳ء
میں سب ڈویژنل آفیسر تعینات ہوئے۔ اور گیارہ سال بعد ۱۹۵۴ء میں بہاولپور کے
ڈپٹی چیف انجینئر مقرر ہوئے۔ ۱۴۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو مغربی پاکستان کے
معرض وجود میں آنے کے بعد کوئٹہ اور قلات ریجن کے ڈپٹی چیف انجینئر کا چارج
۲۳۔ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو لیا۔ اور بلوچستان کے محکمہ آبپاشی کی بنیاد ڈالی۔ اس سے
پہلے کوئٹہ ڈویژن میں ملٹری انجینئرنگ سروس آبپاشی کے کام کی نگرانی کرتی تھی۔ اور بلوچستان
سٹیٹس یونین (قلات ڈویژن) میں تنظیم آبپاشی ایک مختصر سی تنظیم تھی۔ ڈھائی سال
کے بعد پہلے لاہور ریجن اور پھر لائلپور ریجن میں ڈپٹی چیف انجینئر رہنے کے بعد ۲۳۔
اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مغربی پاکستان کے ایڈیشنل چیف انجینئر (ایڈمنسٹریشن)
مقرر ہوئے۔ تھوڑے عرصہ بعد واپڈا کے وجود میں آجانے سے جب ایڈیشنل
چیف انجینئر (ورکس) مغربی پاکستان کی اسامی تخفیف میں آئی تو اپنی اصل اسامی پر ڈپٹی
چیف انجینئر ملتان تعینات ہوئے۔ اسی سال ۱۹۶۰ء میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔
تھل پراجیکٹ، میانوالی اور تونسہ پروجیکٹ ڈیرہ غازی خان کے ڈھائی سال
تک نگران رہے۔ ڈیرہ غازی خان کینال کے نظام آبپاشی میں ترمیم کی اور پونے تین لاکھ
ایکڑ کی آبپاشی کیلئے نئی ۔ا تیل برانچ کی تجویز کر کے تونسہ پراجیکٹ میں اضافی کی جو زیر
تعمیر ہے۔ یاد رہے وہیل کا شہر وہلاوا اہم تعمیروں کی یادگار ہے (جس طرح بابلی بحر موجود
پنجند، سندھ کے ناکارہ اہم تعمیر ہے۔ جہاں سے پہلے گوتم بدھ کے ساتھی تبلیغ کے بعد
کی طرف ہجرت کی اور پھر نہٹا خاندان، موریا خاندان، گپتا خاندان اور ملاوا خاندان سے
وادی سندھ سے جا کر پاٹلی پترا کی راجدھانی سے پورے ہندوستان پر حکومت کی اپنے

جہلم لنک کی نئی لائن بندی حکومت کو پیش کی۔ جس کی تجویز ان کے جغرافیائی مشاہدہ پر مبنی تھی۔ یہ لائن پانچ ہزار سال پہلے دریائے سندھ کے قدیم متروک راستے کی گولائیوں پر تعمیر ہو چکی ہے۔ یہ پنجاب کے سیم زدہ علاقے کی زرخیزی کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی۔ پھر بہاولپور میں ایک منفرد ڈپٹی چیف انجینئر بننے کے بعد وہ پشاور چلے گئے۔ جہاں انہوں نے ایک سال کے اندر قبائلی علاقے کی وارسک کینال کو تکمیل کر کے گورنر مغربی پاکستان سے افتتاح کرایا اور ضلع بنوں کی مشہور کرم گڑھی پراجیکٹ کے مشہور باران ڈیم کو تکمیل کرا کر چھوڑا۔ اور صدر مملکت پاکستان سے اس کا افتتاح کرایا۔ گویا کوہ سلیمان کے دامن میں خیبر سے لیکر بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، راجن پور، روجھان اور درہ بولان تک غریب قبائلیوں کے روزگار کے منصوبے تکمیل کرا کر اس غریب نواز کے سپرد ہوا تھا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ۶۰ سال کی عمر میں ریٹائر ہونے کے بعد آجکل وہ اپنے آبائی شہر احمد پور شرقیہ کے اسی آبائی مکان میں رہتے ہیں۔ جہاں وہ پیدا ہوئے تھے۔

حسینی صاحب کے نام میں **ضامن** کا لفظ اپنے والد کے رکھے ہوئے نام **ضامن علی** کی یادگار ہے۔ ایف۔ اے کے داخلہ فارم پر کرتے وقت بخاری کی بجائے اپنا سرنام **حسینی** رکھا۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ قدرت نے میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ **حسینی** کے نام سے مجھے رزق میں برکت دی۔ اور توکل علی اللہ **حسینی** کا ایک مشہور قول ہے کہ جس شخص نے دست سوال دراز کیا اس نے عزت کھو دی۔ مگر یاد رکھنا۔ انکار کر کے اپنی عزت ڈبو دینا۔ **حسینی** صاحب کا طریق کار غریب پروری کا نادر نمونہ رہا۔ جہاں غریبوں کو ان پر پورا اعتماد تھا۔ بزرگ وہ۔ **حسن محمود** (سابق وزیر اعلیٰ بہاولپور) جیسے اعلیٰ خاندان کے نوجوان وزراء ان کو چچا کہہ کر پکارتے تھے۔ وہ کہا کرتے ہیں۔ اسلام میں غریب دوستی سے مراد امیر دشمنی

نہیں۔ ان کا مزاج اسلام کے دائرہ کے اندر انقلاب پسند رہا ہے۔ اکثر اپنی تاریخ پیدائش
کی طرف اشارہ کرکے کہا کرتے ہیں کہ میری تاریخ پیدائش خود انقلاب خیز ہے۔ ۱۹۰۶ء میں
ڈھاکہ میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ میرا سن پیدائش ہے۔ اسی مسلم لیگ نے مارچ ۱۹۴۰ء
کی ۲۳ تاریخ کو قرارداد پاکستان پاس کی۔ جس کی وجہ سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی
مملکت وجود میں آئی۔ ۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو عالم اسلام کی دنیا عرب کے مرکز مصر
میں انقلاب آیا۔ جس کی صدائے بازگشت اب بھی ہم سنتے رہتے ہیں۔ یہی ۲۳ تاریخ میری
پیدائش کا دن ہے۔ اکتوبر کا مہینہ تاریخ انسانیت کے مشہور سرخ روسی انقلاب کی بھی
یادگار ہے۔ جس کی آج بھی کرۂ ارض کے قطب شمالی کی طرف سرخ شعاعیں نظر آتی
ہیں۔ یہی اکتوبر کا مہینہ میری پیدائش کا مہینہ ہے۔ اور یاد رہے ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو میں نے
مغربی پاکستان کے گورنمنٹ کا پہلا چیف انجینئر چارج لیا۔ اور پھر ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۸ء
کو ایڈیشنل چیف انجینئر مغربی پاکستان کا عہدہ سنبھالا۔ گویا ۲۳ تاریخ اکتوبر کا دن میری زندگی میں
نمایاں مقام رکھتا ہے:

رحیم یار خان ٹاؤن کی منصوبہ بندی اور تعمیر **حسینی** صاحب نے پاکستان بننے
سے دو سال پہلے ۱۹۴۵ء میں شروع کی تھی۔ رحیم یار خان ٹاؤن کے ارد گرد پتن منارہ
چندو اور ودرواڑہ کے آثار قدیمہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کرتے ہیں کہ (۳۲۶ ق م)
میں سکندر اعظم کی آمد پر شاہ میوسی کینس کا دارالخلافہ رحیم یار خان کے قریب ہی تھا۔
۱۵۰ء میں نپالے کا راجہ ہوا، کنشک راجہ کنشکا کے وقت کا مشہور شہر بینالا بھی
یہی یہیں تھا۔ جہاں سے مشہور قوم بنجارہ نے ترک سکونت کی۔ مشہور چینی سیاح
ہیون سانگ کی آمد پر ۶۴۲ء میں پتن کا دارالخلافہ یہی پتن منارہ تھا جس کو

اس نے چینی زبان میں پی - شن پو - پو لو کا نام دیا یعنی دریا کے تین پر بنا ہوا روشنی
کا مینار - ۷۱۲ء میں عربوں نے راجہ داہر کے وقت میں اس کو عربی نام المعمورہ دیا۔ یعنی
بڑا شہر۔ یعنی یا میٹروپولیس۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عہد میں رحیم یار خان نے
پانچواں جنم لیا ہے۔ وکیا ہی اچھا ہو کہ ملتان اور سکھر کے درمیان دو مجوزہ یونیورسٹیوں
کی بجائے رحیم یار خان میں ایک یونیورسٹی بنا دی جائے۔ اس کی قیامت کی یادگار
لاہور اور حیدرآباد کے درمیان وادیٔ سندھ کے شمالی میدان یعنی صوبہ پنجاب اور
وادیٔ سندھ کے جنوبی میدان یعنی صوبہ سندھ کے اتحاد کی ضمانت ہے۔ اسلام آباد، پشاور،
کوئٹہ اور کراچی وادیٔ سندھ کے کوہستان کی یونیورسٹیاں ہیں۔ بہاولپور کی جامع
اسلامیہ دینی تعلیم کیلئے سب کی سانجھی ہے۔

جب ان سے سوال کیا گیا کہ سندھ کے علاقہ میں آپ کے تبادلہ کا موقع کیوں نہ
ملا، تو ہنس کر کہا کہ میں ذہنی دوستوں سے گھبراتا ہوں۔ نیل کے ڈیلٹا میں یوسفؑ
کے مصر میں، موسیٰؑ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ دجلہ فرات کے ڈیلٹا میں حضرت
علیؑ کے کوفہ نے حسینؓ کے ساتھ کربلا میں کیا سلوک کیا۔ حال ہی میں برہم پترا
اور گنگا کے ڈیلٹا کے مشرقی پاکستان میں بہاریوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔

نہ جانے ذہن اور شہری سید صاحب کی کوئی اولاد نرینہ ہے۔ صرف دو پردہ دار
بیٹیاں ہیں۔ سیدہ صغریٰ حسینی، سیدہ کلثوم حسینی جو اپنے خاندان میں بیاہی گئی ہیں
حسینی صاحب کی شادی بھی اپنے ہی خاندان میں ہوئی۔ ان کے چار لڑکے ہیں۔ ۱-
منظور علی رضا ۔ ۲- محمد علی نقی اور ۳- ظہور علی عسکری اور ۴- شاہ محمد تقی

حسینی صاحب راسخ العقیدہ اہل سنت والجماعت ہیں۔

کہلاتے ہیں۔ اہل بیت کی فضیلت کا عقیدہ میرے عربی النسل قریشی ہاشمی فاطمی ہونے کا تقاضہ ہے۔ عرب اپنے قبیلہ کی فضیلت کے قائل ہوتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا کہ کیا محمد علی نقی کا نام حادثہ اعظم کی یادگار ہے۔ تو سنجیدگی سے کہا کہ محمد اور حسین کے نام کے اجتماع میں برکت ہی برکت ہے۔ قائد اعظم **محمد علی جناح** کراچی کے خوجہ۔ **محمد علی جوہر** روہیل کھنڈ کے افغان۔ **محمد علی چودھری** جالندھر کے آرائیں۔ غلام محمد گورنر جنرل کا جھگڑا کرنے والے **محمد علی بوگرہ** بنگال کے سید کی چند مثالیں تو ہمارے سامنے ہیں۔ اور تو اور ایک حبشی نژاد نومسلم امریکی مکہ باز **محمد علی کلے** کو دیکھ لیجئے کہ اس کو اپنے فن میں کتنی برکت حاصل ہوئی۔

میں یہ لکھنا بھول گیا کہ حسین صاحب پچھلے تین سال سے آنکھوں سے معذور ہو چکے ہیں۔ اور "**معارف سرائیکی**" کو انہوں نے اس معذوری کی حالت میں تحریر کرایا ہے۔ **سیدہ کلثوم حسین** نے اس تصنیف کی اکثر و بیشتر گفتہ نویسی کی ہے۔ اور انگریزی اور اردو کتب کے حوالے تلاش کر دیئے۔ جب میں نے عرض کیا کہ ایک عربی نژاد کو سرائیکی وطن سے یہ خلوص کیوں؟ تو برجستہ کہا۔ ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست، مزید برآں سرائیکی تو قرآن کے **اصحاب الرس** کی زبان ہے۔

جب میں نے عرض کیا کہ ایک انجینئر کی تاریخ اور جغرافیہ نگاری پر لوگ تعجب تو کریں گے تو فرمایا یہ ان کی غلط فہمی ہوگی۔ میں نے بلوچستان، پنجاب۔ اور سرحد کے اکثر اضلاع کے گزیٹیئر پڑھے ہیں۔ جو سول انجینئرز کے انگریز افسروں نے تیار کئے تھے۔ برصغیر کے آثار قدیمہ کے پہلے ڈائریکٹر جنرل کننگھم تھے۔ جو خود سول انجینئر تھے۔

عبد المجید ارشد

حسینی صاحب اپنے ایک بے تکلف پنجابی دوست کو معارف سرائیکی کے نمایاں نظریات کا خاکہ بیان کر رہے تھے۔ تو وہ دوست مسکرا کر بولے کہ آپ کے خیال میں گویا قصور اور لاہور کے مشرق کی طرف کا علاقہ رُوحانیت سے خالی رہا تو انہوں نے اُن کی گردن میں بازو ڈال کر کہا کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ علاقہ پاکستان سے کیوں خارج ہو جاتا۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ کیونکہ یہ قدیم زمانے میں آریائی وطن تھا۔ جو سرائیکی وطن کے لوگوں سے برسرِ پیکار رہتا تھا۔ رگ وید انہی لڑائیوں کی داستان ہے۔ واقعی یہ علاقہ نبی آخر الزماںؐ کے برگزیدہ غلاموں سے خالی رہا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ جالندھر اور بٹالہ بھی جا سکتے تھے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ ستلج پار بھی کر سکتے تھے۔ فضاؤں کا بڑا فرق ہوتا ہے۔ آج بھی حجاج مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی فضاؤں میں پلے ہوئے ہم زبان عرب باشندوں کے مزاج میں نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں۔ اور پھر سنجیدہ ہو کر بولے اسمیں بھی خدا کی حکمت تھی گویا سکندرِ اعظم نے گولڑہ کے قریب ٹیکسلا سے جلال پور سادات پر جہلم کو پار کر کے قصور تک جا کر سرائیکی وطن کی مشرقی حدود قائم کر دی تھیں۔ وہ پھر اسی راستے واپس جلال پور سادات پہنچا اور جہلم کے راستے سلطان باہو شریف کے قریب والے شورکوٹ تک پہنچ کر پاک پتن کے قریب والے ہڑپہ گیا۔ پھر ملتان پھر اوچ اور پھر پتن منارہ سے سہوان کے قریب والے لاڑکانہ اور موہنجو ڈارو پہنچا۔

آج بھی حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری۔ بابا فرید شکر گنجؒ پاک پتنی۔ حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ ملتانی۔ حضرت شیر شاہ۔ سید جلالؒ (سرخ پوش) اوچی۔ اور سہوان کے حضرت لال شہباز نے گویا سکندرِ اعظم کے سفرنامے پر مہریں ثبت کر رکھی ہیں۔ بعض مفسرین نے سکندرِ اعظم کو ذوالقرنین بھی کہا ہے۔ اور ان میں سے ایک شخصیت علامہ عبد اللہ یوسف علی بھی ہیں۔

حسینی صاحب شائد میری آنکھوں میں عقیدت کی چمک کو شبہ کی جھلک سمجھے "فرمایا" میری تشریح قرآن کے ارشاد الم تر کیف فعل ربک ..... کے عین مطابق ہے۔ جب ہمیں ہدائیت ہے کہ گمراہ قوموں کے انجام پر نظر رکھیں۔ ان کے آثار قدیمہ کا تحفظ اللہ تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کی آخری آرام گاہ بنا کر ہمارے لیئے نشاندہی کر دی۔ دوسری طرف آریائی ہندو اپنی مادیت پرستی کی یادگاریں لئے پھرتے ہیں۔ زراعت کاری کے اہم جزو ہل میں جتنے والے بیل اور اس کی ماں گائے کا تحفظ کر دیا۔ اور آج تک گاؤ رکھشا کے قائل ہیں۔ آریائی ہندو دیوالی کے دنوں میں اپنے چار علوی مذہبی نشان سواستیکا کی اپنے صاف ستھرے تلعی شدہ مکانوں کے دروازوں اور مندروں پر نمائش کرتے ہیں۔ ہٹلر نے جب اس کے سر پر آریائی قوم کی عظمت کا اور جرمن قوم کے آریائی نسل ہونے کا جنون سوار ہوا تو سواستیکا کو

۱۷ اپنے فوجی نشانات میں اپنا لیا۔ یہ نشان دراصل تبت کے ۲۳۰۰۰ فٹ بلند کوہ کیلاش کی برفانی چوٹیوں اور ان کے دامن میں مشہور جھیل مانسرور اور دکشاتل سے نکلنے والے چار دریاؤں کی یادگار ہے۔

دریائے سندھ اور دریائے ستلج غرب کی طرف اور دریائے برہم پتر اور گنگا کے مشہور معاون گوگرا کا ہمالیہ پار کا معاون کرنالی مشرق کی طرف نکلتے ہیں۔

آریائی ہندو کوہ کیلاش کو اپنے رزاق برہما کا عرش سمجھتے تھے۔ اور اس کے ان چاروں دریاؤں کے پانی اور بیلوں کی مدد سے دیئے ہوئے رزق کے ذرائع کو ہی اپنا معبود سمجھتے تھے۔

واللہ اعلم وبالصواب

پرویز حسن۔ صادف
صادق ایجرٹن کالج۔ بہاولپور

انتساب

•

میں اپنی اس حقیر تصنیف کو صدرِ مملکت، اسلامیہ جمہوریہ پاکستان جناب **ذوالفقار علی بھٹو** کے نام سے منسوب کرتا ہوں، نہ صرف اس لئے کہ وہ صدرِ مملکت ہیں، بلکہ اس لئے بھی کہ اُن کی ذاتِ گرامی وادیٔ سندھ کے باشندوں کی بالعموم اور قدیم سندھ ساگر دوآب اور طرف الغرب السندھ کے باشندوں کی بالخصوص متحدہ برّصغیر پاک و ہند کی حاکمیت کی وراثت کی صداقت کا ثبوت ہے۔

(الف) سکندر اعظم یونانی کی آمد سے لے کر محمدؐ بن قاسم عربی کی آمد تک متحدہ برّصغیر پر چار مُلکی حکمران ہوئے۔

۱۔ سکندر کی آمد کے وقت نندا خاندان پاٹلی پُتر (موجودہ پٹنہ) سے پورے برّصغیر پر حکومت کرتا تھا۔ یونانی محققین نے ان کو شودر قبیلہ کے افراد کہا ہے یعنی اوچ کے مکین کشودر کا قبیلے کے لوگ جن کو یونانی مورّخ ایرین نے آکسی ڈرائی لکھا ہے' (دیکھئے صفحہ ۲۳ 'تاریخ ہند مصنفہ ہوعرنل' مطبوعہ اوڑیسہ مشن پریس کٹک ۱۹۰۲ء)

۲- موریا خاندان- چندر گپت موریا نندا خاندان کا فرد تھا- جو اپنے رشتہ داروں سے تنازعہ کی بناء پر اپنے آباؤ اجداد کے وطن وادی سندھ میں آچھپا۔ اور اسی لئے اس کا نام گُپتا (مخفی) پڑ گیا۔ سکندرِ اعظم کی واپسی پر اس کی افواج کے خلاف بغاوت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے - - - - - - - - - - - - - - -

- - - وہ وادی سندھ پر قابض ہو گیا- اور پھر نندا خاندان کو نکال باہر کیا۔ اس کا بیٹا اشوک، سکندرِ اعظم کے پچاس برس بعد اقتدار میں آیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی وادیٔ سندھ کے شوُدر قبیلہ سے تھا۔ (دیکھئے تاریخ ہند صفحہ ۲۵)

۳- خاندان گُپتا۔ ۳۲۰ء میں برسرِ اقتدار آیا- اس کو بھی یونانیوں نے شوُدر قبیلہ سے کہا ہے۔ وادیٔ سندھ کے، یعنی اوچ کے گَشدہ کا قبیلہ کے افراد (دیکھئے تاریخ ہند ہوعرنل صفحہ ۵۵)۔

۴- چوتھے خاندان ملاوہ کی تاریخ دلچسپ ہے۔ یہ نام مُلتان کی مَلّی قوم کے نام سے مشتق ہے۔ ۵۷ ق م میں مُلتان کے مَلّی قبائل نے کہروڑ پکا کے مقام پر سیتھین قوم کے ساکا قبیلہ کی افواج کو شکست دی۔ اور وادیٔ سندھ سے مار بھگایا۔ مگر بعد میں ایران کے پار تھین گھس آئے۔ مَلّی قوم نے ۵۷ ق م کی اس فتح کی یادگار میں سمبت ملاوا قائم کیا- تقریباً چھ سو سال بعد اسی ملی قوم کے نئے وطن نربدا کے کنارے کے مالوہ کے بادشاہ بکرما جیت نے جب سفید ہن قوم کو دریائے سندھ کے کنارے تک ۵۲۵ء میں دھکیل دیا تو ملی قوم نے سمبت ملاوا کا نام سمبت بکرمی رکھ دیا۔ اسی بکرما جیت نے پاٹلی پتر کے گپتا خاندان کو نکال باہر کیا اور ملاوا خاندان کی بنیاد رکھی۔ (دیکھئے تاریخ ہند ہوعرنل صفحہ ۵۹

(ب) محمد بن قاسم عربی کی آمد سے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی تک صرف تین ملکی خاندان متحدہ برّصغیر پاک و ہند پر اقتدار میں آئے۔

یہ ہماری وادئ سندھ کے ضلع بنوں کے لمبے بالوں والے بٹھانی پٹھانوں کے بھانجے خلجی، لودھی اور سوری تھے۔ (۱۸۵۷ء سے ۱۹۳۵ء تک اصل غلامی کا دور تھا)

(ج) ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے عمل در آمد سے لیکر اب تک پاکستان میں صوبہ پنجاب اور صوبہ سندھ پر ہمیشہ وادئ سندھ کے قدیم سندھ ساگر دوآب اور طرف الغرب السندھ کے باشندوں کی حاکمیّت رہی ہے۔

۱۔ پنجاب سے سر سکندر حیات خاں (واہ) سر خضر حیات خاں ٹوانہ (مٹھا ٹوانہ) سر فیروز خاں نون (مٹھا ٹوانہ)۔ عبدالحمید دستی (مظفر گڑھ) میاں مشتاق احمد گورمانی (مظفر گڑھ) ملک امیر محمد خان (کالاباغ) فیلڈ مارشل محمد ایوب خان (ہزارہ) ملک غلام مصطفےٰ کھر (مظفر گڑھ) ملک معراج خالد اعوان اور جنرل ٹکا خاں بر سر اقتدار آئے۔

۲۔ سندھ کی طرف الغرب السندھ کے قائداعظم محمد علی جناح (کراچی) غلام مرتضیٰ سیّد (دادو) اللہ بخش سومرو (جیکب آباد) محمد ایوب کھوڑو (لاڑکانہ) قاضی فضل اللہ (لاڑکانہ) پیر الٰہی بخش (دادو) پیرزادہ عبدالستار (سکھر) ممتاز علی بھٹو اور اب ذوالفقار علی بھٹو (سندھ) اور پاکستان پر برسر اقتدار آئے۔

پنجاب کے ممتاز محمد خاں دولتانہ (کنارِ ستلج) خان افتخار حسین خاں ممدوٹ (کنارِ ستلج) .... نے پنجاب میں باہمی نزع پیدا

کیا اور قائدِ ملت لیاقت علی خاں کو بھی مطعون کرایا۔ چودھری محمد علی (جالندھر) اور مسٹر غلام محمد نے گورنر جنرل پنجاب کی اولیت کے لئے کوشش کی پاکستان کی بنیاد کو کمزور کیا اور اس طرح پنجاب کی مقبولیت کو بھی نقصان پہنچایا۔ کیونکہ یہ حاکمیت کے صحیح وارث نہیں تھے۔

حضورِ اکرمؐ کی حدیثِ پاک ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ قریش سے ہو گا۔ محسنِ انسانیت علم بردارِ اخوت و مساوات کی زبانِ مبارک سے یہ خصوصیت کیوں؟۔ اس لئے کہ مکہ میں تمدن و ثقافت اور انتظامی قابلیت اور حاکمیت کا صدیوں سے تسلسل رہا تھا قرآن اور حدیث کی بیان کردہ حکمت ہمارے لئے ہر امر میں مشعلِ راہ بن سکتی ہے حضرت عمرؓ اپنے طویل تعمیری دور میں اسی حدیثِ مبارک کی حکمتِ عملی پر پورے کاربند رہے۔ ان عاملان حکومت کے انتخاب میں جن کا واسطہ براہِ راست عوام سے پڑتا تھا (مثلاً مرکزی سول سروس، صوبائی سول سروس، جوڈیشل یا ریونیو، پولیس کے حکام اعلیٰ، محکمۂ آبپاشی کے حکام، تعلیم اور صحت کے حکام، وہ بڑا تفکر و تدبر کرتے تھے، وہ ایک چرواہے اور گڈریئے کے بیٹے کو اس لئے کہ اس کو بے زبان حیوانوں کی نگہداشت، پرورش اور تحفظ ورثہ میں ملا تھا۔ یک کاشتکار کے بیٹے کو اس لئے کہ اسے فطرت کے اصولوں کو نمود کے نظام پہ اعتقاد اور اس کی بروقت پابندی اس کو ورثہ میں ملی تھی وہ ایک طبیب کے بیٹے کو اس لئے کہ انسانی ہمدردی، تشخیص اور اصلاحی عمل اسے ورثہ میں ملا تھا۔ اور وہ ایک رئیس کے بیٹے کو اس لئے کہ اُسے نئی پود کی تربیت، اس پر نظم و ضبط اور ان کی تعمیری نگرانی اس کو ورثہ میں ملی تھی، ایک موچی، درزی، سنار، دھوبی، حجام، بڑھئی

لوہار، کمہار، جولاہا، اور بیوپاری کے بیٹے پر ترجیح دیتے تھے۔ اس میں امیر اور غریب کا سوال نہ تھا۔ بلکہ اس لئے کہ مؤخر الذکر کی سماج میں انفرادی مصروفیات تھیں نہ کہ اجتماعی۔

انگریز نے پہلی جنگِ عظیم کے بعد اشتراکیت سے ہم آہنگی کیخاطر جب مساوات اور مقابلہ کے امتحان کو اعلیٰ ملازمتوں کے انتخاب میں اصول بنایا تو رُبع صدی میں اپنی عظیم سلطنت کھو بیٹھا حضور اکرمؐ کی حدیث مبارک اور حضرت عمرؓ کی اس حکمتِ عملی پر پابندی، اسلامی نظام کی خشت اوّل ہونی چاہیئے۔ روشِ بندہ پروری علم نہیں حکمت ہے اور وہ صرف امتحان میں حاصل کردہ نمبروں سے نہیں ملتی بلکہ ورثہ میں ملتی ہے۔

محلہ نقاش احمد پور شرقیہ
۲۹ رمئی ۱۹۷۲ء

سیّد نور علی ضامن حسینی

Scanned by CamScanner

پیش لفظ

●

سچ تو یہ ہے کہ ملتان اور اوچ کے قدیم مدنی مراکز کے باشندوں کی زبان جو سرائیکی کے نام سے اب مشہور ہے، دراصل معروفِ زمانہ "وادیٔ سندھ کی تہذیب" کے باشندوں کی زبان تھی یہی قرآن کے بیان کردہ "اصحاب الرس" کی زبان تھی یہی تورات کے صحیفۂ استھر کے بتلاتے ہوئے "شہ آنا یورس" کی رعایا کی زبان تھی یہی سنسکرت پتنجلی کی بتائی ہوئی ابھی رس قوم کی زبان رہی مہابھارت نے جس قوم کو "سندھو سویراس" کہا یہی اس کی زبان تھی، ان کی نسبت سے "سووے راکی" کہلائی اور اب امتدادِ زمانہ سے بگڑ کر سرائیکی رہ گئی۔ یہی چچ نامہ کے بیان کردہ رائے ساہیرس کی پوری سلطنت کی از کشمیر تا مکران زبان تھی، جب محمد بن قاسم عربی سیوستان میں داخل ہوا۔ آج بھی مغربی پاکستان کی اکثریت کی یہی زبان ہے۔ یہ بلھے شاہؒ کے قصورؒ، مادھو لال حسینؒ کے لاہور، پیر مہر علی شاہؒ کے گولڑہ سے شروع ہو کر کوہ سلیمان کے اندر تک درۂ بولان کے ڈھاڈر سے کوہ کیر تھر کے آر پار لاسس، بیلہ

Scanned by CamScanner

میں وادئ حب کی تحصیل دریجی تک بولی جاتی ہے۔ اس زبان کو پنجابی کا نام دینا حقیقت سے اغماض برتنا ہے۔ سرائیکی اور پنجابی میں وہی فرق ہے جو انگریزی زبان اور امریکی زبان میں ہے۔ اصل زبان انگریزی ہے۔ امریکی زبان انگریزی زبان کا امریکی لہجہ ہے جسمیں حلق سے اوپر کے حصے کا ناک کے قریب استعمال زیادہ ہوتا ہے۔'

پنجابی بھی دراصل سرائیکی زبان کا ہمالیائی لہجہ ہے، جس کی انگریزی' امریکی ادائیگی سے مشابہت نمایاں ہے، اردو کے "کس کو" سرائیکی بولنے والا "کینکوں" کہکر ادا کرے گا۔ پنجابی اس کو "کنوں" کہکر ادا کرے گا۔ یہی حالت علی الترتیب "مجھکو" "میکوں" اور "مینوں" کی ہے۔ آج بھی (۲۳ جون) ریڈیو پاکستان سے جالندھری پنجابی اناؤنسر کہہ رہا تھا۔ "قرضہ دین تے رضا مند ہو گئے نیں۔" جسکو سرائیکی بولنے والا "قرضہ ڈیون تے رضا مند تھی گئے ہِن" اور اردو بولنے والا "قرضہ دینے پر رضا مند ہو گئے ہیں" کہتا۔ ملاحظہ ہو کہ اردو سرائیکی لغت اور لہجہ سے قریب تر ہے اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ پنجابی اردو کی بنیاد ہے۔ دراصل سرائیکی اردو کا ماخذ ہے، سرائیکی کے حروفِ تہجی، پنجابی کے حروفِ تہجی سے زیادہ ہیں بعض حروف تہجی کی تو ہمالیائی پنجابی جس کو جالندھری لہجہ کہہ سکتے ہیں کبھی ادا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ حروف حلق کے نچلے اور پچھلے حصہ سے ہی ادا ہو سکتے ہیں۔ جبکہ جالندھری لہجہ کی ادائیگی حلق کے اوپر کے حصہ سے ناک کے قریب تر ہوتی ہے۔ اور اس لئے ان کو ادا نہیں کرسکتی۔

تاریخ "حدود العالم من المشرق الی المغرب" (۳۷۲ ہجری) کے مطابق ملتان سے لاہور تک کا علاقہ ہمیشہ ملتان کے زیر نگیں رہا۔ جالندھر کے لب و لہجہ کی آمد قصور

اور لاہور کے غرب کی طرف پہلے جاٹ سکھوں کی حکومت کے ساتھ اور پھر چج ، رچنا اور باری دوآب کی نہروں کا نظام آبپاشی قائم ہونے کے بعد آبادکاروں کے ساتھ ہوئی۔ سوال ہوگا کہ سرائیکی الفاظ ہمالیہ کے دامن میں کیسے پہنچے۔ جبکہ صدیوں پہلے سرائیکی بولنے والے علاقوں میں دریائے سندھ کے ردّوبدل سے خشک سالی کا دور ہوا تو کاشتکار آبادی جو جاٹ کہلاتی تھی اور شہری آبادی جو اروڑہ کہلائی۔ ہریانہ اور میوات میں جمنا پار تک اور کوہ ہمالیہ کے دامن میں جالندھر کی طرف نقل مکانی کرکے پانی اور زمین کی تلاش میں پہنچی اور اپنے ساتھ اپنی زبان تو لے گئی مگر ہمالیائی لہجہ کو اپنانا پڑا جس طرح انگریز نسل امریکیوں کو امریکیوں کے لہجہ سے گریز مشکل ہوگیا۔ آب و ہوا بھی لہجے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ریڈیو پاکستان لاہور کے "نظام دین" اور "چودھری صاحب" کا سرائیکی کا جالندھری لہجہ ہمالیائی دامنِ کوہ کی کثرتِ باراں اور مرطوب آب و ہوا کا آئینہ دار ہے۔ ریڈیو پاکستان ملتان کے مہر اور "ملک صاحب" کا سرائیکی کا پُرسکون اور شیریں لب و لہجہ ملتان اور اوچ کے قدیم مدنی مراکز کی معتدل اور قلیل باراں آب و ہوا کی عکاسی کرتا ہے۔ جبکہ ریڈیو پاکستان حیدرآباد کے جمہور کے پروگرام میں سندھی "وچولو" کا لب و لہجہ سطحِ سمندر کے قریب تر ہونے کی شہادت دیتا ہے جس کی ادائیگی، حلق کی تہہ سے ابھرتی معلوم ہوتی ہے۔ رسیلی اور پُرنم۔ اسی زبان سے دکنی اردو نے جنم لیا۔ جس طرح ملتان، اوچ اور رحیم یار خان کے گردو پیش کی سرائیکی زبان سے دہلی اور لکھنؤ کی اردو نے جنم لیا۔

میں نے اپنی اس ناچیز تصنیف میں اپنے مطالعہ اور مشاہدہ اور شنیدہ کی بنیاد پر دریافت کردہ تمام رطب و یابس کو حتی الوسع مربوط صورت میں بطور

Scanned by CamScanner

دستاویز پیش کر دیا ہے۔ میری قیاس آرائیاں بالکل صحیح نہ بھی ہوں تو کم از کم وہ مزید تحقیق کے لئے مقاماتِ آغاز کا تعین تو کر دیں گی۔

میں اپنی عزیز بیٹی سیّدہ کلثوم حسینی کا بے حد ممنون ہوں کہ اس نے امورِ خانہ داری اور دو اسکول جانے والے بچوں (سیّد ظہور علی عسکری (جماعت پنجم) اور شاہ محمد تقی (جماعت سوئم) کی دیکھ بھال سے وقت بچا کر میری گفتہ نویسی کی، اور پھر پورے مسودے کو خوشخط تحریر کر کے کتابی صورت میں ترتیب دیا۔

ہمیں اب تو غیروں کی لکھی ہوئی تاریخ کی ورق گردانی کی بجائے، ایک زندہ قوم کی طرح خود بھی اپنی تاریخ کے اوراقِ پارینہ ڈھونڈھ نکالنے چاہئیں، جو اکثر نسلی یا قومی عصبیت کے نیچے دب کر رہ گئے ہیں۔ قومیت کے تخیل کی استواری کیلئے ضروری ہے کہ ہماری قوم اپنے ملک کے ماضی کے جغرافیائی اور تاریخی حالات دریافت کرنے کا شوق پیدا کرے۔ تاکہ ہماری قوم اپنی نظر میں قابلِ افتخار بنے اور پھر قابلِ افتخار قوم کی آزادی اور استحکام کے تحفظ کا ہمارے دلوں میں ولولہ پیدا ہو۔ اور اس کی اقتصادی اور معاشی سربلندی کی تاریخی مثالیں اور ان سے حاصل کردہ سبق اس کے استقلال اور خوشحالی کے لئے ہمیں ہمیشہ منہمک رکھیں۔ گو اس مضمون کی تیاری اکثر انگریزی کتب کے مطالعہ کی بناء پر ہے، مگر قومی ضرورت بلکہ یوں کہئے قومی غیرت کے تحت قومی نمود کی خاطر پاکستان کے حصّہ غربی کی مشترکہ قومی زبان اردو میں پیش کی گئی ہے۔ ہماری قومی زندگی میں اب وقت آگیا ہے کہ ہم ہر موضوع پر بلا خوف تنقید و تصحیح قومی زبان اردو کو اختیار کریں تاکہ بعد تصحیح ہماری قومی زبان کے فرہنگ بنتے چلے جائیں۔ اس لحاظ سے سرائیکی بولنے والے اس راقم کی غلطیاں قابلِ صحت بھی ہیں اور قابلِ درگذر بھی۔

۱۰ر جون ۱۹۷۲ء

سیّد نور علی ضامن حسینی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

وجہ تسمیہ حدود و رواج

ا۔ نام میں غلط فہمی

سرائیکی زبان کے متعلق عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ کہ یہ کتنی پرانی ہے۔ اس کا ماخذ کیا ہے۔ اور جن علاقوں میں مروّج ہے ان کی حدود کیا ہیں۔ اس کے نام سے متعلق بعض اصحاب کی قیاس آرائیاں مضحکہ خیز بھی ہیں۔ ایک محقق نے تو اسے سرائے کی زبان بنا دیا ہے جس طرح اردو کی بنیاد لشکر میں پڑی۔ ایک سرائیکی مفکر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ خواجہ غلام فریدؒ چاچڑانی پنجابی زبان ملتانی لہجے میں بولتے تھے۔ گویا کوئی کہے کہ فلاں فرانسیسی بولنے والا انگریزی زبان فرانسیسی لہجہ میں بولتا ہے۔ ملتانی یعنی سرائیکی کے وجود

سے انکار کا عجیب طریقہ استدلال ہے۔ جن زبانوں کا خواجہ صاحبؒ کو علم ہونا بتایا گیا ہے اُن میں نہ تو مُلتانی شامل کی گئی ہے اور نہ سرائیکی ۔

۲۔ چاروں صُوبوں میں مروّج ہونے کا شرف

سرائیکی بولی کو مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں پنجاب، سرحد بلوچستان۔ سندھ اور بیرون پنجند بہاول پُور ڈویژن میں بولے جانے کا شرف حاصل ہے جو مغربی پاکستان کی کسی اور بولی کو حاصل نہیں۔ اس کی صُوبہ وار۔ ڈویژن وار ضلع وار اور تحصیل وار تفصیلِ حدود حسب ذیل ہے :۔

نمبر شمار	نام صوبہ	نام ڈویژن	ضلع	تحصیل	حدود
۱	پنجاب	سرگودھا	میانوالی	—	سالم ضلع معہ سندھ پار کی تحصیل عیسیٰ خیل۔
۲	؍؍	؍؍	سرگودھا	خوشاب	نصف جنوبی تحصیل آدھی کوٹ نورپور سے لے کر گروٹا تک۔
۳	؍؍	؍؍	جھنگ	شور کوٹ	جہلم اور چناب آرپار کی سالم تحصیل۔
۴	؍؍	ملتان	ملتان	—	سالم ضلع
۵	؍؍	؍؍	مظفر گڑھ	—	؍؍
۶	؍؍	؍؍	ڈیرہ غازیخان	—	؍؍
۷	؍؍	بہاولپور	بہاولپور	—	؍؍
۸	؍؍	؍؍	رحیمیار خان	—	؍؍
۹	سرحد	ڈیرہ اسمٰعیلخان	ڈیرہ اسمٰعیلخان	...	سالم ضلع۔ بھٹانی اور شیرانی قبائلی علاقوں کے سوا۔

Scanned by CamScanner

نمبر شمار	نام صوبہ	نام ڈویژن	ضلع	تحصیل	حدود
۱۰	سندھ	خیرپور	جیکب آباد	—	سالم ضلع۔
۱۱	〃	〃	سکھر	—	روہڑی سب ڈویژن سالم۔
۱۲	〃	〃	خیرپور	خیرپور	سالم تحصیل خیرپور۔ خیرپور میرس (سرائیکی ادبی بورڈ اس کا ثبوت ہے)۔
۱۳	〃	خیرپور	لاڑکانہ	—	کوہ کیرتھر کا شرقی دامنی بلوچ علاقہ۔ ایک تہائی ضلع۔
۱۴	〃	〃	دادو	—	کوہ کیرتھر کا شرقی دامنی بلوچ علاقہ ایک تہائی ضلع جسمیں سیہون شریف اور جھیل منچھر واقعہ ہیں۔
۱۵	بلوچستان	کوئٹہ	لورالائی	بارکھان	سالم تحصیل کھتران میں بلوچ آباد ہیں۔
۱۶	〃	〃	〃	موسیٰ خیل	درگ کا جعفر پٹھان علاقہ تقریباً ½ تحصیل۔
۱۷	〃	〃	سبی	تحصیل کوہلو، نصیرآباد سب ڈویژن	سالم تحصیل مری بلوچاں کی، سالم سب ڈویژن بگٹی اور رحمانی بلوچوں کی۔
۱۸	〃	قلات	کچھی	〃	سالم ضلع نوتال سے ڈھاڈر تک اور اہری سے جھل مگسی اور گندھارا تک
۱۹	〃	〃	لس بیلہ	دریجی	سالم تحصیل کوہ کیرتھر کا غربی دامنی علاقہ۔ چھٹا بلوچ علاقہ۔ خضدار کے قریب نکلنے والا دریائے حب تحصیل کے درمیان میں گذرتا ہے۔

۳۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے ساتھ گہرا تہذیبی تعلق

اگر مفصلۂ بالا سرائیکی بولنے والے اضلاع اور تحصیلوں کی حدود کو مغربی پاکستان کے نقشہ پر رنگ میں دکھایا جائے تو عیاں ہو جائے گا کہ وسعتِ رقبہ کے لحاظ سے سرائیکی زبان مغربی پاکستان کے سب سے وسیع ترین علاقے میں بولی جاتی ہے۔ اور اس رنگ کردہ رقبہ کا تسلسل اور اس کا طول و عرض وادیٔ سندھ کے مؤرخین کے لئے باعثِ حیرت اور انکشاف بن جاتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہڑپہ اور موہنجو دارو ان حدود سے ذرا باہر پڑتے ہیں مگر ہو نہ ہو سرائیکی زبان کا پانچ ہزار سال پہلے کی تہذیب وادیٔ سندھ کے ساتھ کوئی گہرا تعلق ضرور ہے۔ میں نے تفصیل بالا میں اضلاع کی موجودہ انتظامی حدود لی ہیں ورنہ سرائیکی زبان کے رواج کا ثبوت ساہیوال کے ضلع کے اندر کم از کم ہڑپہ تک مل جاتا ہے (بموجب چچ نامہ صفحہ ۴۲) مہہول سندھ کے رائے ساہسی کے عزیزوں میں ملتان کے حاکم بجھرائے کا بھتیجا تھا سکندر اعظم کے وقت میں بھی ہڑپہ کے برہمن گڑھ سے ملتان کے قریب تک ملی قوم آباد تھی۔ اور یقیناً ان اقوام کی زبان ایک ہوگی۔ اور وہ سرائیکی ہی ہوگی۔ اُدھر غرب میں موہنجو دارو کے گرد و پیش گوٹھ لعلو تک سرائیکی زبان کے رواج کا سراغ مل جاتا ہے۔ اگر بولی نہیں جاتی تو سمجھی ضرور جا سکتی ہے یہی حالت ضلع بستی کی تحصیل بستی کے اندر تک اور شمال میں ضلع کیمبل پور کی جنوبی تحصیل تلہ گنگ میں اور سرحد کے ضلع بنوں کی تحصیل لکی [illegible] میانوالی ضلع کے ملحق علاقہ میں پائی جاتی ہے میں نے یہ حدود اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر قائم کی ہیں۔ ان حدود کا اطلاق اتنا دیرینہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کسی خاص قوم یا قبیلے پر اطلاق نہیں ہوتا ہیں۔ نے جب

Scanned by CamScanner

کوٹھوں تحصیل میں ایک زرغون پٹھان کو مسکرا کر فصیح سرائیکی بولتے سُنا۔ جب میں نے اس کی ٹوٹی پھوٹی اردو کا جواب اپنی خاص عادت کے مطابق ملتانی زبان میں دیا تو اقوامِ متحدہ کے غیر ملکی ماہرین حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ یہ کونسی خفیہ زبان ہے۔ یہ پشتو معلوم نہیں ہوتی اور پشتو تو تم بول بھی نہیں سکتے۔ یہی صورت حال کوئٹہ ڈویژن کے سبی شہر سے بیس میل دور دریائے تلی کے مخرج از کوہ کی تنگی کے قریب ایک بارو زئی پٹھان ملک کے ساتھ پیش آئی۔ بستی کا پولیٹیکل ایجنٹ ایک پنجابی نوجوان سی ایس پی تھا۔ حیران ہوا جب میں نے اس کو بتایا کہ ان امور میں یعنی مختلف علاقائی بولیوں کی جغرافیائی حدود ان بولیوں کے بولنے والے قبیلوں کے مخارج پر نظر رکھنا سول سروس افسران اور انجینئرز کے تاریخی فرائض ہیں۔ یہی امورِ نظم و نسق کی ترتیب اور اقتصادی بہبود کے منصوبوں کی تیاری میں کام دیتے ہیں۔

۴۔ مختلف صوبوں میں مختلف نام

اتنے وسیع تر رقبہ میں جس کو انگریزوں نے چار صوبوں اور تین خود مختار دیسی ریاستوں یعنی بہاول پور، خیر پور اور قلات میں بانٹ دیا تھا۔ اس بولی کا ایک نام رہ جانا مشکل تھا۔ غالباً یہی انگریز کی سیاسی مصلحت تھی۔ شمال مغربی سرحدی صوبے والے اس کو ہندکو کہنے لگے۔ ان کی نظر میں دریائے سندھ کے مشرق میں ہند تھا۔ گو دریائے سندھ مشرق سے غرب کی سمت سو میل ہٹ آیا تھا۔ مگر ملتان والے اس زبان کو ملتانی ہی کہتے رہے بہاولپور والوں نے اس کا نام بہاولپوری رکھ دیا۔ ملتان اور بہاولپور والے اس کے اصلی قدیم تاریخی اور جغرافیائی وارث تھے۔ بلوچستان

Scanned by CamScanner

والوں نے اس کو جٹکی کہہ دیا۔ اُن کی نظر میں پہاڑوں کے نیچے میدانوں میں جٹ (جاٹ) ہی رہتے تھے۔ مگر سندھ والوں نے اس کو صحیح جغرافیائی نام دیا۔ جو تاریخی علاقائی وحدت کا عکاس بھی تھا۔ جب سندھ اور اس کے کوہ سلیمان سے نکلنے والے مغربی معاونوں کے میدانی علاقہ پر شورکوٹ سے سبّی تک ایک ہی مربوط حکومت تھی حال کی سندھی ادبی بورڈ کی شائع کردہ انگریزی تاریخ سندھ کے حصہ اوّل کے مصنّف مسٹر لیمبرک سابق انڈین سول سروس کے آفیسر تھے۔ انہوں نے اس کے نام کے اصلی راز کا افشا ممکن بنا دیا ہے۔ (جیسا کہ میں فصل ۳۰ میں عرض کروں گا) وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ اصل میں سرو کی یعنی دریائے سندھ کے سرے والے علاقے کی زبان ہے۔ سندھی زبان خود اس ضمن میں وچولو کہلاتی ہے یعنی درمیانی علاقہ میں بولی جانے والی زبان، کیونکہ سمندر کے قریب کے نشیبی علاقوں کی زبان کو لاڑی کہتے ہیں۔

سرائیکی اور سندھی کا ماں بیٹی والا تعلّق اس بات سے ظاہر ہے کہ سندھی لفظ سرو کو سرائیکی زبان میں سرا کہتے ہیں۔ وچولو کو وچلا اور لاڑی کو لاڑ کہتے ہیں۔ اسی نام کی نسبت سے ضلع رحیم یار خان کا پکّا لاڑاں اور سندھ کا لاڑکانہ (ضلع) مشہور ہے اور ان دونوں علاقوں میں لاڑ قوم بھی آباد ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے قدیم ایام میں پکّا لاڑاں کے گرد و پیش چناب اور سندھ کے سنگھم کا نشیبی علاقہ تھا۔ جھیلوں سے پُر یہی حال لاڑکانہ کے قرب میں تھا۔ جہاں کوئٹہ اور قلاّت کے دو مشہور دریا ناری اور بولان مل کر قدیم ایام میں اس وقت کے سندھ سے اپنا سنگھم بناتے تھے۔ یہ مقام اب سندھ میں بھی دھورو کہلاتا ہے۔

Scanned by CamScanner

باب دوم

جغرافیائی اور تاریخی ثبوت

۵۔ ہڑپہ ساہیوال تا کیچ مکران ایک مربوط سرائیکی تمدن کا جغرافیائی ثبوت

میرے تجربہ اور مشاہدہ کی تصدیق ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے ڈاکٹر ہنری فیلڈ کی زبانی سنئے جو انہوں نے ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کے دورہ کے بعد اپنی کتاب "مغربی پاکستان اینھرو پالوجیکل سروے ۱۹۵۹ء میں قلم بند کئے ہیں۔ آپ ہارورڈ یونیورسٹی کے پیباڈی میوزیم کے ڈائریکٹر ہیں۔ راقم الحروف نے اپنے مقالہ "انڈس تہذیب کے دریائی راستے" اور اس کے اندر تیار کردہ نقشوں کے ساتھ اس تصنیف کی تیاری میں حصہ لیا تھا۔ بلوچستان میں مروج زبانوں کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ

Scanned by CamScanner

(۴۴) پر وہ ایک ٹیبل دیتے ہیں، جو حسبِ ذیل ہے :-

ضلع یا ریاست	بلوچی	پشتو	براہوی	سندھی	پنجابی	اردو	پرشئین
قلات	۱۹	-	۵۱	۲۹	-	-	-
خاران	۸۱	-	۱۹	-	-	-	-
لس بیلہ	۱۹	-	۱	۸۰	-	-	-
مکران	۱۰۰	-	-	-	-	-	-
چاغی	۶۰	۳	۳۳	۱	۲	۱	-
لورالائی	۸	۶۲	۱	-	۲۸	۲	-
کوئٹہ پشین	۲	۶۰	۷	-	۱۸	۷	۴
سبی	۵۴	۱۲	۷	۲۰	۵	۲	-
ژوب	-	۹۶	-	-	۳	۱	-

آپ نے دیکھ لیا کہ انگریزوں کی سیاسی مصلحت کی بنا پر سرائیکی زبان والے علاقے کو چار صوبوں اور تین ریاستوں میں تقسیم کرنے کا کیا اثر ہُوا۔ اس کا وجود ہی جاتا رہا (ڈاکٹر فیلڈ تو پنجابی کو بلوچستان تک لے گئے ہیں۔ حالانکہ ملتان کے ضلع ہی سے پنجابی زبان اور تمدن کا وجود غائب ہو جاتا ہے)

اب ان کی زبانی یورپین محققین کی مشکلات کا ذکر سنئے "بلوچی مکران خاران چاغی سبی اضلاع کی اکثریت کی زبان ہے۔ یورپین محققین بلوچی زبان کی

دو اقسام بتاتے ہیں۔ ایک مغربی بلوچی یا مکرانی اور دوسری مشرقی بلوچی یعنی مشرقی بلوچستان اور پنجاب کی زبان" اب آپ نے دیکھ لیا کہ پنجاب میں بلوچی زبان آ گئی اسی بلوچی ساخت اور ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فیلڈ نے ایک حوالہ دیا ہے مسٹر ای پیئرس جنہوں نے مکران کی بلوچی زبان کا مطالعہ کیا ہے کہتے ہیں کہ بلوچی کا مختلف علاقوں میں بالکل تھوڑا سا اختلاف ہے۔ مگر ہر علاقے میں کچھ نہ کچھ خاص الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جو دوسرے علاقے والے نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مکرانی بلوچی دراصل فارسی ہے جس میں ہندوستانی ماخذ کے الفاظ بھی داخل ہو گئے ہیں۔ اس میں موجودہ دور کی فارسی کا کوئی نشان نہیں۔ جو الفاظ فارسی کے استعمال ہوتے ہیں وہ غیر مروّج ہو چکے ہیں" آگے چل کر ڈاکٹر فیلڈ لکھتے ہیں، "پشتو کوئٹہ پشین، لورالائی اور ژوب اضلاع کی اکثریت کی زبان ہے براہوی زبان قلات ضلع کی اکثریت کی زبان ہے اور خاران اور چاغی کے ضلع کی دوسری بڑی زبان ہے۔ لسبیلہ میں سندھی زبان سے مشتق لاسی زبان اکثریت کی زبان ہے قارئین حضرات یہ دیکھ لیں کہ یہاں لسبیلہ کے ضلع کی سندھ سے ملحق تحصیل دریجی کی چھٹا بلوچوں کی سرائیکی زبان کو سندھی سے مشتق زبان کہہ دیا گیا ہے اس گرد و نواح میں سرائیکی کا وجود سندھی میں غائب ہو گیا۔ سرائیکی زبان کے حشر کے متعلق ڈاکٹر فیلڈ آگے چل کر کہتے ہیں" جٹکی جو سندھی سے مشتق ایک دوسری زبان ہے ضلع قلات، سبی کی دوسری بڑی زبان ہے۔ میری عرض ہے کہ ضلع قلات کے سندھ سے ملحق ڈھاڈر والے میدانی حصہ میں جو اب ضلع کچھی بن چکا ہے اور ضلع سبی کے نصیر آباد سب ڈویژن میں خالص سرائیکی زبان بولی جاتی ہے۔ جھل مگسی کے مگسی بلوچ روجھان جمالی کے جمالی بلوچ۔ ملتان کے خاکوانیوں جیسی اور اوچ کے بخاریوں جیسی خالص

اور صاف سرائیکی زبان بولتے ہیں۔ سرائیکی کے حشر کا ڈاکٹر فیلڈ کی زبانی سنئے" کہتے ہیں کوئٹہ میں پنجابی بولی جاتی ہے۔ اور اس سے مشتق دو بولیاں ہیں جعفر کی ضلع لورالائی کی تحصیل موسیٰ خیل کے جعفر پٹھان بولتے ہیں۔ اور کھترانی جو اسی ضلع کی بارکھان تحصیل کے کھتران بلوچ بولتے ہیں۔ کتنا حیرت انگیز ہے۔ کہ پنجابی زبان کوئٹہ میں جا پہنچی۔ حالانکہ دراصل کوئٹہ شہر میں سرائیکی بولنے والے ہی رہتے ہیں۔ جو جھل مگسی، روجھان جمالی، کوھلوں تحصیل ضلع سبی۔ بارکھان تحصیل و موسیٰ خیل تحصیل و ضلع لورالائی سے وہاں جا بسے ہیں۔ کوئٹہ ان کا صوبائی صدر مقام ہے پنجاب کے سندھ پار کے پسماندہ ضلع ڈیرہ غازی خان کے ذہین لوگوں کی اکثریت، ملازمت، صحافت اور تجارت کے سلسلے میں کوئٹہ شہر میں جا بسی ہے۔ پنجابی بولنے والے تو صرف کوئٹہ چھاؤنی افواج میں غیر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ہنری فیلڈ نے اسی سلسلہ میں برِّصغیر ہند و پاک کا ایک نقشہ دیا ہے جس میں انڈو آریائی زبانوں کا محلِّ وقوع دکھایا گیا ہے۔ اس میں برِّصغیر کی زبانوں کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ سندھی، کشمیری اور ایک لہندا زبان کو مغربی سرحدی زبانیں کہا گیا ہے۔ ان سے شرق کی طرف اندرونی زبانوں کے درجہ میں پنجابی اور راجستھانی اور گجراتی دکھائی گئی ہیں۔ جہاں پنجابی دکھائی گئی ہے وہاں متحدہ ہندوستان کے وقت کا وسط پنجاب اور مشرقی پنجاب دکھایا گیا ہے۔ ان تین سرحدی زبانوں میں یعنی کشمیری، لہندہ اور سندھی کے غرب میں پشتو، بلوچی اپنی صحیح جگہ پر مکران اور پشاور میں دکھائی گئی ہیں۔ لہندہ دراصل یہی سرائیکی زبان ہے جس کو بعض سرائیکی کے مخالف مغربی پنجابی کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ سرائیکی زبان کی صحیح ادائیگی

Scanned by CamScanner

پنجابی کر ہی نہیں سکتے۔ لہندہ کے معنی ہیں وہ علاقہ جس طرف سورج غروب ہوتا ہو یعنی غرب کا علاقہ۔ سرائیکی زبان میں لہندہ کو لمّا کہتے ہیں۔ یہ لفظ اس وقت کی یادگار ہے جب پنجاب کے پنجندہ کے آریائی شرق میں بیٹھ کر سرائیکی بولنے والوں کو لمّی کہا کرتے تھے۔ یہ لفظ در اصل عربی لفظ لمّہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں لمبی زلفیں یعنی سر کے لمبے بال کیونکہ سرائیکی بولنے والے لوگ ہڑپہ۔ ساہی وال سے لے کر کوہاٹ کے کھٹک اور بنگش پٹھانوں۔ وزیرستان کے وزیر اور محسود پٹھانوں ژوب اور کوئٹہ کے کاکڑ پٹھانوں اور خاران اور مکران کے بلوچوں تک تمام لوگ سر کے بال لمبے رکھتے ہیں جن کو پشتو میں سنڑے اور سرائیکی میں چونڑے کہتے ہیں۔ (اس کا مزید ذکر سکندر اعظم کے دور میں آئے گا)

میری اس لمبی زلفوں والے لوگوں کی تفصیل کو اگر نقشے پر رنگ بھر کر دیکھا جائے تو اس میں تمام قدیم پانچ ہزار سال پرانی تہذیبوں کے گہوارے آجاتے ہیں۔

(۱) ہڑپہ کلچر یعنی وادی سندھ کی تہذیب۔

(۲) امری کلچر سندھ کے ضلع دادُو اور لس بیلہ کی تحصیل دریجی میں۔

(۳) ژوب کلچر ضلع ژوب میں۔

(۴) کوئٹہ کلچر ضلع کوئٹہ اور ضلع قلات کے علاقہ سرآب میں۔

(۵) نل کلچر ضلع قلات کے جھالاوان سب ڈویژن میں خضدار کے قریب دریائے نل پر۔

(۶) کل کلچر ضلع مکران کے شرق میں دریائے کیچ کے مخارب آب پر۔

(۷) شاہی ٹمپ ضلع مکران کے غرب میں دریائے نہنگ پر اور اسی دریائے نہنگ
اور دریائے کیچ کے اتصال کے نیچے ستگگندور کا مشہور ویران شہر ہے۔

اس خصوصیت مشترکہ سے ظاہر ہے کہ پنجاب کے ساہی وال سے لے کر ایران
کی سرحد پر مکران کے دریائے دشت کے دہانہ پر جیونوڑی بندرگاہ تک ایک ہی متحدہ تمدن
ثقافت اور حکومت تھی۔ اس پر نہ تو خام محب سرائیکی بولنے والے کو اور سرائیکی
نہ بولنے والے کو اور نہ کسی سرائیکی کے مخالفین کو تعجب ہونا چاہیئے کہ میں نے پہلے
سرائیکی بولنے والے لوگوں کے تسلسل کو قلات کے درہ بولان اور لس بیلہ کی تحصیل
دریجی میں حزوار تک پہنچا دیا۔ جہاں سے دریائے مولہ نکل کر ضلع کچھی کے گندھاوا
اور جھل مگسی کو سیراب کرتا ہے۔ جہاں سرائیکی بولنے والے بستے ہیں اور اب پھر
ان سرائیکی بولنے والوں کی قدیم زمانہ سے سر پر لمبی زلفیں رکھنے کی عادت کو پشتو اور
بلوچی اور بلوچی بولنے والوں کے علاقہ تک پہنچا دیا ہے۔ چچ نامہ جو دراصل سندھ کی
مستند قدیم تاریخ ہے اور اس میں عربوں کے زمانہ تک سندھ کی ایک عظیم متحدہ حکومت کی
حدود دیکھ اس طرح بیان کرتا ہے۔ محمد بن قاسم کے وقت تک سندھ عظیم کی یہی
حدود تھیں۔ سوائے مکران کے جو غالباً محمد بن قاسم کے آنے سے پہلے عربوں
کے قبضے میں آچکا تھا۔ (اس ضمن میں سندھی ادبی بورڈ کے شائع کردہ چچ نامہ کا صفحہ
۴۴ ملاحظہ ہو)۔

"رائے سیہرس بن رائے ساہسی کی حکومت کی حدود مشرق میں کشمیر۔ مغرب میں
مکران، جنوب میں دیبل۔ اور ساحل سمندر۔ اور شمال میں کردوں کے پہاڑ اور کیکانان
تک پھیلی ہوئی تھی۔"

Scanned by CamScanner

کردوں کے پہاڑ سے مراد قلات سبی اور خاران کے بلوچوں کے پہاڑ کیکانان سے مراد کا کڑ پٹھانوں کا ژوب پشین علاقہ ہے۔ کیونکہ کرد اور بلوچ پٹھانوں کی طرح کوہ سلیمان کی پشت پر رہنے والی قومیں ہیں۔ جو پاکستان سے ایران، عراق اور ترکی کے کردستان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ان قوموں کی مزید تفصیل آگے چل کر اصحاب الرس کے دور میں پیش کی جائے گی۔

۶۔ موجودہ پنجاب کی نظام آبپاشی کی تقسیم تاریخ دہرا رہی ہے۔

اس سرائیکی بولنے والے علاقہ کی قدیم زمانہ سے وحدت کا ثبوت پنجاب اور بہاولپور کی موجودہ زرعی اقتصادی تقسیم نے بھی بہم پہنچا دیا ہے۔ پنجاب کا شرقی حصہ تا ضلع بہاولنگر منگلا ڈیم سے سیراب ہوگا۔ اور غربی حصہ تاربیلہ ڈیم سے۔ تاریخ ایک پراسرار طریقہ سے اپنے آپ کو دہراتی ہے اس لئے یہ ایک تعجب انگیز امر ہے کہ دریائے سندھ کے تاربیلہ ڈیم سے پانی لانے والا چشمہ۔ بیراج تا جہلم لنک تریموں۔ سدھنائی پچاکھوہ۔ میلسی بہاول لنک۔ ڈیزرٹ برانچ کے راستے ڈیرا ور تک اسی راستے پر پانی لے جائیگا۔ جہاں پانچ ہزار سال پہلے (بموجب سر آرل سٹین) دریائے سندھ تقریباً تقریباً اسی راستے پر چلکر سرائیکی بولنے والے علاقہ کی شرقی حد قائم کردیا تھا۔ اور اسی وقت دریائے سندھ کے اسی راستے کے شرق والے علاقے کو ہند کہتے تھے اور اس کے غرب اور کوہ سلیمان کے درمیان والے علاقے کو از کالاباغ تا سبی از ہڑپہ تا موہنجوداڑو تا جھیل منچھر و سیوان شریف اور از ڈیرا دڑ تا پتن منارہ دا لور سندھ کہتے تھے۔ اس زمانے کے چناب اور جہلم تقریباً تقریباً اسی راستے اور رخ پر چلتے تھے (بموجب سر آرل سٹین) جہاں منگلا ڈیم کا پانی رسول قادر آباد بلوکی سلیمانکی لنک

اور ہکڑہ برانچ کے راستے فورٹ مروٹ تک جائے گا۔ مروٹ اور ڈیراوڑ اور اس وقت کے پنجند اور کوٹ مٹھن سنگھم تھے۔ سر آرل سٹین آنجہانی نے اپنے مضمون دریائے سرسوتی کے کنارے قدیم مقامات کی سروے" رائل جیوگرافیکل جرنل لندن ستمبر ۱۹۴۳ء میں اپنا نظریہ ظاہر کیا ہے۔ دریائے ستلج کو اس کی موجودہ جگہ پر پانچ ہزار سال پہلے چلتا ہوا فرض کر کے کہا ہے۔ کہ اس وقت کے دریائے ستلج سے دو شاخیں ایک دوسرے سے اسی میل دور نکل کر اسی پرانے دریائے سرسوتی یا ہکڑہ کو پانی بہم پہنچاتی تھیں۔ ایک کے راستے کے ساتھ سلیمانکی کی ہکڑہ برانچ چل رہی ہے۔ اور دوسری کے ساتھ بہاول کینال کی ڈیزرٹ برانچ رواں ہے خدا کا کرنا کیا ہوا کہ یہ دونوں شاخیں بیک وقت کسی وجہ سے بند ہو گئیں۔ چونکہ سر آرل سٹین دسمبر ۱۹۴۳ء میں کابل میں نمونیہ سے فوت ہو گئے ورنہ اس ابتدائی تحقیقات کی مزید توضیحی تحقیقات کرنے کے بعد میرے بیان کردہ نظریہ کی توثیق کرتے کہ چناب اور سندھ مروٹ اور ڈیراوڑ پر آ کر اس وقت کے دریائے ستلج اور دریائے پنجند کو آ کر ملتے تھے۔ اور پھر کسی وجہ سے ان راستوں سے ہٹ کر یا تو کسی زلزلہ نے بیک وقت ان کا رخ تبدیل کر دیا۔ اور یا وہ قدرتی قانون غرب روی کے تحت شمال اور غرب کی طرف چلے گئے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کوہستان نمک کے شمال کے پہاڑی علاقے کے اضلاع راولپنڈی۔ جہلم، ہزارہ اور کیمبل پور دریائے جہلم اور چناب اور سندھ کے غرب کی طرف چلے جانے کے باوجود ہمیشہ پانچ ہزار سال پہلے سے اب تک سندھ ساگر دوآب کا حصہ ہی رہے ہیں۔ چچ نامہ اسی کوہستان نمک کو پنج مونہیات کا علاقہ کہہ کر کشمیر کی حد

حد تک بتلاتا ہے۔ چوعہ سیدن شاہ سے لے کر جھیل سکیسر تک پانچ میٹھے یا کھاری پانی کی جھیلیں اب بھی موجود ہیں۔ اس وقت کے سندھ ساگر۔ دوآب کی بولی آج بھی خوشاب سے بہاول نگر تک نہ پنجابی ہے نہ سرائیکی مگر سرائیکی کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ زبان ایک دائمی چیز ہے۔ منگلہ ڈیم کے سلسلہ ہائے لنک اور اور تار بیلہ ڈیم کے سلسلہ ہائے لنک کے درمیان یہی زبان باروں کی زبان کہلاتی ہے۔ اعوان، ٹوانہ، نون، بندیال، سیال، کھرال، کاٹھیا، لنگڑیال، جویا اور وٹو قبائل ساکن موجودہ لوئر چج دواب، لوئر رچنا دواب، لوئر باری دواب اور بیرون پنجند کے اضلاع سرگودھا، لائل پور، جھنگ، ساہیوال اور بہاولنگر یہی زبان بولتے ہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اس پانچ ہزار سال پرانے سندھ ساگر دوآب کے درمیان میں سرگودھا، چینوٹ، سانگلہ ہل اور شاہ کوٹ کی بقیۃ المدفون پہاڑیاں اس کو دو شرقی اور غربی نصف میں تقسیم کرتی ہیں۔ یہ پہاڑیاں کوہ اراولی کی شاخ ہیں جو دہلی سے مڑ کر پنجاب میں آجاتی ہیں۔ لاہور، قصور اور چونیاں کے قریب یہ پہاڑیاں زمین کی سطح سے ایک ہزار فٹ سے بارہ سو فٹ .... تک نیچے مدفون ہیں، غالباً یہی زمین میں دبی ہوئی پہاڑیاں دریائے سندھ کے مسروبہ رقبہ کی شرقی حد اور جہلم چناب کے مسروبہ رقبہ کی غربی حدِ فاصل کا کام کرتی تھیں۔ آج بھی یہ پہاڑیاں پنجاب کے شرقی رود کوہیوں والے اضلاع گجرات، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور لاہور کی حد ہیں۔ گو جہلم اور چناب ان کے غرب میں چلے گئے ہیں۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ کوہ اراولی کی شاخ کی موجودگی وادیٔ سندھ کی قدیم مشرقی حد پر موجودہ پنجاب کے

Scanned by CamScanner

اندر وادیٔ سندھ کے تمدن کے حدود اربعہ کو دہلی اور کاٹھیاواڑ تک لے جاتی ہے۔ کاٹھیاواڑ میں بھی وادی سندھ کی تہذیب کے ایک دورانتادہ، اثر یافتہ رنگ پور شہر کی کھدائی ہوئی ہے جسطرح دریائے ستلج کے مخرج از کوہ کے مقام روپڑ پر کوٹلہ نہنگ میں نکلے ہیں (اس حدود اربعہ کا مزید ذکر آگے چل کر ہوگا)

۷۔ سرائیکی تمدن کی قدامت کا تاریخی ثبوت

اس جغرافیائی قدامت کا تاریخی ثبوت ہندوؤں کی جتکا کہانیوں سے جو دراصل رگ وید کی شرح کے بطور لکھی گئی ہیں۔ مل جاتا ہے یہ لفظ جتکا بھی جتکی کی طرح۔۔۔۔ قوم جاٹ سے تعلق رکھتا ہے۔ موجودہ شورکوٹ سے موجودہ سبی تک سیوی بادشاہوں کی حکومت کا ذکر کیا گیا ہے جب ارتھ ہیرا اور جٹ اروڑ یکے بعد دیگرے اس کے دارالخلافہ تھے۔ سیوہ پور موجودہ شورکوٹ کے قریب اس کا اہم شہر تھا۔ سیوی بادشاہ آریہ نسل سے نہ تھے بلکہ دراوڑ قوم سے تھے، رگ وید اور جتکا کہانیوں کے بعد سیوی قوم کا ذکر یونانی تاریخوں میں سکندر اعظم کے وقت تک ملتا ہے۔ یہ چچ نامہ کے مصنف علی بن احمد کوفی اوچی نے سیوستان اور سیوی قوم کا ذکر عربوں کے وقت میں بھی کیا ہے۔

حال کے ایک انگریز مصنف نے (ہسٹری ٹوڈے۔ لندن) سکندر اعظم کی بہادلپور ڈویژن کے شہر احمد پور شرقیہ کے قریب سبوئی (سیوی) قوم کے باشندوں سے ملاقات کا ذکر کیا ہے جنہوں نے کھالیں پہنی ہوئی تھیں اور ہاتھوں میں کلب (گرز) اٹھائے ہوئے تھے۔ غالباً مغرب کے پہاڑوں سے اتر کر ملنے آئے تھے

اسی احمد پور کے مشرق میں سولہ میل دُور اور بہاول پور سے اٹھارہ میل غرب کی طرف موضع سُوئی وہاڑ اس قوم کی یادگار ہے۔ جہاں راجہ کنشکا کے وقت (۱۲۵ء) کا بدھ معبد موجود ہے۔ ضلع رحیم یار خان کا مقام سیوراہی (سرداہی) سندھ کے ضلع سکھر کے تعلقہ آبادڑہ میں مقام سُوئی شریف بگٹی علاقے میں سُوئی گیس کا مشہور مقام اور ضلع سبی کا شہر سبی اور سہوان کا قدیم نام سیوستان مزید یادگاریں ہیں جن کا تسلسل بہاول پور سے سبی تک باعثِ تعجب ہے۔

۸۔ سرائیکی زبان کی حلاوت اور رسیلا پن روحانی عروج کے تسلسل کی یادگار ہے

اس زبان کی حلاوت اور رسیلے پن سے یورپی محققین میں سب سے پہلے سرجان فلبی کے کان آشنا ہوئے انہوں نے اس زبان کو برِصغیر کی قدیم ترین پراکرت کہا ہے۔ جان فلبی اس وقت ایک جواں سال انڈین سول سروس آفیسر تھے۔ ڈیرہ غازیخان کے ڈپٹی کمشنر کے پولیٹیکل ...... اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ ڈیرہ غازی خان کے قبائلی علاقے کا چارج ان کے پاس تھا۔ اس علاقہ کے نرم اور شیریں لہجہ سرائیکی بولنے والے مفلس مگر صابر و شاکر لوگوں کے پُرسکون چہروں اور خلق بھری نگاہوں نے ان کو بڑا متاثر کیا۔ انہوں نے اس غریب قبائلی لوگوں کے اس اندازِ انسانیت کو اسلام کا فیضان سمجھا اور بالآخر وہ خود بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور ملازمت چھوڑ کر عرب چلے گئے جہاں وہ شاہ ابن سعود کے دوست اور مشیر تھے۔ سرائیکی زبان کی حلاوت کا ذکر آیا ہے۔ تو یہ کہنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ چند سال ہوئے جنگ کراچی میں مسٹر بلوچ نے سرائیکی پر مقالہ لکھا تھا کہ نرم لہجہ اور شیریں زبانی میں برصغیر ہند و پاک میں سرائیکی

Scanned by CamScanner

زبان وہی پایہ رکھتی ہے جو یورپ کی زبانوں میں نرم ادائیگی اور حلاوت کے لحاظ سے فرانسیسی زبان رکھتی ہے۔ یہ حسنِ اتفاق سمجھیں کہ ایک برطانوی یونیورسٹی میں فرانسیسی زبان کی فرانسیسی نژاد اُستانی میڈم ڈرمنڈ ایک سرائیکی بولنے والے علاقے سے آئے ہوئے اپنے شاگرد کو فرانسیسی الفاظ کی صحیح ادائیگی اور نرم لہجے پر تحسین دیا کرتی تھی۔ دریافت کرنے پر جب اسے بتایا گیا کہ وہ پنجاب سے ہے تو وہ کہتی کہ نہیں نہیں موسیو! میرے دوسرے پنجابی شاگرد یہ نرم ادائیگی نہ کر سکتے تھے۔ میرے خیال میں غالباً وہ اس وقت کے مشرقی پنجاب یا وسط پنجاب سے تھے۔ سرجان فلبی کا اندازہ کہ یہ اندازِ انسانیت اسلام کا فیض تھا، صحیح تو تھا۔ مگر ادھورا تھا۔ وادی سندھ کے اس سرائیکی بولنے والے علاقے کے لوگ ہمیشہ حاملانِ دینِ اسلام رہے ہیں، آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیمؑ تک انبیائے کرام کا یہی وطن تھا۔ ایک شیعہ مفسر نے بلا حوالہ دیئے آدمؑ کو ہندوستان سے چالیس بار حج پا پیادہ کرتے بیان کیا ہے۔

باب سوئم

رُوحانی تسلسل کا ثبوت

9. کیا مُلتان ایوبؑ کا وطن ہے؟

'ملتان کے گزیٹیر' (۱۹۰۲ء) کے مُصنّف مسٹر میکلیگن نے جو بعد میں گورنر پنجاب ہوئے، لکھا ہے کہ یہ عام طور پر مشہور ہے کہ ایوبؑ کا مزار 'ملتان' میں ہے یہ وہی صابر پیغمبرؑ تھے جن کا بدن زخموں سے بھر گیا تھا اور وہ عرصہ تک آزمائش میں رہے، اس قسم کی ایک روایت 'ملتان' کے قدیم زمانہ کے ایک بادشاہ کے متعلق چچ نامہ میں ایک برہمن کی زبانی بیان کی گئی ہے۔ جس نے محمد بن قاسم کے سامنے حاضر ہوکر کہا کہ 'ملتان کے بزرگوں سے اس طرح سُنا گیا ہے۔ کہ پرانے زمانے میں کشمیر کے راجہ کی اولادوں میں سے جوبن نامی ایک راجہ اس شہر میں راج کرتا تھا۔ جو ایک برہمن راہب

Scanned by CamScanner

تھا۔ اور اپنے طریقہ کا پابند تھا۔ چچ نامہ کے شارح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے صفحہ ۵۱۷ پر لکھا ہے۔ کہ ہوڈی والا کے مطابق یہ نام جنیدیو (یعنی سمبدیو) ہونا چاہیئے۔ جو راجہ سامب مشہور ہے۔ سامب کو درواسس نامی فقیر کی بددُعا کی وجہ سے کوڑھ ہو گیا تھا اور وہ متروان کے پودوں میں جا بیٹھا اور متر یعنی سورج کی پوجا کرنے سے اس کو نجات ملی اور اس نے اس لئے متر یعنی سورج دیوتا کی پرستش کے لئے ایک مندر میں سونے کا بت ایستادہ کیا۔ عیسائیوں کی انگریزی بائبل کے حصہ تورات میں جاب کا صحیفہ موجود ہے۔ جاب اور جوبن کی صوتی مشابہت قابل غور ہے۔ یہی جاب ایوبؑ تھے۔ ملتان کی روایت میں راجہ جوبن کا ذکر ہے جو راجہ سامب کے نام سے بھی مشہور تھا اور اس کو کوڑھ ہو گیا تھا۔ غالباً ملتان ہی ایوبؑ کا وطن تھا۔

ایوبؑ کا زمانہ موسیٰؑ کے زمانے سے بھی پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ غالباً وہ ابراہیمؑ سے بھی پہلے ہوں گے۔ محققین کہتے ہیں کہ صحیفہ جاب کی ساخت اور محاورے بتاتے ہیں کہ وہ عربی میں تھا۔ جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ درواسس فقیر اور درویش میں کتنی قریبی صوتی مشابہت ہے۔ اسلامی روایت میں کہا ہے کہ ایوبؑ نے مکھیوں سے کدو کی بیل کے سائے میں پناہ لی۔ اور اس ہندو روایت میں متروان کے پودوں میں جا بیٹھنے کا ذکر ہے۔ غالباً یہ میترا (تربوز) کی بیل تھی (ون ساوی درخت) جو ریت پر تھوڑی سی نمی کے اندر بھی سورج کی دھوپ کے فیض سے پل جاتی ہے غالباً اسی بناء پر ہندو نظریہ کے مطابق وہ سورج کی پروردہ ہے۔ سکندر اعظم کے وقت میں بھی نبستی کے قریب والے علاقے میں پہاڑی

Scanned by CamScanner

لوگوں کے ایک راجہ سمبوس کا ذکر ہے جو راجہ سامب کے لگ بھگ ہے۔ یہ بھی ملتان تا بستی کی وحدت کا ثبوت ہے۔

۱۰۔ کیا وادی سندھ ہودؑ اور صالحؑ کا وطن تھا۔

حیرت کا مقام ہے اور افسوس کا بھی کہ راسخ العقیدہ مفسرین قرآن نے انبیاءِ کرام کی تلاش جزیرہ نما عرب کے اندر تک محدود رکھی یا وہ صرف عراق تک گئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت ہر وادی دریا میں پہنچا۔ اور وادیٔ سندھ تو سب وادیوں سے وسیع تر اور طویل و عریض ہے۔ آوچ کے متعلق جو کوہِ سلیمان کے دامن سے صرف ساٹھ میل دور ہے۔ قدیم روایتوں میں ذکر ہے کہ یہ راجہ ہودی کا شہر تھا اور سیالکوٹ میں جو کوہ ہمالیہ کے دامن سے صرف بیس میل دور — اور چناب کے کنارے پر ہے ایک راجہ سالی واہن (صالی واحن) حکومت کرتا تھا۔ جنرل کننگھم کا قیاس ہے کہ کہ راجہ ہودی ایک انڈو سیتھین جرنیل تھا جس نے کہروڑ کے مقام پر راجہ سالی واہن سے لڑائی کی اور شکست کھائی (بہاولپور گزیٹیر) دراصل حقیقت اور ہے یہ کہانیاں اور اندازے قدیم ہندوؤں کی روایتوں میں ہودؑ اور صالحؑ کے قرآن کریم کے بیان کردہ --- قصوں کا ابتدائی سراغ ہیں۔ میری رائے میں ہودؑ اور صالحؑ اسی وادی سندھ میں تھے پانچ ہزار سال پہلے کے دریائی نظام نے اپنی حالت بدلنی شروع کی اور جنوب سے شمال کو اور مشرق سے غرب کو ہٹنے لگے اور جنوبی ترین دریائے ستلج اپنے پیچھے

چولستان کا صحرا چھوڑتا آیا۔ ماہرین مواسم کے قول کے مطابق، سپین کے کوہِ پیرنیز اور اٹلی کے کوہ ایلپس کے برف کے اوپر ہٹنے سے اللہ تعالیٰ نے اس وقت مغرب سے بحر اوقیانوس سے آنے والی بارانِ رحمت سے لدی ہوئی ہواؤں کے رُخ اور مقدار کو بھی بدل دیا۔ کوہِ سلیمان کے دامن میں خشک سالی نے زور پکڑا اور کوہ ہمالیہ سے آنے والے پانچ دریاؤں پر اور دریائے سندھ پر رہنے والے باشندوں کے درمیان پانی کے تنازعات نے سر اٹھایا۔ اس لحاظ سے طوفانِ نوحؑ بھی جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے اسی وادی میں آیا ہوگا۔ کیونکہ قومِ نوحؑ کے بعد عاد اور عاد کے بعد ثمود آئے۔

۱۱۔ وادیٔ سندھ میں طوفانِ نوحؑ کا ثبوت

ہندو روائیتوں میں طوفانِ نوحؑ کی طرز کے سیلاب کا ذکر میرے اس نظریہ کی تائید کرتا ہے۔ ایک تصدیق تو نوحؑ اور منو رشی کی صوتی مشابہت ہے اور دوسری تصدیق فیصل یہ ہے کہ اس ہندو روایت میں ایک چھوٹی مچھلی اور بڑی مچھلی کا ذکر ہے۔ جس نے نوحؑ سے آکر پناہ مانگی کہ بڑی مچھلی اس کو نگلنا چاہتی تھی۔ قرآن کریم میں اس طبقاتی کشمکش کو اشارہ کی بجائے کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ قوم نوحؑ کے مالدار لوگ جو شریف کہلاتے تھے مفلس لوگوں پر جن کو وہ رذیل کمینے سمجھتے تھے سختی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر عذابِ طوفانِ نوحؑ کی صورت میں بھیجا۔ نوحؑ کی کشتی ہمادوت پہاڑ پر جا لگی۔ قرآن کریم میں کوہ جودی کا ذکر ہے۔ دجلہ اور فرات

Scanned by CamScanner

کے عراق کی کہانی میں آنو کا ذکر ہے۔ جو نوحؑ کے نام سے مشابہت تو رکھتا ہے۔ مگر بدکرداری کی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔

دوسرا ذکر اس میں دیوتا بعل کا ہے جس کی پرستش عراق کے کلدانی، سکندر اعظم کے وقت تک بھی کرتے تھے۔ جس کا ذکر یونانی مؤرخ ایرین کی تاریخ سکندر اعظم میں ہے۔ کلدانی اس وقت بابل میں قید تھے۔ سکندر اعظم ان کو وہاں ملا۔ میری رائے میں عراقی روایت ہندو روایت سے بہت بعد کی ہے۔ اور غالباً اس سے نقل کی گئی ہے۔ اس کا مزید تائیدی ثبوت نیچے چل کر عرض کروں گا۔

۱۲۔ سالی واہن کے بیٹے پورن کی بددعا اور وششٹا کی خودکشی

ایک اور ہندو روایت میں ذکر ہے کہ راجہ سالی واہن کے بڑے بیٹے پورن نے جو ایک مجذوب فقیر تھا ستلج کو کسی وجہ سے بددعا کی اور حکم دیا کہ وہ اپنے راستے کو چھوڑ کر شمال میں جا کر راوی دریا سے جا ملے (کلکتہ ریویو جولائی ۱۸۷۴ء) مہابھارت میں ایک اور ہندو روایت ہے کہ جب وششٹا نے ستلج میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی تو دریا ایک سو شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔ راجہ سالی واہن کے زمانہ میں دریائے ستلج ہمالیہ سے رو پڑ پر نکل کر جنوب کی طرف بہتا ہوا انوپ گڑھ پر گھاگرا کو ساتھ لیتا ہوا بہاولپور کے چولستان میں ولہرا اور فورٹ عباس کے قریب چل کر فورٹ مروٹ پر اس زمانے کے چناب میں آملتا تھا۔ اور یہ پانچوں دریا پنجند بن کر فورٹ ڈیراور

پر دریائے سندھ میں جا ملتے تھے۔ ولہر سے لیکر دراوڑ تک ایک کثیر تعداد اجڑے ہوئے بلند و بالا شہروں کی سُرخ ٹیلوں کی صورت میں پڑی ہوئی ہے۔ غالباً یہی سالی واہن کا وطن تھا۔ جنرل کننگھم نے بھی اس قوم سالی واہن کا جیسلمیر تک وطن دکھایا ہے۔

۱۳۔ عاد اور ثمود کی ہجرت کا نظریہ

میرے اس تفصیلی بیان پر راسخ العقیدہ لوگوں کو غلطی کا گمان بھی ہو سکتا ہے کہ ہودؑ کی قوم عاد اور صالحؑ کی قوم ثمودؑ کا وجود کیسے ثابت ہو گا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ثمودؑ تو پہاڑوں کو کھود کر مکان بناتے تھے اور یہ سراغ ثمودؑ کا عرب میں مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے درمیان ملتا ہے۔ تازہ تحقیق بتاتی ہے کہ قوم ثمودؑ کے وجود کا پتہ عدن کے پہاڑوں میں اور حضر موت کی وادی میں بھی ملتا ہے (جیو گرافیکل میگزین لندن) میں کہوں گا کہ قوم عاد کے بعد قوم ثمودؑ وادی سندھ سے یکے بعد دیگرے ہجرت کر کے پہلے عدن اور حضر موت پہنچے۔ میرے خیال میں سندھ میں باقی رہ جانے والے ثمودؑ بعد میں قوم سمہ مشہور ہوئے اور آج تک اسی نام سے مشہور ہیں۔ اور پھر دوسری ہجرت میں ثمودؑ بیت المقدس کی طرف چلی گئی۔ اور قوم عاد ان سے پہلے دوسری ہجرت میں عراق کی طرف چلی گئی تھی جہاں بابل کے گرد و پیش میں آثار قدیمہ سے برآمد ہونے والی الواح سے سرائیکی زبان کے الفاظ بھی ملتے ہیں (تاریخ سرائیکی ظامی) اور ہڑپہ

Scanned by CamScanner

اور موہنجو دارو جیسی مہریں بھی ملتی ہیں اور ان الواح پر پڑھے جانے والے بادشاہوں کے ناموں میں ہندو ویدک زمانہ کے بادشاہوں کے ناموں جیسے ہیں (معارف الآثار۔ کرنل رشید) گمان غالب ہے کہ جمنا کے کنارے سے سندھ تک پھرنے والی خانہ بدوش قوم اوڈ یہی قوم عاد ہے۔ غیور اور جفاکش اور دیوار ساز، یورپ کے خانہ بدوش جپسیز بھی ان کی اولاد ہیں ان کی دومنی زبان میں سرائیکی کے الفاظ ہیں جن کو پنجابی فرض کر لیا گیا ہے۔

۱۴۔ کیا ابراہیمؑ نے وادیٔ سندھ سے ہجرت کی؟

میں نے اوپر ذکر کیا تھا کہ ابراہیمؑ بھی اسی وادی میں پیدا ہوئے کیونکہ تورات میں کلدانیوں کے شہر اُر سے ابراہیمؑ کی ہجرت شروع ہوتی دکھائی ہے۔ اس لئے انگریز ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے عراق کے ایک شہر کی کھدائی کے بعد اس کا نام اُر رکھدیا اور اس کو ابراہیمؑ کا وطن فرض کر لیا۔ حالانکہ وادیٔ سندھ کی تاریخ میں جٹ اروڑ کا بھی ذکر ہے۔ اور الور کا بھی ذکر ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ عراق کے کلدانی خلیج فارس کے اس پار شمالی کنارے رہتے تھے۔ اور سندھ کے کلدانی بحیرہ عرب کے مشرقی کنارے اس پار رہتے تھے۔ وہ بھی دیوتا بعل کی پوجا کرتے تھے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جس کے معبد کا وجود سندھ میں حال کی تاریخوں میں عربوں کے وقت سے بھی ملتا ہے۔ کلدانی لفظ کلا سے بنا ہے عربی میں کلا دریا یا سمندر کے کنارے کو کہتے ہیں۔ یونانی کا لفظ چیلی اسی عربی

لفظ کلا سے مشتق ہے جس سے تورات کی قوم چیلدیز کا نام بنا۔ تورات کا بیان کردہ شہر اُر اسی قوم کا شہر تھا۔ سندھ میں دیبل کا سمندر پر واقع شہر عربوں کے وقت سے مشہور ہے۔ دیبل دراصل دیبہ بال ہے یعنی بعل کی بستی۔

Scanned by CamScanner

باب چہارم

روحانی اقدار کا تذکرہ

(۱) حضور اکرمؐ کی احادیث کی ماہرین موسم کے نظریہ سے تصدیق

اب میں ضمناً روحانی اقدار کا ذکر کرتا ہوں۔ میں نے اوپر باران رحمت کے رُخ اور مقدار میں تبدیلی کو وادیٔ سندھ کی یعنی سرائیکی وطن کی خشک سالی کے آغاز اور تدریجاً بربادی کا ذکر کیا تھا۔ جو حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت، بطرف عراق پر منتج ہوا۔ ماہرین مواسم بیان کرتے ہیں کہ چھبیس ہزار سے دس ہزار سال پہلے تک بحیرہ عرب اور بحیرہ روم کے گرد کے ملکوں میں یعنی وادیٔ سندھ، وادی عراق وادیٔ نیل اور جزیرہ نما عرب کے پہاڑوں پر برف سات ہزار فٹ تک پڑی ہوئی تھی جو اب دس ہزار فٹ کے اوپر تک رہتی ہے۔ ان ممالک کا اوسط درجۂ حرارت اب کی نسبت

بہت نیچے تھا اس کے نتیجہ میں بحر اوقیانوس سے آنے والی بارش سے لدی ہوئی ہواؤں کا رُخ سیدھا وادی سندھ کی طرف تھا۔ ساری وادی میں تیس سے چھتیس انچ تک بارش ہو جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی نوازش سے ہر ماہ تین انچ اور ہر ہفتہ پون انچ ہو جاتی تھی دریا اور نالے بھر کر چلتے تھے۔ دُور تک چلتے اور دیر تک چلتے تھے۔ اس وقت وادی سندھ یورپ برطانیہ اور شمالی امریکہ کی طرح سرسبز اور شاداب تھی (رائل جغرافیکل جنرل لندن) جہاں بارش کا معیار اب بھی وہی ہے جو اس وقت وادی سندھ میں تھا۔ اچانک قدرت کے نظام تکوینی کے تحت وہ وقت آ پہنچا جو مقدّر تھا ماہرین موسمیات نے تمام براعظموں میں مشاہدہ کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی ہے کہ تقریباً چھ لاکھ سال سے اب تک دنیا پر برفانی دَور محیط ہے۔ کیونکہ یہی برف انسان کے لیے سمندر، دریا، چشموں اور بارش کا مبداء ہے لیکن اس میں چار دور انجماد کے آ چکے ہیں جب دنیا کا بیشتر حصہ برف سے ڈھک جاتا تھا اور تین دوران چار دوروں کے درمیان خشک سالی کے آئے، موجودہ دور چوتھی خشک سالی کی طرف جا رہا ہے جس کا آغاز دس ہزار سال پہلے درجہ اوسط حرارت کے صفر کے گذرنے پر ساتویں آدمؑ کی پیدائش پر شروع ہوا اس ضمن میں حضورؐ رسول عربی کی دو حدیثیں زیر نظر رکھنی چاہئیں۔ آپ نے نوحؑ کو موجودہ دور کا آدمؑ ثانی فرمایا اور پھر فرمایا کہ موجودہ دور انسانیت کے آدمؑ ساتویں ہیں۔ میں نے یہ تذکرہ قارئین کے غور و فکر کے لیے کر دیا ہے اور اقوال نبیؐ کی صداقت کا اقوالِ ماہرین سے ثبوت دیا ہے (دی فیس آف ارتھ)

Scanned by CamScanner

(ڈوری صفحہ ۱۵۷)

۱۶- وادیٔ سندھ میں طوفانِ نوح کا سائنسی ثبوت

انہی ماہرین نے کہا ہے کہ جب پانچ ہزار سال پہلے خشک دور کا اوسط درجۂ حرارت ایک حد تک چڑھ کر پہنچا تو برف سات ہزار فٹ کی بلندی کے اوپر کی طرف پگھلنی شروع ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں دریاؤں میں سیلاب آئے۔ سمندر کی سطح تین سو فٹ اوپر چڑھ گئی۔ غالباً یہی طوفان نوح تھا۔ سوال ہوگا کہ وادیٔ سندھ میں طوفان نوح کیوں پہلے آیا اور کیوں زیادہ تباہی کی۔ آپ نقشہ پر نظر ڈالیں کہ دریائے سندھ اور اس کے پانچ معاونوں کے مخارج آب کوہ ہمالیہ میں ہیں جو تبت تک چلے جاتے ہیں اور ایک طویل و عریض وسیع رقبہ میں برما سے چترال تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اتنی وسعت نہ عراق کے دجلہ اور فرات کے مخارجِ آب کی ہے اور نہ دریائے نیل کے مخارجِ آب کی جو خطِ استوا پر واقع ہیں۔ طوفانِ نوح ہر وادی میں مختلف اوقات میں آیا۔ لیکن قرآن کریم کا بیان کردہ طوفانِ نوحؑ وادیٔ سندھ میں آیا۔ کیونکہ اس کے مخارج آب وادیٔ عراق کے مخارجِ آب سے دو درجے عرضِ بلد خطِ سرطان کے زیادہ نزدیک ہیں انہی وجوہ پہ دریائے نیل کا طوفان جس کے مخارج خطِ استوا پر ہی ہیں سب سے پہلے آیا چونکہ وہاں اولاد آدمؑ ابھی تک آباد نہیں ہوئی تھی۔ آسوان کی آخری اُفتادِ آب جو تقریباً خطِ سرطان پہ ہے (کیٹریکٹ) کے نیچے بحیرہ روم کے آبنائے بہتی تھی (بموجب ہیروڈوٹس۔ تاریخ) جو آنے والے سیلاب کی

مٹی سے بھرتی رہی اور موجودہ مصر کا ملک بن گیا۔ جب وادیٔ سندھ میں جوہی آدمؑ کا پہلا مسکن تھا۔ طوفان نوحؑ آیا برف پگھلنے اور پھیلنے لگی اور دریا الٹ پلٹ ہو گئے۔ پرانے راستے چھوڑ کر نئے راستے اختیار کر لئے۔ سمندر کی سطح تین سو فٹ بلند ہو گئی۔ شہر ڈوب گئے برباد ہو گئے (رائل جغرافیکل جرنل لندن)

بحر اوقیانوس سے آنے والی ہواؤں کا رخ شمال مشرق کی طرف اوپر ہٹنے لگا باران کی کمی نے اور بربادی کر دی۔ یہی غالباً ہودؑ اور بعد میں صالحؑ کا زمانہ تھا۔ مگر نوحؑ سے لے کر اس وقت تک یافث بن نوحؑ کی اولاد شمال کی طرف پہاڑوں میں چلی گئی تھی۔ وہاں بارشیں بدستور ہو رہی تھیں۔ حام بن نوحؑ کی اولاد مصر کی طرف چلی گئی۔ سام بن نوحؑ کی اولاد اپنے آبائی مسکن میں رہ گئی۔ ہودؑ اور صالحؑ کے وقت کے بعد عاد اور ثمود کی قوموں کا کچھ حصہ بھی جزیرہ نما عرب اور عراق کی طرف ہجرت کر گیا کیونکہ وہاں دور کی وادی سندھ کی نسبت بحر اوقیانوس سے آنے والی بارشیں کوہ لبنان کو پار کر کے ابھی نسبتاً زیادہ ہوتی تھیں عدن اور حضر موت کی وادی چونکہ خطِ سرطان سے نیچے تھی۔ طوفان نوح جیسے سیلاب کا حادثہ بہت پہلے اٹھا چکی تھی۔

۱۷۔ گنگا اور جمنا کا راجپوتانہ میں بہنے کا ثبوت۔ کیا یہ ثمودؑ کا وطن تھا۔ کیا سندھ کی قوم سمہ ثمود کی یادگار ہے۔

جنرل کننگھم کو قدیم ہندو روایات پر پورا عبور تھا۔ ان کا راجہ سالی واہن کے قبیلہ کے مسکن کو بیکانیر اور جیسلمیر کے راجپوتانہ کے صحرا میں بتانا خالی از وجہ نہیں ہوگا۔ ماہرین جیالوجی کی رائے ہے کہ گنگا اور جمنا کے مخارج از کوہ کی تنگیوں کا رخ جنوب مغرب کی طرف بحیرہ عرب کی جانب ہے حالانکہ یہ دونوں دریا اب جنوب مشرق کی طرف بہہ کر خلیج بنگال میں جا گرتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ طوفان نوحؑ کے وقت یا اس کے بعد کسی زلزلہ کے حادثے کے نتیجے کے طور پہ یہ اپنا رخ بحیرہ عرب کی طرف موڑ گئے اور راجپوتانہ کا مشہور صحرا جو قوم ثمود (سمہ قوم) کا شاداب اور آباد علاقہ تھا ویران ہو گیا۔

۱۸۔ چناب اور سندھ نے کب جنوب سے مغرب کو رخ بدلا اور کیوں بدلا؟

اغلب ہے کہ شمالاً جنوباً فورٹ منرو تک چلنے والے جہلم اور چناب اور ڈیرا اور تک چلنے والے دریائے سندھ نے بھی اس وقت اسی حادثہ سے جنوب سے غرب کی طرف ہٹنا شروع کر دیا۔ میری رائے میں اس وقت راوی اور بیاس بٹالہ کے قریب مل کر ایک ساتھ ہڑیارا نالہ میں لاہور اور قصور کے درمیان بہتے تھے۔ اسی زلزلہ کے نتیجہ میں راوی بٹالہ کے اوپر شمال کی طرف مڑ گیا۔ ساقی نالہ اس کی یادگار ہے۔ بیاس جو بٹالہ کے اوپر ہے جنوب کی طرف مڑ آیا۔ بٹالہ پہ مرکوز روہی نالہ اور پٹی نالہ اس کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں۔ وادی کانگڑہ اب تک بھی زلزلوں کیلئے

Scanned by CamScanner

مشہور ہے۔ ورنہ بیاس کے جنوب میں ساقی، ہڈیارا، روہی اور ہٹی کا وجود ناقابل فہم ہے۔ کیونکہ ہمالیہ کا دامن تو بیاس کے اس پار شرق میں ہے۔ جہاں سے پہاڑی نالے نکل سکتے ہیں۔ جیسا کہ موجودہ دوآبہ بست جالندھر اور دوآبہ رچنا میں نکلتے ہیں۔ میرے نظریہ کی دوسری تصدیق بھی قابل غور ہے۔ کہ ساقی، ہڈیارا، روہی اور ہٹی نالے تمام بٹالہ سے شروع ہوتے ہیں۔ غالباً رگ وید کی تیسری منڈل کے بھجن نمبر ۳۳ میں راوی اور بیاس کے بٹالہ پر اتصال کا ذکر ہے جس کے نیچے رشی وشوامتر نے اپنی رتھ دریا کے آر پار گذارا۔ یہ علامت ہے اِس بات کی کہ یہ دونوں ملنے والے دریا اپنا جزوی پانی شمال اور جنوب کی طرف لے جانے لگ گئے تھے۔ اصل دریا میں پانی کم ہوگیا تھا (کلکتہ ریویو جولائی ۱۸۷۴ء صفحہ ۴ صحرائے ہند کا گمشدہ دریا) ان دونوں کے چھوڑے ہوئے دریائی راستے بارشوں کے پانی کے نکاس کا راستہ بن کر آہستہ آہستہ مٹی سے بھر کر تنگ ہوگئے۔

اب سوال یہ ہوگا کہ دریا تو جنوب سے شمال کی طرف جاتے رہے ہیں جیسے کہ راوی بھی بیاس کو چھوڑ کر شمال کو چلا گیا۔ بیاس کیوں ہڈیارا کو چھوڑ کر جنوب کی طرف روہی اور ہٹی میں آتا رہا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ بیاس کی کانگڑا وادی کے گرد و نواح میں زلزلہ کے باعث قصور کھروڑ لمبائی میں اور بہاولنگر سے ساہیوال کے قریب تک پانچ ہزار سال پہلے پوری زمین دھنس گئی تھی اس وقت کے فورٹ مروٹ پہنچنے والے شمالاً جنوباً جہلم اور چناب کی اور ادھر مغرب میں ڈیراوڑ تک پہنچنے والے شمالاً

جنوباً دریائے سندھ کی اسی نشیب میں لہریں ٹوٹ گئیں۔ اور وہ یہیں رک گئے۔ اور اسی نشیب کو پُر کر کے غرب کی طرف ملتان کہروڑ اور اوچ کی طرف بہنے لگے اور بیاس بھی اسی میں پڑ کر ان کے ساتھ بہنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ شمال سے جنوب کی طرف ہٹتا گیا

۱۹۔ رام چندر جی کے تیر کا ہمالیہ میں زلزلہ پیدا کرنے کی کہانی

رامائن میں ایک روایت بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک دفعہ رام چندر جی نے اپنا تیر چڑھا کر سمندر کی طرف اپنی کمان کش لی تھی جو اس کو راستہ نہیں دیتا تھا۔ مگر سمندر کی منت سماجت پر جنوب میں سمندر کی بجائے شمال کے رُخ پہاڑوں کی طرف اپنا تیر چلا دیا کیونکہ وہاں دیو رہتے تھے جنہوں نے تمام علاقہ کو ستایا ہوا تھا۔ اس دن سے ان پہاڑوں سے نکلنے والے دریا نے رُخ پھیر لیا اور اس کا مسرُوبہ علاقہ صحرا بن گیا۔

اسی ضمن میں بنگال کے لیفٹننٹ گورنر نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں رائے ظاہر کی تھی کہ یہ غالباً دریائے جمنا کا ذکر تھا جو کسی زلزلے کے حادثے کی وجہ سے مغرب سے مشرق کی طرف مڑ گیا تھا اور بہاولپور کا چولستان چھوڑ گیا تھا (صحرائے ہند کا گم شدہ دریا نیر جیس کی تنقید کلکتہ ریویو اپریل ۱۸۷۵ء) میری رائے میں یہ ذکر جہلم اور چناب راوی اور بیاس اور ستلج کے بیک وقت مڑ جانے کا ہے۔ روپڑ سے لیکر جموں تک کوہ ہمالیہ کے اندر ستلج، بیاس، راوی اور چناب کے برفانی مخارج آب یکجا جمع ہو گئے۔ ستلج گو خود تبت سے جھیل مانسرور سے نکلتا ہے مگر اس کا بڑا معاون دریائے سپتی بھارت کے ہماچل پردیش سے نکلتا ہے۔

Scanned by CamScanner

چناب کے دو بڑے معاون دریائے چندرا اور دریائے بھاگا بھی اسی علاقہ سے نکلتے ہیں۔ راوی اور بیاس بھی اسی قرب و جوار سے نکل رہے ہیں غالباً ان عظیم برفانی چوٹیوں کے اجتماع سے اس علاقہ کوہ ہمالیہ میں زلزلے آتے ہیں۔ بیاس کی کانگڑا وادی اس کے درمیان میں ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو توازن کی میخیں بنا دیا ہے

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ رام چندر جی کو سمندر تک نہ پہنچنے کی شکایت تھی۔ غالباً وہ سال دریاؤں میں خشک آبی کا تھا۔ پہاڑوں پر برف زیادہ جمع ہوگئی تھی۔ درجۂ حرارت کم ہوگیا تھا۔ اس کے نتیجے میں برف کم پگھلی پاک پتن جس کو اجودھن بھی لکھتے ہیں۔ رام چندر جی کے وقت کا اجودھیا تھا۔ اور دریائے چناب کے شرقی کنارے پر آریہ دیش میں تھا۔ اسی دریا میں پانی کی کمی تھی۔ رام چندر جی اس میں کشتی کا سفر نہیں کر سکتے تھے، سکندر اعظم بھی اسی وجہ سے واپس دریائے جہلم پر آیا تھا۔ کیونکہ جہلم کا سردیوں کا پانی چناب سے زیادہ ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ توازن بگڑنے سے ہماچل پردیش میں شدید زلزلہ آیا اور کانگڑہ سے لے کر ملتان کہروڑ اور اوچ تک چناب اور سندھ کے آرپار دراڑ پڑ گئی اور زمین بیٹھ گئی۔ پہاڑوں پر برف زیادہ ہو جائے یا پہاڑوں کے نیچے سے قدرتی گیس کے ذخیروں کو توازن کی حد سے زیادہ نکال دیا جائے تو زلزلوں کا آنا قرآن کرام کے مطابق قدرتی بات ہے۔ جیسا کہ آجکل کوئٹہ کے پہاڑوں میں سوئی گیس کے نکلنے سے ہو رہا ہے۔

Scanned by CamScanner

۲۰۔ سُورت دیس اور سیوستان کا تاریخی اور جغرافیائی ثبوت

جنرل کننگھم نے اپنی کتاب ہندوستان کے قدیم جغرافیہ کے صفحہ ۲۱۷ پر لکھا ہے کہ یونانی جغرافیہ دان پلینی نے سکندر اعظم کے فتوحات کا اختتام دریائے بیاس کے کنارے سدراکاز میں بتایا ہے۔ جنرل کننگھم لکھتا ہے کہ پاک پتن کا علاقہ ضلع ساہیوال میں آج تک سُورت دیس کہلاتا ہے۔ اس کا قدیم نام اجودھیا تھا۔ "سود" کا لفظ انڈو آریائی لفظ ہے اس کا اطلاق اس علاقے پر ہوتا ہے۔ جہاں نشیبی ڈھورے، جھیلیں، دلدلیں، پانی سے بھرے ہوئے بوڑھ ہوں، اسی لفظ سے مشتق دریائے نربدا کے کنارے کا سُورت بھارت کا صوبہ سوراشٹر ہے۔ جو صوبۂ گجرات کے نام سے پہلے مشہور تھا۔ اور ہمارے صوبہ سندھ کا ہمسایہ ہے۔ اگر ہم دور چلے جائیں تو اسی لفظ "سود" سے یورپ کے مشہور ملک سویڈن بنا ہے۔ اسی لفظ سے رُوس کا یورپی ہمسایہ ملک فینلنڈ کا قدیم نام "سومی" پڑا جس پر وہ فخر کرتے ہیں۔ (نیشنل جوگرافک میگزین واشنگٹن مئی ۱۹۶۸ء صفحہ ۵۹۷)

یہ ظاہراً تو خفیف سی تصدیق معلوم ہوتی ہے لیکن تاریخ کے سراغ اسی طرح تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ چچ نامہ میں بیان کردہ صوبہ سیوستان جس کے حدود اس طرح سے دی گئی ہیں کہ وہ بہاولپور ضلع کے شہر احمد پور شرقیہ سے لے کر صوبہ سندھ کے سہون شریف تک جھیل منچھر کے کنارے ختم ہوتا ہے۔ چچ نامہ (سندھی ادبی بورڈ کے صفحہ ۱۹ پر درج

Scanned by CamScanner

رائے چچ کا دوسرا حکمران سیوستان کے مرکزی شہر میں تھا۔ اور بدھیہ جنگاں روںجھاں اور پائینہ کوہ سے لے کر مکران تک کا علاقہ اس کے حوالے تھا۔ روںجھاں آج بھی رحیم یار خان کے ضلعی صدر مقام کے عین سامنے دریائے سندھ کے دوسرے کنارے ضلع ڈیرہ غازی خان میں واقع ہے۔ کشمور اور سوئی گیس کے شہر اس سے تیس میل غرب میں ہیں۔
انگریزی تاریخ سندھ حصہ اول (سندھی ادبی بورڈ) نے اس علاقہ کو سندھ ڈھورو کہا ہے اس سے آگے جیکب آباد اور سہوان کے درمیانی علاقے کو سندھ ہالو کہا گیا ہے۔ جس کے معنی نشیبی علاقے کے ہیں۔ ان میں آج بھی جھیل منچھر اور دوسری ڈھنڈیں موجود ہیں۔ غالباً پاکپتن سے ملتان اوچ اور سہوان تک کا علاقہ زلزلے کی وجہ سے نشیب ہو گیا تھا۔ میری رائے میں رگ وید کی بیان کردہ جھیل کریونت اسی سورت دیس میں تھی۔ جسمیں کشمیر کی جھیل ڈلر سے نکلنے والا دریائے جہلم آ پڑتا تھا (مغربی پاکستان کی تاریخ رشید اختر ندوی صفحہ ۲۶۱) مشرقی علاقے کو سورت دیس اور غربی علاقے کو سیوستان کہتے تھے۔ اس کی مزید تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ روںجھان کے آگے دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے کشمور سے لے کر سکھر کے اوپر تک پانچ قدیم دریائی راستے پڑے ہوئے ہیں جو جیکب آباد تک غرب کے رخ چل کر پھر جنوب کے رخ جھیل منچھر کی طرف مڑ جاتے ہیں۔ یہ تمام راستے موہنجو دارو کے شمال مغرب میں رہ جاتے ہیں اور گڑھی خیرو کے گرد و پیش

Scanned by CamScanner

ہیں مرکوز ہو کر جھیل منچھر میں جا پڑتے ہیں۔ گڈو بیراج اور سکھر بیراج کی بڑی نہری شاخیں انہی دریائی راستوں کے رخ اور سطح کے انداز پر تعمیر کی گئی ہیں۔ اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ یہ تمام نہریں اپنے بائیں کنارے کی طرف صرف سیرابی کر سکتی ہیں کیونکہ یہ سبی اور کھیتی کے دامنی سلامی پر ہیں یونانی جغرافیہ دان پٹالمی نے ۱۵۰ء کے بنائے ہوئے نقشے میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے ایک شاخ مغرب کی طرف جاتی ہوئی دکھائی ہے۔ جو غالباً سندھ ڈھورو اور سندھ حالو میں جا پڑتی تھی۔ جس کے پانچ نشان اب بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

اس امر کی مزید تفصیل سکندر اعظم، ہیون سانگ اور محمد بن قاسم کے تذکرے میں نیچے عرض کی جائے گی

۲۱۔ گنگا اور جمنا کا بحیرہ عرب سے بحیرہ بنگال میں مڑ جانے کا مزید جغرافیائی ثبوت

گنگا اور جمنا کے شرق میں مڑ جانے کا جغرافیائی ثبوت اور بھی ہے کہ کوہ اراولی سے لیکر پاکستان اور بھارت کی موجودہ حد تک بر طویل صحرا جنوب سے شمال کی طرف ڈھلوان میں ہے اس لئے بھارت کی راجستھان کینال شرق سے غرب کو جاتے ہوئے صرف شمال کی طرف سیرابی کر سکے گی دامن کوہ کے ڈھلوانوں پر ہمیشہ ڈھلوان کے رخ پر چھوٹے بڑے

Scanned by CamScanner

بارانی یا مستقل دریا بہتے ہیں۔ جیسا کہ کوہ سلیمان اور کوہ ہمالیہ کے دامنوں پر بہتے ہیں۔ اس ڈھلوان پر صرف کوہ اراولی کے ساتھ ساتھ شرقاً غرباً دریائے لونی بہتا ہے جو اجمیر شریف سے نکل کر رن کچھ میں یعنی بحیرۂ عرب کی خلیج کچھ میں جا پڑتا ہے یہ ثبوت ہے کہ پانچ ہزار سال پہلے جمنا اور گنگا علیحدہ علیحدہ یا ملکر راجپوتانہ کے صحرا میں جنوب مغرب کے رخ چل کر کوہ اراولی سے آنے والے اپنے معاون دریائے لونی کو لے کر کاٹھیاواڑ کے شرق میں گذر کر خلیج کھمبایت میں جا پڑتے تھے۔ ہندو روایتوں میں اسی کاٹھیاواڑ کے مشہور مقام سومنات کے قریب کے دو چشموں کے نام گنگا اور جمنا ہیں (آئین اکبری) بھارت کی راجستان کینال سے شمالی طرف ایک نیوی گیشن کینال کی تجویز بھارت نے منظور کی ہے جو ہمارے ضلع رحیم یار خان کے اسلام گڑھ کے سامنے بھارت کے ضلع جیسلمیر کی شرقی حد پر دریائے لونی کے ایک شمالاً جنوباً چلنے والے معاون میں جا پڑیگی اور پھر دریائے لونی کو ساتھ لیتی ہوئی کاٹھیاواڑ کے شرق میں گذر کر خلیج کھمبائت کے شمالی کنارے والی کانڈلا بندرگاہ تک کشتیاں لے جائے گی جو مشرقی پاکستان کے ہری کے پتن سے چلا کریں گی۔ قدرت کا کرشمہ وادی سندھ کا تجارتی شہر رنگ پور کاٹھیاواڑ کی اسی بندرگاہ کے قریب تھا یاد رہے کہ ہریانہ صوبہ کی سطح کے کنٹور لیول بتاتے ہیں کہ سات سو پچاس کا لیول دریائے جمنا کے کنارے دہلی سے شروع ہو کر غرب کی طرف

گولائی بنا کر ہری کے پتن پر ستلج کے کنارے آجاتا ہے۔ اس امر سے ظاہر ہے
کہ کسی زمانے میں جمنا اسی رُخ پر بہتا ہوگا اور اب بھی اگرچاہیں تو ستلج کے
ہری کے پتن سے نہر نکالنے کی بجائے راجستھان کینال دہلی کے پاس سے
نکل سکتی تھی، اور جو راستہ جیسلمیر کے شرق پر نہری گیشن کینال لے جائے گی
وہ جمنا کا قدیم راستہ تھا۔ ایک اور امر باعث دلچسپی ہوگا کہ میرے اس تذکرہ
کی رو سے انسانی تہذیب کے پانچ گہوارے دنیا میں یکے بعد دیگرے رہے
ہیں اور ایک تہذیب کا دریا جب سمندر میں پڑتا تھا وہاں ایک جزیرہ
ہوتا تھا یا بن جاتا تھا۔ دریائے گنگا اور جمنا بحیرہ عرب میں پڑتے تھے وہاں
کاٹھیاواڑ جزیرہ بنا یہ دریا کے راستے پہنچنے والی مٹی کی برکت تھی۔ بالآخر
یہ جزیرہ ساحل سے مل گیا۔ دریائے سندھ کے دہانے پر کچھ کا جزیرہ بنا
دجلہ اور فرات کے دہانے پر کویت بنا۔ یمن کے پہاڑوں سے بہنے والے
دریائے حضرموت کا رُخ ازمنہ قدیم میں ربع الخالی کے ریگستان کے راستے
قطار کے جزیرے کی طرف تھا۔ غالباً اس وقت جب گنگا اور جمنا بحیرہ عرب
سے بحیرہ بنگال کی طرف مڑ گئے۔ دریائے حضرموت خلیج فارس سے مڑ کر خلیج
عدن میں آپڑا۔ (رائل جیوگرافیکل جرنل۔ لندن) ہیروڈوٹس یونانی کے مطابق
بحیرۂ روم اور بحیرہ قلزم قدیم ترین زمانے میں اسی راستے ملے ہوئے تھے
جہاں نہر سویز اب چل رہی ہے۔ موسیٰؑ کے وقت میں بحیرہ روم قنطارہ
کے قریب نہر سویز کی درمیانی کھاری جھیلوں تک موجود تھا۔ غالباً دریائے
نیل نے اس آبنائے کو مٹی سے بھر کر ایشیا کو افریقہ سے ملا دیا۔ دریائے

Scanned by CamScanner

دجلہ اور فرات بھی قدیم ترین زمانہ میں پہاڑی علاقہ سے نکل کر بغداد کے شمال میں علیحدہ علیحدہ سمندر میں آ پڑتے تھے۔ یعنی خلیج فارس اس وقت بغداد کے شمال تک تھی جو بعد میں بھر گئی۔ کھمبات کے ک کچھ کے ک کویت کے قطر کے ق اور قنطارہ کے ق سے ان تمام جزائر کے نام کے آغاز کی مشابہت قابل ملاحظہ و قابل غور ہے۔ رگ وید میں بھی ایک جھیل کریونت کا ذکر ہے اور یونانی جغرافیہ دان پٹالمے نے اپنے نقشہ وادی سندھ میں بھی ایک جھیل کریتی کا نشان دیا ہے جس سے ایک دریا نکل کر انڈس کے مغربی کنارے آ پڑتا ہے ان کا ک بھی قابل ملاحظہ ہے۔ اس سنگھم کے قریب نیچے آرسٹو بو تھرا کا شہر دکھایا گیا ہے۔ اور اس سے اوپر بدیہ کا شہر ہے۔ آرسٹو بو تھرا غالباً جٹ کا کہانیوں کا ارتھ پڑا ہے۔ اور بدیہ غالباً تاریخ نامہ کا بدھیہ ہے جس کا ذکر آگے چل کر عرض ہو گا۔ غالباً قوم ثمود کا کچھ حصہ تو عاد کی جگہ وادی سندھ میں چلا گیا۔ اور کچھ کاٹھیاواڑ کے راستے پار سامنے عدن اور یمن میں ہجرت کر گیا۔ کوہ سلیمان کے دامن والی قوم عاد عراق کی طرف ہجرت کر گئی۔ محققین تفسیر و تاریخ کو قرآن کے اس ارشاد پر نظر رکھنی پڑے گی کہ قوم عاد کو قوم نوحؑ کی وراثت ملی تھی اور قوم ثمود کو قوم عاد کی وراثت ملی تھی یہ الفاظ ہودؑ اور صالحؑ کی زبانی فرمائے گئے ہیں۔

Scanned by CamScanner

باب پنجم

سومیری قوم کا وادیٔ سندھ سے ہجرت کا ثبوت

۲۲۔ انگریز کی طرزِ جہانبانی میں دروغ مصلحت بیں اہم جزو تھا

عراق کی طرف ہجرت کا ثبوت جو میں عرض کرنے لگا ہوں، "سرائیکی زبان کے وطن کی پانچہزار سال پہلے کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے باعثِ حیرت بھی ہوگا اور وجۂ اطمینان بھی، وادیٔ سندھ کی یعنی سرائیکی کے وطن کی تاریخ میں یہ ایک کلیدی ثبوت ہے۔ انگریز پر یہ عقدہ وادیٔ سندھ میں سرجان مارشل کی تحقیق سے اور عراق میں سر لیونارڈ وولی کی کھدائی سے ۱۹۲۳ء میں پوری طرح کھل چکا تھا۔ مگر انگریز کی مصلحت بیں عادت تھی کہ وہ اپنی محکوم قوم کے ساتھ عدل و انصاف تو کرتا تھا مگر اس کو اس کی عظمت دیرینہ کے قصے نہیں سنایا کرتا

Scanned by CamScanner

تھا۔ بلکہ چھپا رکھتا تھا۔ تاکہ اس قوم میں آزاد قوم بننے کی خواہش جلد نہ اُبھر آئے۔ یہ طرزِ عمل اس نے پچھلی صدی (انیسویں صدی) کے چھٹے عشرہ سے اختیار کر رکھا تھا۔ تین اہم واقعات دنیا کے تین اہم علاقوں میں وقوع پذیر ہونے والے اس طرز عمل کی بنیاد بنے۔ دنیا کی سفید اقوام نے مل کر اس طرزِ عمل کی جو دروغِ مصلحت بینی پر مبنی تھا۔ داغ بیل ڈالی۔ چین کے عظیم ملک میں باکسر کا واقعہ رونما ہوا جس کا سفید قوموں نے باکسر بغاوت نام رکھا۔ زرد قوم نے کروٹ لی ہندوستان کی بھوری قوم کے ہندو اور مسلمانوں نے آزادی کا علم ۱۸۵۷ء میں بلند کیا۔ سفید قوموں نے اس کا نام ہندوستانی غدر رکھا۔ سفید اقوام کے نئے گڑھ امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے سیاہ فام حبشی مظلوموں نے غلامی سے نجات پائی۔ ابراہیم لنکن نے ایک بار پھر سنتِ ابراہیم کی توثیق کی کہ انسان کالا یا گورا جہاں چاہے جا کر آزاد رہ سکتا ہے کیونکہ ہر ملک میں اس کے خالق کی عملداری ہے۔ سفید قوموں نے ایک مفروضہ کا دنیا میں اعلان کیا۔ وسط ایشیا کی ایک آریہ قوم کی ہجرت کی من گھڑت کہانی بنائی اعلان کیا کہ ہندوستان کی ہزار سال کی محکوم ہندو قوم ایرانی قوم۔ جرمن قوم اور یورپ کی دوسری سفید اقوام اسی آریہ قوم کی اولاد تھے۔

۲۳۔ آریہ قوم کا مفروضہ سفید قوم کا سفید جھوٹ ہے۔

ایران کی عظمت دیرینہ قدیم تر از قدامت وادیٔ سندھ ہونے کا نظریہ اور ہندو رگ وید کے ایک نام نہاد آریہ قوم کی وادیٔ سندھ میں آمد اور

Scanned by CamScanner

عروج کا تذکرہ ہونے کا عقیدہ دراصل اسی نسخۂ کذب کے دو اجزاء ہیں انگریز کی طرزِ جہاں بانی میں دروغِ مصلحت بیں ایک اہم جزو تھا۔ نام نہاد آریہ قوم کی آمد کے راستے اور ان کے اجزائے پس ماندہ کے وجود کا ثبوت اس نے ایران اور برصغیر میں پیدا کر لیا اس نے ایک آریہ نسل اور ماورا النہر ایک انڈو یورپین آریائی زبان کے تخیل کی تخلیق کا اہتمام کر لیا۔ زرد اور سفید، بھوری اور سیاہ قوموں میں فوقیتِ بشری سفید کو عطا ہوئی اور سفید اقوام میں تمدنی فوقیت اسی آریہ نسل کو عطا کی جو پاکیزگیٔ نسل کی دعویدار ہوئی۔ اسی ایک نسخۂ کذب سے ہندو آریاؤں اور ان کی جمود پذیر زبان سنسکرت کے ڈانڈے از ہند تا یوروپ و امریکہ مل گئے۔ اسی ضمن میں شہنشاہ ایران آریہ مہر (آریہ قوم کا آفتاب) کہلایا۔

قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو۔ اسی ما فوق العالم آریہ نسل کے وجود کے پُر فتنہ نظریہ کا حامل ایک فرانسیسی تھا جو کلیسائے رُوم کے پیرو ملوکیت کے تضحیک کنندہ، مساوات کے حامی والٹیئر اور رُوسو کے وطن انقلابی فرانس کا باشندہ تھا۔ جس کا نام گوبینو تھا اور جو فرانس کے یوم آزادی باستیل ڈے کے روز پیدا ہوا تھا۔ اس نے انقلاب فرانس کے تقریباً ایک سو سال بعد انیسویں صدی کے عشرہ سادس میں اس نظریہ کی بنیاد ڈالی (ہسٹری ٹوڈے لندن) اس تحریک کے ایک انگریز پیرو چیمبرلین نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ عیسیٰؑ خود بھی آریائی تھے۔ کیونکہ وہ ایک

Scanned by CamScanner

عبرانی حرف کی صحیح ادائیگی نہ کر سکتے تھے جس طرح سامی نسل یہود کر سکتے تھے جب اس مسخرے انگریز نے برلن میں انتقال کیا تو ہٹلر اس کے جنازے میں شامل ہوا

سفید قوم کی اس بوالعجبی کا انجام تقریباً سو سال بعد پاکیزگی اور برتری نسل کے علم بردار ہٹلر کی جہاں سوزی پر ظاہر ہوا۔ اور مصلحت میں انگریز خود بھی منتقم حقیقی کی کارسازی سے اپنے دور افتادہ جزیرۃ الوطن میں محصور ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اور وادی سندھ سرائیکی زبان کے وطن کو نوخیز پاکستان کے مغربی بازو کی حیثیت سے اپنی عظمتِ دیرینہ کے احیاء کا از سر نو فرض عطا ہوا۔

۲۴۔ رگ وید کی کہانی طاسِ سندھ کے دو طبقوں پنجابی اور سندھی میں اقتصادی جنگ کے قصے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ ہر وادیٔ دریا کے اندر مخارج آب والے پہاڑوں میں اور اس کے دامنوں کے جنگلوں میں آریہ لوگ رہتے ہیں۔ "آریا" سنسکرت میں جنگل کے باسیوں کو کہتے ہیں۔ عربی لفظ عرین بامعنی جنگل سے مشتق ہے۔ عیسائی سفید اقوام یہ حقیقت بھی چھپانا چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے قرآن کریم کی زبان عربی دراصل تمام زبانوں کی ماں تھی۔ (عربی۔ تمام زبانوں کا ماخذ۔ محمد مظہر۔ ربوہ) عیسائی سفید اقوام نے ایک

ہی وار ہیں دو شکار مار لیے۔ قرآن کریم میں ذوالقرنین کا قصہ میرے اس نظریہ کی تائید ہے کہ ہر وادی کے زرخیز علاقوں کے خوشحال باشندوں کو اپنے ہی وادی کے پہاڑوں کے جنگلوں میں رہنے والے مفلس اور بدحال مگر تنومند اور جفاکش باشندوں سے خطرہ رہتا تھا۔ آج بھی بھارت کے میزو اور ناگا، نیپال کے گورکھا اور پاکستان کے پٹھان اور بلوچ وادی میں رہنے والوں کا سر درد بنے رہتے ہیں۔ پانچ ہزار سال پہلے رگ وید کے بیان کردہ آریہ اور داسیو آج کے پنجابی اور سندھی تھے۔ پنجاب کی نظر ہمیشہ پانچ ہزار سال سے اب تک دریائے سندھ کے زرخیز علاقوں کی زمینوں پر رہی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کہ قدرت نے ہر وادی دریا کو بامتیاز، ہیئت سطح و معیار فراز اور نشیب و با ایں وجوہ بامتیاز مواسم مختلف وضع و رنگ مخلوق سے آباد اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے پُر ایک مجتمع وحدت تخلیق کیا۔ چرخ نیلگوں تلے ضوباری آفتاب سے درخشاں، فلک شگاف برفانی چوٹیوں سے بہہ کر آنے والے دریاؤں کو پہلے سربلند سایہ فگن اشجار سے پُر وادیوں سے خراماں گزرا۔ پھر زرخیز رنگا رنگ سیاہ و سُرخ لق و دق میدانوں سے لائی اور بالآخر انہیں ساحل سمندر پر منتہی کر دیا۔ از ابتدا تا انتہا کنار دریا ہی بنی آدم کے لیے تسخیر ارض و سما کی حدودِ جد و جہد کے اندر گوناگوں وسائل رزق دے کر بامتیاز مستفید از لذقِ باافراط و محروم از ازق مکتفی مخلوق میں تقسیم کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بنی آدم نے ہر وادی دریا میں اسی راستے از فراز کوہ تا نشیب سمندر

Scanned by CamScanner

ارتقائے علم وتدبر وتمدن کی تکمیل کی قرآن کریم نے سورہ طٰہٰ آیات ۱۱۸، ۱۱۹ میں "حالانکہ اب تمہیں یہ بات حاصل ہے کہ اس جنت میں نہ بھوکے رہتے ہو اور نہ ننگے اور نہ کبھی اس میں پیاسے رہتے ہو۔ اور نہ دھوپ کھائے ہو" کہکر فراز کوہ پر گھنے سائے فگن ثمردار اشجار تلے خراماں بہنے والی ندیوں کے کنارے کمر تک اونچے گندم اور جو کے گھاس میں بنی آدم کے ابتدائی مسکن ہونے کی تصدیق کی ہے۔ واضح ہو کہ ایک ہی وادی دریا میں فراز کوہ پر جنگلوں میں ساکن نکھرے رنگ والے آریہ (پنجابی) اور تپتے ہوئے میدانوں میں رہنے بسنے والے داسیو (سندھی بموجب رگ وید) ایک ہی ملک کے مختلف الرنگ وشکل باشندے تھے۔ وسائل رزق کے حصول کی خاطر محروم از رزق مکتفی اور مستفید از رزق با افراد کے درمیان پیکار کے قصے ہندوؤں کے رگ وید اور ایران کے شاہنامہ نے منظوم کیے۔

سواحلِ سمندر پر مجمع البحرین تے اتروادی تا وادی دیگر متلاشی رزق انسان کے لئے مدخل اور مخرج کے راستے مہیا کر دیئے۔ تاریخ بنی آدم، دراصل تاریخ جستجوئے آب وارا ضی ہی رہی۔" حضرت ابراہیمؑ کے قصے میں قرآنِ کریم نے بنی آدم کو سنتِ ابراہیمی پر قائم ہو کر متلاشی رزق ہونے کی آخری ہدایت فرمائی۔ بالآخر یہ سلسلہ تلاش رزق مدارِ ارضی کے گرد مجمع البحرین کے راستے امریکہ کے ساحل پر ختم ہوا۔ انسان کی تطراب خلا کے پار سمٰوٰت پر مرکوز ہے۔ ابراہیمؑ کی سنت تلاشِ رزق ہنوز جاری ہے۔ صفا اور مروا کے درمیان حکم سعی یکے از مناسکِ حج بی بی ہاجرہ کی حضرت اسماعیلؑ

کی خاطر جستجوئے آب کی یادگار ہے۔

۲۵۔ کیا ابراہیمؑ کے مفروضہ وطن کلدانی اُر کا معبد زگاروت دریائے ناری اور دریائے ژوب کے مخارج آب پر کوئٹہ ڈویژن کے سبی (سوی) ضلع میں جونیپر درختوں کے گھنے جنگلوں میں واقع زیارت کی یادگار ہے۔ زگاروت اور زیارت کی صوتی مشابہت اس کی ایک شہادت ہے

سر لیونارڈ وولی نے اس صدی کے عشرۂ سوئم میں فرات کے کنارے ابراہیمؑ کے مفروضہ پیدائشی وطن آر میں کھدائی کرتے ہوئے تاریخ انسانیت کے متعلق دو اہم انکشاف کیے۔ اسی شہر کی قدیم زیر زمین تہوں اور زمین کے اوپر کھنڈرات کے درمیان ایک آٹھ فٹ گہری سیلابی مٹی کی تہہ دریافت کی جو اس شہر کے مختلف حصوں میں ایک ہی سطح پر آٹھ فٹ گہرائی میں پائی گئی۔ اس کے متعلق کہہ دیا گیا ہے کہ یہ امر طوفان نوحؑ کا ثبوت ہے۔ دوسرا انکشاف ابراہیمؑ کے وقت کے معبد زگاروت کا برآمد ہونا تھا۔ اس کی تفصیل بڑے دلچسپ طریقے میں دی گئی ہے سر لیونارڈ وولی نے اپنے مقالہ اُر آف چیلڈیز (کلدانی اُر) میں اس

معبد کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ سہ منزلہ معبد ایک ایسی قوم کی یادگار ہے جو کسی ملک سے نقل مکانی کرکے آئی تھی۔ جہاں فلکِ نیلگوں کے تلے ضو باریٔ آفتاب سے درخشاں برفانی چوٹیوں سے بہہ آنے والی خراماں خراماں چلنے والی ندیاں گھنے سبزہ زار جنگلوں سے گذرتی تھیں انہیں فلک شگاف چوٹیوں کے نیچے گھنے سبزہ زار جنگلوں میں ان کے معبد ہوتے تھے۔ اس سہ منزلہ معبد کی ساخت اس ماحول کی یادگار تھی وادیٔ دجلہ وفرات کے وسیع میدانوں میں برفانی پہاڑوں سے سینکڑوں کوس دور انہوں نے اینٹ اور گارے سے وہ تخیلِ عظمت معبود پیدا کرنے کی کوشش کی۔ پہلی منزل ایک بلند وسیع مربع چبوترہ تھا۔ اس پر چاروں طرف ہٹ کر کم عریض دوسری منزل کا چبوترا تھا۔ اور اس منزل پر چاروں طرف دوسری منزل کے گرد بچے ہوئے رقبہ پر گھنے درخت لگائے جاتے تھے۔ اینٹ گارے سے بنے ہوئے یہ چبوترے باہر سے پختہ مگر اندر مٹی سے بھر دیئے جاتے تھے۔ دریا کے کنارے اس معبد کے اشجار کی پرورش پانی سے ہوتی تھی۔ خود ساختہ مٹی سے بھرے ہوئے چبوترے میں نیچے جانے والے پانی کے اخراج کے لئے پختہ اینٹوں میں سوراخ اور رخنے رکھ دیئے جاتے تھے تاکہ پانی مٹی میں سے سہم کر باہر خارج ہوتا رہے محقق نے مزید دریافت یہ کی کہ اس قوم نے یہ معبد طوفانِ نوح کی آٹھ فٹ نرم مٹی کے اوپر اپنے نئے تمدن کی قائمی کے بعد بنائے تھے۔ یہ قوم سومیری تھی جس نے تاریخ انسانیت سے وادیٔ دجلہ وفرات کے متعلق ایک جواہر ریزہ پیش کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

اب میں وادی سندھ کے متعلق جس کو میں سرائیکی کا وطن کہہ چکا ہوں چند جواہر ریزے پیش کرونگا جس کے تسلسل سے سرائیکی تاریخ کی گم شدہ کڑیاں مل جائیں گی اور تجسس کی تکمیل ہو جائے گی۔

۲۶۔ قرآن کریم اور ہندو روایات سے زگاروت کے معبود سین کا سراغ

سرائیکی وطن کی تاریخ کی تحقیق پیچیدہ تو ہے مگر اس کے تاریخی جواہر ریزے مختلف مذہبی اور تاریخی ماخذوں اور جغرافیائی تواریخ سے دستیاب ہو جاتے ہیں ان کو مختلف ازمنہ اور ادوار میں منسلک کرنا کارِ مشکل بن جاتا ہے وادی سندھ کی زبان اب تک زیر تحقیق ہے دستیاب شدہ مہروں کے نقوش کی بنیاد پر حال ہی میں سویڈن کے محققین نے اس زبان کی کلید کے متعلق دریافت ہو جانے کا اعلان کیا ہے ممکن ہے یہ تحقیق سرائیکی زبان کی قدامت کا ثبوت پیش کرے جیسا کہ بابل سے ملنے والی الواح کے نقوش نے ثابت کیا ہے

(تاریخ سرائیکی خاکی)

دریائے سندھ کے معاون کابل کی وادی پشاور اور وادی مردان میں دریائے سندھ کو اباسین کہنے کا رواج آج تک چلا آتا ہے۔ چترال میں کافرستان کو جانے کیلئے پگڈنڈی جس یرفانی پہاڑی ندی کے ساتھ ساتھ جاتی ہے اس کا نام بھی اباسین ہے یہ اباسین اباڈینیوب (فادر ڈینیوب) اور گنگا ماتا کی طرح کی یادگار ہے۔ یہ اختلافِ زوجین بھی ذہن

Scanned by CamScanner

میں رکھیں۔ کہ وادیٔ سندھ کے تمدن میں فوقیت خاندانی باپ کو تھی۔ جب کہ وادیٔ پنجاب کے آریاؤں کے ہندو مت میں فوقیت ماں کو تھی۔ مہا بھارت میں دروپدی نے سندھو کا ذکر کیا ہے اس سے بعض سطحی محقق موجودہ صوبہ سندھ کے وجود کا ثبوت لیتے ہیں جو صحیح نہیں۔ بدھ مت کی مقدس کتاب "گوتم بدھ کے مکالمے" میں ایک تمثیلیہ روایت میں ایک سرزمیں سوویرس کا ذکر ہے جس کا دارالخلافہ دورو کا تھا۔ جبکہ کہانیوں میں سوویراس کا دارالخلافہ دوررودا بتلایا گیا ہے ان دو ناموں سے الور یا ارور کی مشابہت نمایاں ہے۔ اب دوسری دلیل پیش ہے کہ اکثر سنسکرت پرانوں میں سوویراک کو سندھو یا سن دھارا کے ساتھ اکٹھا لکھا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ سندھو دراصل دریا کا نام ہے جس کا دوسرا نام سن دھارا تھا۔ یعنی سن کا دھارا یا دریا۔ اور سوویراس اس کو اکٹھا کرنے سے مراد ہے۔ سن دھارا پر رہنے والے سوویراس (تاریخ سندھ حصہ اول لیمبرک صفحہ ۱۰۰) اب تاریخ سندھ مصنفہ مسٹر لیمبرک کے صفحہ ۲۰۸ کے پیرا ۲ کا پورا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں ہڑپہ سے ملتان تک بسنے والے ملی قبیلہ اور ان کے ساتھ والے کشدرا کا قبیلہ کا ذکر ہے۔ محققین کی رائے میں یہ دونوں قبیلے سرائیکی وطن کے دو اہم مقامات ملتان اور اوچ کے گرد و نواح میں بالترتیب رہتے تھے۔

Scanned by CamScanner

٢٧۔ کیا ہندو روایات کے سن دھارا، سوویراس قرآن کریم کے بیان کردہ اصحاب الرّس تھے جو امتدادِ زمانہ سے مخفف ہو کر سوویرس اور ابھی رس ہو گئے

مسٹر لیمبرک تاریخ سندھ کے صفحہ ٢٠٨ پر رقمطراز ہیں:۔

"مہابھارت میں دی ہوئی کشتری قبائل کی فہرست میں ملی اور کشدرک کا قبیلے اکھٹے یکجا کر کے بطور متحد قبیلہ کے دکھائے گئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ان کا اتحاد سکندر اعظم کے وقت تک قائم رہا۔ جہاں ان کا ذکر ملی اور آکسی ڈرائیگی کہہ کر کیا گیا ہے۔ مہابھارت کی ایک دوسری طویل قبائلی فہرست میں سدراز کا نام جس سے کشدرا کا نہ مراد ہیں: ابھی رس قبیلہ کے علاقہ کی نشاندہی دوسری صدی عیسوی میں یونانی جغرافیہ دان پٹالمے نے پٹالین (پٹالہ) کے اوپر شمال میں دریائے سندھ پر دکھائی ہے غالباً یہ شندراد یونانی مورخ ایرین کے بیان کردہ سوگدیائی ہیں جس کی ادائیگی دوسرے یونانی جغرافیہ دان ڈیوڈرس سیکوس نے سوڈریائی کہہ کر کی ہے۔ یا ممکن ہے کہ سرسوگڈیائی سنسکرت زبان کی اکثر مقدس کتابوں میں بیان کردہ سوفیراس ہیں۔ جن کو انڈس یعنی دریائے سندھ کے ہمرکردہ قبیلہ کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے ان کو اکثر سندھو کے ساتھ اکھٹا کر کے سندھو سوویرس

کہا گیا ہے اور مہا بھارت میں ان کو سیبو از قبیلہ کے ساتھ اکٹھا کر کے دکھایا گیا ہے جو غالباً یونانی مورخ مسٹر ہیو کے بیان کردہ سوئی ہیں۔ اور ترگیارڈز اور مدرکا ز کے ساتھ اکٹھا دکھایا ہے۔ اسی ہندو مقدس کتاب سندھو سویراج کو کوروکشیتر کی جنگ میں نمایاں حصہ لیتے ہوئے بتلایا گیا ہے" (ختم شد)

مسٹر لیمبرک سے اس اقتباس میں ترگیارڈز قبیلے کا ذکر آیا ہے۔ ضلع ملتان میں آج تک ایک ترگڑ قبیلہ موجود ہے (ملتان گزیٹیر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۳۴ مصنفہ میکلیگن)

میں نے یہ جملہ معترضہ ضلع ملتان کو ترگڑ قوم کے ضمن میں ذہن میں رکھنے کے لئے کہا ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ باب دوئم کی فصل سات میں ہم نے سکندر اعظم کو بموجب ہسٹری ٹوڈ سے لندن، احمد پور شرقیہ کے شہر کے قریب اوچ کے مشہور مقام سے ۱۴ میل جانب شرق سوئی قوم سے ملنے کا ذکر کیا ہے ان تمام حوالوں کو یکجا کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سندھو سوویراس ملتان سے لے کر سبی اور سہوان تک بصورت متحد قوم کے آباد تھی۔ سندھو یا سن دھارا اس کے لئے علاقائی تخصیص کے طور پر لگایا جاتا تھا۔ اور جہاں کہیں ان کے ساتھ کسی اور قبیلے کا نام اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ مسٹر لیمبرک نے مہابھارت سے حوالے دیکر لکھا ہے اس سے مراد یہ ہوتی تھی کہ دریائے سندھ پر رہنے والی شورکوٹ ملتان سے سبی سہوان تک متحدہ قوم سوویراس کا ..... فلاں فلاں قبیلہ تھا۔ مثال کے طور پر سیبو از (سبوئی) قوم سوویراس کا قبیلہ تصور کیا جائے گا۔ اسی طرح ترگڑ اور مدراکا ز کو بھی سوویراس کے مختلف قبیلے سمجھا جائے گا۔ یہ بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ کہ سندھو اور سن دھارا کی یادگاریں

آج بھی سندھو جاٹ (ضلع ملتان) کی شکل میں اور سندھڑ قوم (ضلع بہاولپور) کی شکل میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اس فصل کے عنوان میں عرض کیا ہے۔ سویراس اور ابھی رس دراصل قرآن کریم کے بیان کردہ اصحاب الرس کی مخفف ادائیگی ہے۔ چچ نامہ کے بتلائے ہوئے سندھ کے حکمرانوں کے نام رائے ساہیرس اور رائے ساہسی بھی اسی قرآنی قوم اصحاب الرس کی یادگار ہیں۔ رائے ساہیرس دراصل رئیس آئیرس اور رئیس آہسی ہیں اگر آپ آہسی اور آئیرس کو اکٹھا کرکے پڑھیں اور رئیس آہسی آئیرس بن جاتا ہے۔ جو دراصل صوتی مشابہت کے لحاظ سے تورات کے صحیفہ استھر کا بیان کردہ کنگ آہاسیورس ہے۔ جس کی حکومت میں انڈیا (ہندوستان) شامل تھا۔ قرآنِ کریم نے سورۃ "ق" (آیات ۱۲) اور سورۃ فرقان (آیات ۳۸) میں اصحاب الرس کا دو جگہ بلا تفصیل ذکر کرکے ہندو روائیتوں اور تورات کے قصوں کے بیان کردہ نام کی صحت کردی اور اسی قرآن کے نزول کے ستر سال بعد محمد بن قاسم عربی نے دریائے سندھ کے کنارے سیوستان سے لے کر کشمیر کی حد تک، رئیس اصحاب الرس کی حکومت کو اس کے برہمن جانشینوں کے وقت میں فتح کرلیا (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے راقم کی تصنیف "اصحاب الرس" شائع کردہ ادارہ تحقیق بتذکرہ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ)

۲۸. اصحاب الرس کا قصہ حضرت علیؑ کی زبانی

اب میں قرآن کریم کے بیان کردہ اصحاب الرس کی تفصیل سُنّی تفسیر روح البیان مطبوعہ استنبول (مفسر شیخ اسماعیل حنفی) اور شیعہ کی عربی تفسیر صافی مطبوعہ ۱۲۸۴ ہجری ایران سے پیش کرتا ہوں۔ العیون اور علل الشرائع میں جناب امام رضاؑ سے بروایت اپنے آباؤ اجداد کے منقول ہے۔ کہ جناب امام حسینؑ نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں ان حضرت کے قتل سے تین دن پہلے بنی تمیم کے سرداروں میں سے ایک شخص جس کا نام عمرو تھا حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ یا امیر المومنین مجھے اطلاع دیجئے کہ اصحاب الرس کون تھے کس زمانے میں تھے ان کی بستیاں کہاں تھیں۔ ان کا بادشاہ کون تھا۔ اور خدا نے ان کے پاس کوئی رسول بھیجا تھا یا نہیں۔ اور وہ کس وجہ سے ہلاک کیے گئے تھے۔ کیونکہ میں کتاب اللہ میں ان کا ذکر تو پاتا ہوں مگر ان کا قصہ نہیں پاتا۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تو نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے کہ تجھ سے پہلے مجھ سے کسی نے نہیں پوچھی اور میرے بعد کوئی اور تجھ سے یہ بات بیان بھی نہ کرے گا سوائے اس کے کہ مجھ ہی سے روایت کرے۔ اور کتاب اللہ میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں اور جس کی تفسیر کو سب سے زیادہ نہ سمجھتا ہوں۔ اور میں اس سے بھی واقف ہوں کہ

Scanned by CamScanner

کس مقام پر نازل ہوئی ۔ نرم زمین میں یا سنگلاخ زمین میں اور کس وقت اتری
رات میں یا دن میں اور اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہاں بڑا
علم جمع ہے لیکن حاملان علم کم ہیں اور تھوڑے ہی عرصے بعد جب تم مجھے کھو
بیٹھو گے تو بہت کچھ پچھتاؤ گے ۔ اے اخو تمیم اصحاب الرس کا قصہ یہ ہے کہ
وہ ایک قوم تھی جو صنوبر کے درخت کی پرستش کیا کرتی تھی جس کو شاہ درخت
بھی کہتے ہیں ۔ اور اس کو حضرت نوح کے بیٹے یافث نے ایک چشمہ کے کنارے
پر لگایا تھا ۔ اس چشمہ کا نام روشاب تھا ۔ اور بعد طوفان نوح یہ درخت پیدا ہوا
تھا اور یہ اصحاب الرس اس لئے مشہور ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبی کو زندہ زمین
میں دفن کر دیا تھا ۔ اور یہ واقعہ حضرت سلیمان بن داؤد کے بعد کا ہے ۔ ان
کی بارہ بستیاں ایک دریا کے کنارے تھیں جس کا نام رس تھا ۔ یہ دریا بلاد
مشرق میں ہے اور انہیں لوگوں کی وجہ سے اس کا نام بھی رس ہو گیا
ہے ۔ اور اس زمانے میں روئے زمین پر کوئی دریا کثرت آب میں اور
شیریں ہونے میں اس سے بڑھ کر نہ تھا ۔ اور نہ ان کی بستیوں میں زیادہ
آباد بستی کوئی بستی تھی ۔ ان میں سے پہلی کا نام آبان رکھا (ممکن ہے کہ بستیوں
کے دریا کے کنارے آغاز شمار سمندر کی طرف سے اس کے دہانہ سے ہوا
اور آج تک دریائے سندھ کے قریب سمندر میں ایک چٹانی جزیرہ کا نام اب بھی
آبان شاہ ہے) دوسری کا آذر تیسری کا دے ، چوتھی کا بہمن (بہمن آباد
کے قدیم کھنڈرات اب بھی سندھ میں مشہور مقام ہیں) پانچویں کا اسفندار
چھٹی کا مزوردین ، ساتویں کا اردی بہشت ، آٹھویں کا خرداد نویں کا مرداد

Scanned by CamScanner

دسویں کا نیبر گیارہویں کا حبز بارھویں کا شہر پور۔ اس میں سب سے بڑی بستی کا نام
اسفندارند تھا۔ اور اسی میں ان کا بادشاہ رہتا تھا جس کا نام ترکوز بن عابور
بن یارش بن ساذرین نمرود بن کنعان تھا۔ یہ نمرود وہی ہے جو ابراہیم کے
مقابل ہوا تھا۔ اور اسی اسفندارند میں وہ چشمہ اور درخت صنوبر تھا۔ اور
باقی ہر ہر بستی میں انہوں نے اس کے چوٹی کے بیج لے کر بو لیا تھا۔ جس سے بڑے
بڑے درخت پیدا ہو گئے تھے۔ اس چشمے کا اور اس سے جو نہریں نکال گئی
تھیں ان سب کا پانی انہوں نے حرام قرار دے دیا تھا کہ نہ خود پیتے اور نہ
اپنے جانوروں کو پینے دیتے بلکہ جو ایسا کرتا تھا اُسے قتل کر ڈالتے تھے
اور یہ کہتے تھے کہ یہ تو ہمارے معبودوں کی زندگی کا باعث ہے اسلئے کسی
کے لئے مناسب نہیں کہ انکی زندگی کم کردے اور خود دریائے رس سے پانی پیتے تھے جن کے
کنارے ان کی آبادیاں تھیں، اور وہی اپنے چوپایوں کو پلاتے تھے۔ اور ہر
سال کے ہر مہینہ میں ہر بستی میں ایک دن عید کا مقرر تھا جنمیں ان بستیوں کے لوگ جمع
ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے عجمی مہینوں کے نام جنہیں ان بستیوں کے نام قرار
پا گئے وہ اس درخت پر ریشمی کپڑا جس پر طرح طرح کی تصویریں کڑھی ہوئی
تھیں ڈال دیتے تھے اور پھر اس درخت کے لیئے بکریاں اور گائیں لا کر
بھینٹ چڑھاتے تھے اور درخت کی قربانی کے لئے انکو ذبح کرتے تھے پھر
دسوکھی لکڑیاں لا کر آگ روشن کرتے تھے۔ (اور قربانی کا گوشت اس میں ڈال
دیتے تھے۔ جب ان قربانیوں کا دھواں اور ان کے جلنے کی سڑاند ہوا
میں پھیلتی اور آسمان اور ان کی نظر کے مابین حائل ہو جاتی تو وہ سب کے سب

Scanned by CamScanner

اس درخت کے لئے سجدے میں گر پڑتے تھے۔ اور رو رو کر اور گڑ گڑا کر کہتے تھے اے ہمارے معبود تو ہم سے راضی ہو جا" اور شیطان آ کر اس درخت کی ٹہنیوں کو ہلاتا تھا۔ اور اس کے تنے میں سے لڑکوں کی سی آواز سے چیخ کر کہتا تھا "اے میرے بندو! میں تم سے راضی ہوں بس دل خوش رکھو اور آنکھیں ٹھنڈی" اس وقت وہ لوگ سجدے سے سر اٹھاتے اور شرابیں پیتے تھے۔ ڈھول بجاتے اور اپنے ہاتھوں میں راکھی باندھتے تھے (تصریح:۔ راکھی دہلی کی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں۔ جو ہندو لوگ سلونو کے موقع پر اپنے اپنے پہنچے میں باندھ لیتے ہیں۔ دوسرے شہروں میں اور اور مقامات پر جو بھی اس کے مختلف نام ہوں) ایک شبانہ روز اس جگہ قیام کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ ایرانیوں نے اپنے مہینوں کے نام آبان اور آذر وغیرہ انہیں بستیوں کے نام پر رکھے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ لوگ آپس میں کہتے تھے کہ یہ فلاں مہینے کی عید ہے اور یہ فلاں مہینے کی عید ہے۔ پس جب سب سے بڑی بستی (اسفندار) کی عید آتی تو تمام چھوٹے بڑے جمع ہوتے۔ درخت (صنوبر) اور چشمہ کے پاس ریشمی سرا پردہ نصب کرتے جس پر قسم قسم کی تصویریں کڑھی ہوئی ہوتیں اور اس سرا پردہ کے بارہ دروازے ہوتے تھے۔ ہر ایک بستی والوں کے واسطے جداگانہ دروازہ قرار دیا جاتا تھا پھر وہ لوگ اس سرا پردہ کے باہر سے صنوبر کے درخت کو سجدہ کرتے تھے۔ اور اس درخت کی بہ نسبت ان درختوں کے جو انکی بستیوں میں تھے کئی گنا زیادہ قربانیاں چڑھاتے تھے۔ یہاں ابلیس

Scanned by CamScanner

آتا تھا اور درخت کو بڑے زور سے ہلاتا تھا۔ اور اس کے اندر سے بآواز
بلند ان سے باتیں کرتا تھا اور دوسرے شیطانوں سے زیادہ ان لوگوں سے
وعدے بھی کرتا تھا اور امیدیں بھی دلاتا تھا۔ تب وہ لوگ خوش خوش
سجدہ سے سر اٹھاتے اور خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے اور شراب کی اور
باجوں کی کثرت سے بات تک نہ کر سکتے تھے (اور نہ کان پڑی آواز سنائی
دیتی تھی) اور سال کی تمام عیدوں کے ہم عدد بارہ دن اور [illegible] رات
وہاں بسر کرتے تھے۔ پھر واپس چلے آتے تھے پس جب ان کے کفر کی مدت
طولانی ہوگئی اور غیر خدا کی عبادت کرتے ہوئے ان کو ایک زمانہ گذر گیا
تو خداوندِ عالم نے یہودین یعقوبؑ کی اولاد میں سے ایک نبی کو ان کی ہدایت
کے لئے بھیجا اور وہ مدت تک ان کو خدا کی عبادت کی طرف بلاتے رہے
اور معرفت اور ربوبیتِ الٰہی کی تلقین کرتے رہے لیکن وہ لوگ پیروی نہ
کرتے تھے۔ جب خدا کے نبی نے گمراہی اور ضلالت پر ان کا اصرار اور
اور ہدایت و نجات کے ماننے سے انکار دیکھ لیا اور انکی بڑی بستی کی عید
بھی آگئی تو نبی نے درگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار
تیرے بندے میری تکذیب اور تیرے انکار پر اڑے ہوئے ہیں اب یہ لوگ
کل کے دن درخت کی پرستش کریں گے۔ جو نہ انہیں کچھ نفع دے سکتا
ہے اور نہ کچھ ضرر پہنچا سکتا ہے۔ خدایا! تو انہیں اپنی قدرت و قوت دکھادے
ان کے کُل درختوں کو خشک کر دے" جب صبح ہوئی تو انہوں نے درختوں
کو سوکھا ہُوا پایا۔ اس سے وہ بہت ہی ہراساں اور ناامید ہوگئے اور ان کے

Scanned by CamScanner

دو گروہ ہو گئے ایک فرقہ تو یہ کہتا تھا کہ اس شخص نے جو یہ گمان کرتا ہے کہ میں زمین و آسمان کے معبود کا رسول ہوں۔ تمہارے معبودوں پر اس لئے جادو کیا ہے تاکہ تمہیں تمہارے خداؤں سے برگشتہ کر کے اپنے خدا کی طرف متوجہ کرے۔ دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ جب تمہارے خداؤں نے یہ دیکھا کہ یہ شخص ان کو عیب لگاتا ہے اور انکی برائیاں کرتا ہے اور تم کو ان کی عبادت سے ہٹا کر اور کی طرف بلاتا ہے۔ تو وہ تم سے ناراض ہو گئے اور ان کی رونق و خوبی تمہاری نظروں سے غائب ہو گئی تاکہ تم ان کا بدلہ لینے کے لئے اس شخص پر غضب و غصہ کرو (تو اب تم ایک دل اور ایک جان ہو کر اس کو قتل کر ڈالو) پس وہ ملاعنہ نبیٔ خدا کے قتل پر متفق ہو گئے اور سیسے کے بڑے بڑے نل چوڑے منہ کے بنائے پھر ایک نل چشمہ کی تہہ میں نصب کر دیا۔ اور اس میں نیچے اوپر اتنے نل جوڑے۔ کہ بالائی حصہ پانی کے باہر تک آ گیا۔ پھر ان لوگوں نے نلوں کے ذریعہ سے چشمے کا پانی کھینچ لیا اور اس کی تہہ میں تنگ منہ کا ایک گہرا کنوآں کھودا اور اس میں اپنے نبی کو ڈال دیا۔ اور اس کے منہ پر ایک بڑا پتھر رکھدیا۔ پھر انہوں نے اس چشمہ میں جو نل لگائے تھے وہ الگ کر لئے (کہ سارا چشمہ پانی سے بھر گیا) اور آپس میں کہنے لگے اب ہمیں امید ہے کہ ہمارے معبود ہم سے راضی ہو جائیں گے اس لئے کہ یہ تو انہوں نے دیکھ ہی لیا ہے۔ کہ جو ان کی برائیاں کیا کرتا تھا اور ہم کو ان کی عبادت سے روکا کرتا تھا اس کو تو ہم نے قتل کر دیا اور (ہزاروں من) مٹی کے نیچے دبا بھی دیا اب تو

بڑے معبود کو شفا ہو جائے گی۔ اور اس کی رونق اور بہار جیسی تھی ویسی ہی پھر ہو جائے گی۔ پس وہ لوگ تمام دن اپنے نبی کی آہ و بکا سنتے رہے کہ وہ درگاہِ خدا میں عرض کر رہے ہیں" خدایا! تو اس مقام کی تنگی اور میری بے چینی کو ملاحظہ فرما رہا ہے اب میری کمزوری اور بے چارگی پر رحم فرما اور جلدی سے میری روح قبض کر لے اور میری دعا قبول کرنے میں دیر نہ لگا۔ یہی فرماتے فرماتے اُن حضرت نے انتقال کیا۔ اس وقت خدائے تعالیٰ نے جبرئیلؑ سے فرمایا" اے جبرئیل میرے حلم نے ان بندوں کو جری بنا دیا ہے اور یہ لوگ میرے عذاب سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کر اوروں کی پرستش کی۔ میرے رسول کو قتل کیا کیا ان کا گمان یہ ہے کہ یہ میرے عذاب کو برداشت کر سکیں گے۔ اور میری سلطنت سے نکل جائیں گے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ میں ان لوگوں سے انتقام لیتا ہوں جو میری نافرمانی کرتے ہیں۔ اور میرے عذاب سے بے خوف رہتے ہیں۔ میں نے اپنی عزّت کی قسم کھائی ہے کہ ان پر عذاب نازل کر کے خلائق کے لیے ان کو عبرت بناؤں اب میں ان کی کچھ بھی رعایت نہ کروں گا۔ پس وہ لوگ جبکہ عید منا رہے تھے ناگاہ بڑی تیز سرخ آندھی نمودار ہوئی جسے دیکھ کر وہ سب کے سب حیران اور خوفزدہ ہو گئے اور ایک دوسرے سے لپٹنے لگے۔ پھر زمین ان کے نیچے گندھک بن کر تپنے لگی اور ایک کالے رنگ کی بدلی اُن پر چھا گئی جس سے ان لوگوں پر بھڑکتے ہوئے انگارے پڑنے لگے۔ پس ان کے بدن اسی طرح پگھل گئے

جس طرح آگ میں سیسہ گداختہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک ارشاد فرما کر جناب امیرؑ نے فرمایا خدا کا غضب اور اس کا عذاب نازل ہونے سے ہم پناہ مانگتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کے سوا نہ کسی میں قدرت ہے اور نہ کوئی بلاؤں کو پھیر سکتا ہے۔

تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں ایک عورت اپنی کنیز کو ہمراہ لئے ہوئے حاضر ہوئی۔ اور عرض کی یا ابنِ رسول اللہ کیا انجام ہوگا اس عورت کا جو عورت کے ساتھ چپٹی کھیلے۔ حضرت نے فرمایا وہ جہنم میں جائیں گی۔ روز قیامت وہ میدان حشر میں لائی جائیں گی آگ کی چادر اور آگ کی اوڑھنی انہیں اوڑھائی جائے گی اور آگ کے موزے انہیں پہنائے جائیں گے آگ کے ڈنڈے ان کی شرمگاہوں... اور ان کے پیٹوں میں ڈالے جائینگے اور پھر وہ عورتیں دوزخ میں گرادی جائیں گی۔ اس نے عرض کی اس کا ذکر کتاب اللہ (قرآن مجید) میں تو نہیں ہے حضرت نے جواب دیا ضرور ہے۔ اس نے کہا کہاں ہے؟ فرمایا وَعَاداً وَثَمُوداً وَاَصْحَابُ الرَّسِّ۔ اصحاب الرس کی عورتیں چپٹی کھیلا کرتی تھیں۔

تفسیر مجمع البیان میں جناب امام محمد باقرؑ جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ اصحاب الرس کی عورتیں چپٹی کھیلا کرتی تھیں۔

۲۹۔ اصحاب الرس کے آخری ایام کے متعلق حضرت علیؑ کی روایت پر تبصرہ۔

Scanned by CamScanner

حضرت علیؑ سے بیان کردہ اس روایت میں ایک قوم کا پتہ چلتا ہے جو ایک درخت کی پوجا کرتی تھی۔ اور وہ درخت پہاڑی چشموں سے سیراب ہوتا تھا۔ یہ قوم ایک عظیم دریا کے کنارے بارہ عظیم شہروں میں رہتی تھی کوفہ سے مشرق کی طرف دریائے سندھ تک کوئی عظیم دریا ایران میں نہیں تھا۔ سالم جزیرہ نما عرب جنوب میں رہ جاتا ہے اب رہا سوال درخت کا غالباً وہ درخت جونیپر (پاجو) تھا جس کی صنوبر کے ساتھ صوتی مشابہت ہے۔ اور سینکڑوں سال میں اس کی اونچائی دس بیس فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ جو امر اس کے تقدس اور عظمت کی شہادت ہے۔ اور جس کی کاشت زگارت کے معبد کے چبوترے پر سہل اور مناسب تھی۔ ویسے تو یہ جھاڑی کی صورت میں کوہ ہمالیہ پر بھی ہوتا ہے۔ تبت کے لاماؤں کو اس کی لکڑی سے جلاتے ہیں جس طرح ہندوؤں کے ہاں مردوں کو صندل کی لکڑی سے جلانا متبرک سمجھا جاتا ہے۔ دنیا میں درخت کی صورت میں سوائے کوئٹہ اور قلات ڈویژنوں کی ہر یوتی ہلز (پہاڑیوں) کے جن کے زیارت کے پہاڑ بھی ایک حصہ ہیں۔ اور کہیں نہیں پایا جاتا۔ امریکہ میں ایک مقام پر ایک جونیپر کا درخت پایا گیا ہے جہاں تک وہاں کے محکمۂ سیر و سیاحت نے خاص سڑک نکالی، اور سیاحوں کو یہ قدیم ترین درخت دکھانے کے لئے لے جاتے ہیں (نیشنل جیوگرافک میگزین۔ واشنگٹن) زیارت کے اردگرد کے پہاڑوں سے جونیپر سے بھری ہوئی برفانی چوٹیوں سے شمال کی طرف ضلع ژوب کا دریائے ژوب نکل کر گل کچھ کے مقام پر دریائے گومل میں

Scanned by CamScanner

مل کر ڈیرہ اسماعیل خان اور پروا کے درمیان دریائے سندھ میں آ پڑتا ہے یہ مقام ضلع میانوالی کے بھکر اور ضلع جھنگ کے شور کوٹ کے سامنے ہے۔ سطح زمین کے لحاظ سے اگر دریائے سندھ درمیان میں نہ ہو۔ جیسے کہ ازمنہ قدیم میں پانچ ہزار سال پہلے وہ شور کوٹ کے مشرق میں بہتا تھا۔ تو دریائے گومل دریائے ژوب کو لے کر وہاں پر جا ملے گا۔ جیسا کہ ۔۔۔ اوپر فصل ۱۵ میں عرض کیا گیا ہے۔ پانچ ہزار سال پہلے وادیٔ سندھ اور کوہ سلیمان کے پہاڑوں پر بارشیں کثرت سے اور سال بھر ہوتی تھیں۔ دریا بھر کر چلتے تھے اور دور تک پانی لے جاتے تھے۔ اسی طرح زیارت کے پہاڑوں کے دوسری طرف جنوب کی طرف سے دریائے ناری نکل کر بستی (سیوی) کے مقام پر پہاڑوں سے نکل آتا ہے۔ ہر بوئی پہاڑیوں کے دوسرے جنوبی سرے پر قلات ڈویژن کے پہاڑوں سے جونیپر کے درختوں سے بھرے ہوئے جنگلوں کے اوپر کی برفانی چوٹیوں سے بہہ کر آنے والا دریائے بولان ڈھاڈر اور حلیم شاہ کے مقام پر پہاڑوں سے ضلع کچھی کے میدان میں نکل آتا ہے۔ یہ دونوں دریا ازمنہ قدیم میں مل کر موہنجو دارو اور سیوان کے درمیان سے گذرتے ہوئے دریائے سندھ میں جا ملتے تھے۔ دریائے گومل اور اس کے پاکستانی معاونوں پر بھی جونیپر درختوں کے جنگل پائے جاتے ہیں (دیکھتے یہ خاکہ اس لیے پیش کیا ہے تاکہ فصل ۷ میں ہندوؤں کی جنکا کہانیوں میں بیان کی ہوئی سیوی بادشاہوں کی شور کوٹ سے سیوی تک متحدہ حکومت کا جغرافیائی ثبوت مل جائے) دریائے سندھ کے شمالی معاون گومل ژوب کے

Scanned by CamScanner

راستے اور جنوبی معاون ناری بولان کے راستے زیارت کے پہاڑوں میں
نیلے آسمان کے نیچے ضو باری آفتاب درخشاں برفانی چوٹیوں سے سبز جونیپر
کے درختوں کے لٹکے ہوئے جھرمٹ کو یہ قوم اپنا معبود سمجھ بیٹھی۔ پانچ ہزار
سال پہلے جب کسی حادثہ کی وجہ سے دریائے سندھ اور اس کے شرقی
ہمالیائی معاونوں نے اپنے راستے بدلنے شروع کئے اور اس قوم کے شہر
دریا بُرد ہونے لگے تو اس قوم نے مختلف سمتوں میں نقل مکانی کی اور غالباً
خلیج فارس کی دوسری طرف عراق میں بھی جا پہنچے۔ تورات کے صحیفہ الیسعیاء
کے باب ۱۸ میں اسی وادیٔ سندھ کی منتشر قوم کا ذکر ہے اس کے الفاظ
یہ ہیں:۔ " ماتم کرو اس پراگندہ اور منتشر شدہ قوم پر جس کی سرزمین کو
دریاؤں نے برباد کر دیا جو سرزمین ایتھی اوپیا کے دریاؤں کے پار
پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ جو اپنے مہاجر سمندر پر سرکنڈہ کی کشتیوں
میں بھیجتی ہے" (ختم شد)

ہیروڈوٹس نے اپنی تاریخ میں مکران کے علاقے کے گھنگریالے بالوں
والے باشندوں کو مشرقی ایتھی اوپین (مشرقی حبشی) کہا ہے اس لئے مکران
کے شرقی کی طرف تین طرف پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی سندھ ہی مراد ہے
جس کے دریاؤں کے رد و بدل سے برباد شدہ علاقے آج بھی میانوالی
کے تھل، بہاولپور کے چولستان، سندھ کے پٹ، اور تھر کے صحراؤں کی صورت
میں غیر آباد پڑے ہوئے ہیں۔ ایک ماہر آثار قدیمہ مسٹر سٹیوارٹ پگٹ نے اپنی
کتاب " قبل از تاریخ کا ہندوستان" میں لکھا ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب

Scanned by CamScanner

کی ابتداء میں سرکنڈہ سے بنی ہوئی کشتیوں کا رواج تھا

اب قارئین پر یہ عیاں ہو چکا ہو گا کہ ابراہیمؑ کے آباؤ اجداد کس طرح وادی سندھ، سے وادی عراق میں پہنچے اور سومیری کہلائے اور اسی وادی سندھ سے اپنے معبد زگارودت (زیارت) کا تخیل لے کر گئے

حال ہی میں نیشنل جیگرافک سوسائٹی واشنگٹن کے میگزین دسمبر ۱۹۶۶ء میں کینتھ میکلیش نے صفحہ ۷۴۳ پر لکھا ہے۔ کہ آر کے معبد زگاروت میں چاند دیوتا سین کی پرستش ہوتی تھی۔ اب قارئین نے دیکھ لیا کہ سومیری قوم اپنے وطن وادی سندھ سے اپنے چندر دیوتا سین کو ساتھ لائی۔ یہ سونے کا بت تھا۔ پرانے وطن وادی سندھ میں اپنے دریائے سندھ کو اسی لحاظ سے سین دھارا (سین کا دریا) کہتے تھے یہ نام آج بھی سرائیکی وطن میں سائیں کے لفظ میں موجود ہے۔ ابا سائیں فقیر سائیں۔ خان سائیں پیر سائیں جس کا کہنا ہو کی نسبت سے دریائے سندھ کے کنارے ہمالیائی دامنوں میں ہجرت کر کے جانے والی جاٹ قوم میں سین کا لفظ آج تک بھی نام کا جزو ہے اور غالباً راجپوتوں میں بھی سنگھ کا لفظ اسی تعلق سے ہے جو سین سے بگڑ کر سنگھ ہو گیا۔ جاٹ سکھوں نے بھی یہی سنگھ کا لفظ اپنا لیا۔ دریائے ستلج کے کنارے والی جو یہ قوم کا شجرہ نسب بموجب بہاول پور گزیٹیر صفحہ ۱۲۸) ان ناموں سے شروع ہوتا ہے جن میں سین جزو تھا۔ مثلاً سانونت سین۔ الیپے سین۔ بنے سین۔ کو بیر سین، راج سین۔ یہ تو تسلیم شدہ امر ہے کہ بتوں کی صورت میں پوجے جانے والے معبود یا تو زمانہ گذشتہ کے انبیاء ہوتے تھے یا اولیاء۔ ابراہیمؑ نے جو ملت ابراہیمی اور سنت ابراہیمی

کے ماخذ ہیں۔ اسی سین کے بت کی پرستش کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ نمرود کے تشدد کا سامنا ہوا۔ ممکن ہے کہ سورۃ یاسین کے آغاز میں حروف مقطعات یاسین میں اسی سین کی طرف اشارہ ہو۔ وادی سندھ کی باقیماندہ قوم بعد میں اصحاب الرس کہلائی اور جیسا کہ حضرت علیؓ کی روایت میں کہا گیا ہے یہ واقعہ حضرت سلیمان بن داؤد کے وقت کے بعد کا ہے جن کا زمانہ ۹۵۰ قبل مسیح کا ہے ان کا بادشاہ بموجب روایت حضرت علیؓ ترکوز تھا جو ابراہیمؑ والے نمرود کی اولاد سے تھا۔ ہندو پرانوں میں اور رزمیہ داستانوں میں اجودھیہ کے بادشاہ ترسنکو کا ذکر ہے جس تے ایک کیکائی قبیلہ کی شہزادی کے ساتھ شادی کی تھی بموجب جنرل کننگھم یہ قبیلہ جہلم کے دائیں کنارے ضلع جہلم کے موجودہ قصبہ جلال پور سادات میں تھا۔ دریائے جہلم رسول سے جنوب کی طرف سیدھا ضلع ساہی وال میں جاتا تھا۔ تو کیکائی قبیلہ اس وقت کے پانچ ہزار سال پہلے کے سندھ ساگر دواب میں رہتا ہوگا۔ سکندر اعظم کے وقت میں سنگالہ کے مقام پر ایک کیٹھائی قبیلہ نے اس سے سکندر نے لڑائی کی تھی غالباً یہی کیکائی قوم تھی جو اب کاٹھیا قوم کہلاتی ہے۔ ترسنکو کا اجودھیہ یعنی پاکپتن اور کیکائی قبیلے کا وطن جلال آباد بالترتیب اس وقت کے پنج دواب اور سندھ ساگر دوآب میں تھے اور ہمارے تھے (تاریخ مغربی پاکستان صفحہ ۲۹۱) اور یہ بھی قابل غور امر ہے کہ لفظ سین سے مختص نام والے آباؤ اجداد کی اولاد جو پاکپتن [illegible] غرب کی طرف ویہاڑی تک اور جنوب میں پورے ضلع بہاولنگر میں فورٹ مروٹ تک چلی جاتی ہے ایسا

Scanned by CamScanner

معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم پانچ ہزار سال پہلے سندھ ساگر دوآب کے جنوبی حصہ میں سندھ اور چناب کے درمیان رہتی تھی اور اسی وجہ سے سین کی پجاری تھی۔ اگر یہ نظریہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابا سین کے پجاری عراق میں پہنچے اور سومیری کہلائے اور زیارت کے جو نیپر اشجار کی پرستش کا شعار اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد بقیہ ماندہ قوم دریائے سندھ پر پیچھے رہ جانے والی اپنے وطن کے عظیم شہروں میں موجود رہی۔ موہنجو دارو اور ہڑپہ اور پٹن منارہ انہی کے بارہ بلادِ عظیم میں سے تھے۔

۳۰۔ اصحاب الرس کے دریائے رس کا تاریخی ثبوت

اب سوال یہ ہوگا کہ دریائے سندھ کے اصحاب الرس کی وجہ سے رس کہلانے کا تاریخی ثبوت ہونا چاہیئے۔ رگ وید میں ایک دریا عظیم سرسوتی کا ذکر ہے۔ عام خیال یہی تھا کہ یہ دریائے گھاگرا تھا جو اب بہاول پور کے چولستان میں خشک پڑا ہے۔ دنیا کے مشہور محقق اور جغرافیہ دان سر آرل سٹین نے اس خشک دریا کے کنارے مشہور آثار قدیمہ رنگ محل (دریائے گھاگرا اور ستلج کا پانچ ہزار سال پرانا مقام اتصال) سے لے کر ڈیرا ور تک کے تمام کھنڈرات کی تحقیقات کی وہ اسے دریائے سرسوتی سمجھ کر چلے تھے۔ انہوں نے اس دوران بڑے معنی خیز انکشافات کیئے جو ابھی میرے مقالہ کے بعض نظریات کی بنیاد ہیں۔ بیشتر اس کے کہ وہ خود ڈیراور سے سندھ کے الور تک تحقیقات پوری کر کے ان انکشافات پر کوئی حتمی نظریہ پیش کرتے وفات پا گئے۔ ان کا اس تحقیقات پر مقالہ رائل جیوگرافیکل

سوسائٹی کے جریدہ جیوگرافیکل جنرل اپریل ۱۹۴۲ء صفحات ۱۷۴ تا ۱۸۲ پر شائع ہوا ۔ آنجہانی نے مفصلہ ذیل انکشافات اور اقوال پیش کیے

۱۔ پاکستان کے بہاولپور ڈویژن کے اندر (ولر اور فورٹ عباس تک) اس خشک دریا پر جس کو یہاں ہاکڑہ کہتے ہیں۔ آثار قدیمہ وادی سندھ کی تہذیب کے ہم سن ہیں، بھارت کے بیکانیر ڈویژن کے اندر وادی سندھ کی تہذیب کے کوئی آثار نہیں ملتے (بھارت کے ڈائریکٹر جنرل آثارِ قدیمہ مسٹر گھوش اس پر اتنے برہم ہوئے کہ انہوں نے اس کی تردید کی کوشش کی مگر ناکام رہے ان کا یہ مقالہ ڈاکٹر ہنری فیلڈ کی کتاب "مغربی پاکستان کی انتھروپالیجیکل سروے" میں بطور ضمیمہ "ج" درج ہے)

۲۔ بہاولپور ڈویژن کے اندر کے کھنڈرات پانچ ہزار سال پہلے اس دریا کے خشک ہو جانے سے ویران ہو گئے۔

۳۔ ویرانی کی دلیل دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ پانچ ہزار سال پہلے دریائے ستلج سے جہاں اب وہ مل رہا ہے دو شاخیں اسی خشک دریا میں پڑتی تھیں اب ان دو راستوں پر صادقیہ کینال کی ہاکڑہ برانچ اور بہاول کینال کی ڈیزرٹ برانچ چلتی ہیں۔

۴۔ یہ دونوں شاخیں کسی وجہ سے ایک ہی وقت میں بند ہوگئیں اور یہ پورا علاقہ برباد ہو گیا۔

۵۔ اس بربادی کے بعد ایک اور تمدن وجود میں آیا جس کے آثار اسی پرانے چھوڑے دریا کے اندر کم چوڑائی کے کنارے رنگ محل کے قریب سے

Scanned by CamScanner

فورٹ مروٹ تک پائے جاتے ہیں۔ یہ صورت حال غالباً یہ ثابت کرتی ہے
کہ ستلج کی بھی اسی زلزلہ کے نتیجہ میں کمر ٹوٹ گئی تھی۔ جس نے چناب اور
سندھ کو سورت دیس کے نشیب میں ڈال دیا تھا اور صرف گھاگرا کا پانی ستلج
کی وسیع چوڑائی کے ایک حصہ میں فورٹ مروٹ تک چل کر اس نئے تمدن،
کی آبیاری کرتا رہا۔

۱۶۔ فورٹ عباس سے تین میل شمال مغرب میں ایک قدیم ویرانے کو
سر آرل سٹین نے سندا ناں والا نام دیا۔ غالباً انہوں نے مقامی لوگوں میں
معروف نام سن کر دیا ہوگا۔ اسی طرح انہوں نے فورٹ مروٹ سے
بیس میل مغرب میں ایک عظیم اور بلند کھنڈر کو کڈ والا کا نام دیا۔

۱۷۔ فرماتے ہیں کہ ڈیراور کے ارد گرد وسیع و عریض علاقہ میں ڈیلٹائی
صورت حال پائی جاتی ہے۔

میں نے انہی انکشافات کی بنیاد پر باب دوم فصل ۶ میں نظریہ پیش
کیا تھا کہ فورٹ مروٹ پر جہلم اور چناب ستلج میں آکر ملتے تھے سندا ناں
والا کا عظیم کھنڈر سنگم کی تکون کے اندر کا تجارتی اور ثقافتی شہر تھا۔ فورٹ
مروٹ سنگھم کے نیچے بائیں کنارے تھا۔ دریائے سندھ ڈیراور کے
قریب اس زمانے کے دریائے پنجند میں آملتا تھا۔ کڈ والہ سے لے کر
ڈیراور تک (۲۵) میل ان عظیم الشان دریاؤں کے سنگھم کے ڈیلٹا کی لیک
ہوتی تھی میری رائے میں اس ڈیلٹا کی تکون کا تاج (ایپکس) کھروڑ اسرانی
اور مبلیبی کے درمیان ہوتا تھا۔ آج بھی یہی حالت ہے۔ راقم کا ذاتی

مشاہدہ ہے کہ کئی سال سے بہتا ہوا چناب دس پندرہ میل کی لمبائی میں ایا ہر دریائے سندھ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اچانک دریائے سندھ کی ایک شاخ پچھلے سال کے سنگھم تے ۱۵ میل اوپر چناب میں گر گئی۔ دریائے سندھ کا پانی دریائے چناب کے پانی سے ۳۵ فٹ اونچا ہے از منۂ قدیم میں پانچ ہزار سال سے پہلے ڈیلٹا کی تکون پر ملیسی، ڈیرا ورڑ اور گڈ والا تھے آہستہ آہستہ یہ تکون غرب کی طرف کہروڑ کی طرف جنوب مغرب میں ہٹتی گئی۔ اسی طرح چناب اور ستلج کے سنگھم کے ڈیلٹا کی لیک ستدا نماں والا سے فورٹ مروٹ پر تھی اور فورٹ مروٹ کے ارد گرد بھی وسیع اور عریض مگر سندھ سے چھوٹا ڈیلٹائی علاقہ ہے۔

سر آرل سٹین نے صفحہ ۱۷۶ پر پیرا نمبر ۲ میں رگ وید کے گیتوں میں ایک عظیم دریائے سرسوتی کے ذکر اور اس کے متبرک ہونے کے عقیدے اور موجودہ زمانے کے ایک چھوٹے سے موسمی دریا گھاگرا اور اس کے ایک چھوٹے سے معاون موسمی دریائے سرسوتی کو رگ وید کا بیان کردہ دریا ہونے کے عقیدہ میں تفاوت پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہی شکوک کی بنا پر ایک جرمن دانشور پروفیسر آر دان را تھ نے دریائے سندھو یعنی دریائے انڈس کو رگ وید کا بیان کردہ دریائے سرسوتی کہا ہے اور بہت سے دوسرے دانشوروں نے بھی اس کی تائید کی ہے میری رائے میں اس جرمن دانشور نے صحیح کہا ہے کیونکہ سرسوتی سے مراد دراصل سویراس وتی ہو سکتا ہے یعنی اصحاب الرس کا دریا۔ اور اسی بناء پر یہ یقین غالب ہو سکتا ہے کہ سرائیکی کا لفظ دراصل

سویرا کی تھا جو آہستہ آہستہ بگڑ کر سرائیکی ہو گیا۔ جس کو کسی نے سرائے کی سمجھا تھا اور مسٹر لیمبرک نے سرو کی لکھ کر ہمیں دریائے سندھ کے بالائی حصے کی طرف پہنچا دیا۔ جہاں ہم نے سویرا اس قوم کو تلاش کر کے سویرا کی زبان کا نام تلاش کر لیا۔ سر آرل سٹین نے اپنی ابتدائی تحقیقات میں دریائے ستلج کو پانچ ہزار سال موجودہ جگہ پر ہونے کا گمان ظاہر کیا اور اس سے دو شاخیں ایک دوسرے سے تقریباً ۸۰ میل دور ایک ہی دریا سے نکلتی ہونی کے وجود کا گمان بھی کیا اور پھر ایک وقت میں دونوں کے بند ہو جانے کا اندازہ لگایا۔ یہ تینوں اندازے دراصل تعجب خیز تو ہیں۔ مگر سر آرل سٹین جیسے دانشور کے لیے یہ تین اندازے صرف سائنسی طرز کی تحقیقات پر یکے بعد دیگرے تبدیل کرتے پڑتے اور میری ناچیز رائے میں وہی نظریہ پیش کرتے جو میں نے باب دوم فصل ۶ میں پیش کیا ہے۔

۳۱۔ دریائے چناب کے لاہور (یونانیوں کا لوبلکا) کے غرب سے ہو کر پتوکی کے غرب پر جنوب کو مڑ کر دیپالپور (یونانیوں کا دایا بالا) اور پاکپتن (رامائن کا اجودھیہ) کے غرب پر ہو کر فورٹ منرو پہنچنے کا پچ نامے ثبوت اور اسکی یونانی جغرافیہ دان پٹالمے سے تائید

Scanned by CamScanner

وادیٔ سندھ کی تہذیب کے سراغ کے لئے دریائے چناب اور جہلم کے فورٹ مروٹ پر پہنچنے کا نظریہ کلیدی ہے۔ تاریخ اپنے صحیح خطوط (اوٹ لائنز) محفوظ رکھتی ہے اس امر کے تاریخی اور جغرافیائی ثبوت بہت ہیں۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب کی تحقیق کرنے کے لئے تقریباً پورے مغربی پاکستان کے دریاؤں نہروں اور ریلوں کا مشاہدہ ضروری ہے۔ راقم کو یہ سعادت نصیب ہوتی اور اور اسی بناء پر میں نے یہ نظریہ وثوق سے پیش کیا ہے۔ لاہور کے قریب لاہور ملتان روڈ پر نیاز بیگ کے مقام سے لے کر بلو کی ہیڈ ورکس تک اگر دریائے راوی کے بائیں کنارے پر جا کھڑے ہوں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دریا راوی سا ایک چھوٹا دریا ایک بہت بڑے دریا کے تل والے حصے میں چل رہا ہے۔ بڑے سے بڑا سیلاب بھی اس کنارے کو نہیں چھو سکتا، جہاں ہم کھڑے ہیں بلو کی ہیڈ ورکس پر تو ہم بہت سارا نشیب اتر کر ہیڈ ورکس کے سیلابی حفاظتی بند پر پہنچتے ہیں۔ یہ ایک اور تائیدی امر ہے بلو کی ہیڈ سے نکلنے والی لوئر باری دواب کینال پتوکی سے آگے جا کر رینالہ خورد کے مقام پر ایک بڑی اننا ذ (فال) پر گر کر بجلی پیدا کرتی ہے۔ دراصل اس مقام پر شرقاً غرباً بہنے والی کینال میرے نظریئے کے مطابق شمالاً جنوباً چلنے والے قدیم چناب کے بیڈ میں گرتی ہے۔ ساہیوال اس کے دوسرے کنارے پر ہے وہاں آپ دیکھیں گے تو نہر ریلوے اسٹیشن اور شہر کے درمیان بالکل زمین کے اندر چلتی ہے۔ یہ چناب کا دوسرا کنارہ ہے۔ ہڑپہ پہنچنے سے پہلے نہر ایک بہت بڑے نشیب میں سے گذرتی ہے یہ شمالاً جنوباً چلنے والے

Scanned by CamScanner

جہلم کا بیڈ ہے ۔ لوئر باری دوآب کینال کی طرح اس کے جنوب میں اس کے متوازی چلنے والی نیلی بار کینال اور اس کی اس کے متوازی چلنے والی کھادر برانچ کی بھی یہی حالت ہے کھادر برانچ کا مشاہدہ بھی یہی کچھ بتلاتا ہے ۔ گو درمیان میں صدیوں بعد آنے والے دریائے بیاس کا بیڈ اس گمان پر یقین سے باز رکھ سکتا ہے ۔ آگے چلیں تو بہاول نگر کے ضلعی صدر مقام کے قریب صورت حال واضح ہو جاتی ہے ۔ ستلج سے نکلنے والی صادقیہ کینال جس کی ہاکڑہ برانچ سر آرل سٹین کے مطابق ستلج کی ایک قدیم شاخ کے ساتھ ساتھ کنارے پر چلتی ہے بہاول نگر سے دس میل دور جال والا کے مقام پر ہے ۔ بہاول نگر کے قریب چلنے والی ستلج سے نکلنے والی دوسری نہر فورڈ واہ کینال ہے مگر اس دس میل کے فاصلہ میں صادقیہ کینال کی پانی کی سطح بہاول نگر کے قریب فورڈ واہ کینال کی پانی کی سطح سے ۲۵ فٹ اونچی ہے ۔ یعنی جال والا قدیم دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر ہے ۔ اور بہاول نگر اس کے بیڈ میں صادقیہ کینال سے جتنی نہریں بہاول نگر شہر کے ارد گرد کو سیراب کرتی ہیں ۔ ان میں اکیس اکیس فٹ کی مجموعی فالین ہیں ۔ یہی حالت شمالاً جنوباً چلنے والی ہاکڑہ برانچ کی ہے فورٹ عباس کے قریب قدیم ستلج کے کنارے پر پہنچنے سے پہلے اس سے جتنی شرقاً غرباً نہریں نکلتی ہیں ۔ وہ بھی چند میل دور جا کر فالین بنا کر قدیم چناب کے بیڈ کو سیراب کرتی ہیں ۔

اب مزید تاریخی ثبوت پیش ہے ۔ فورٹ عباس کے قریب والا سندا نالی والا کا کھنڈر دراصل صندلاں والا کھنڈر ہے ۔ چچ نامہ (سندھی ادبی بورڈ)

Scanned by CamScanner

میں صفحہ ۳۱۸ پر نزوالا صندل کا ذکر ہے۔ جہاں گوپی بن داہر جا چھپا تھا۔ اس سے پہلے جینیہ اور وکیہ بھی وہاں جا چھپے تھے۔ یہ ملک چیتروز کا ایک مقام تھا۔ اس چیتروز کے مقام کے متعلق بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ بعض تو اُسے موجودہ راجپوتانے کا چتوڑ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ جگہ کہانیوں کا جبّا روڑ ہے۔ غالباً اسی خشک دریا کے کنارے پر واقع ڈیرا ورڑ یا مروٹ کا قدیم نام تھا۔

یونانی جغرافیہ دان پٹولمی کے۔ د اریں پیش کردہ نقشے کے اندر دریائے چناب کا نام سنڈا کالیس دیا گیا ہے۔ (صفحہ ۱۴۴ تاریخ سندھ انگریزی، سندھی ادبی بورڈ جلد اول لیمبرک) یہ صوتی مشابہت بھی ایک تاریخی ثبوت ہے۔ کہ نزوالا صندل کی طرف ایک دریا چلتا تھا۔ جس کا نام سنڈا کالیس تھا۔ جس کو پٹولمی نے چناب کی جگہ پر دکھایا ہے۔ اور وہ شمالاً جنوباً بہتا تھا۔ آج تک چناب اور راوی کے درمیان والے رچنا دوآب کو صندل بار بھی کہتے ہیں۔ غالباً یہ بھی زمانہ قدیم سے چناب کے پرانے نام کی صدائے بازگشت ہے۔ پٹولمی کے اس نقشے میں دریائے راوی کا نام ادرلیس دکھایا گیا ہے۔ یونانی مورخ ایرین نے اپنی کتاب "سکندر اعظم" میں سکندر اعظم" کو دریائے راوی پار کر کے ایک قوم ایدرلیسٹی کے شہر پمپیراما پر بغیر کسی لڑائی کے قبضہ کر کے سنگالا کی طرف جاتا دکھایا ہے۔ ممکن ہے کہ ادرلیس کا وطن اسی گرد و نواح میں ہو۔ یہ بیتے جملہ معترضہ کے طور پر عرض کر دیا ہے۔

Scanned by CamScanner

باب ششم

سرائیکی وطن میں سکندرِ اعظم یونانی کی آمد اور واپسی

۳۲۔ قدرت نے وادیٔ سندھ کی تہذیب سرائیکی وطن کے تمدن کی تاریخ کا ہمیشہ تحفظ کیا ہے

انسانی احاطۂ تحریر میں لائی ہوئی تواریخ میں وادیٔ سندھ کا پہلا سراغ یونانی مؤرخ ہیرو ڈوٹس کی "تاریخ" میں ملتا ہے۔ جس نے سکندرِ اعظم کی بطرفِ شرق پیش قدمی سے

Scanned by CamScanner

سے سو سال پہلے ان کو قلمبند کیا (میرے زیرِ نظر ہیروڈوٹس کی تاریخ" ترجمہ آبری ڈی سیلنکورٹ، پنگوئن کلاسکس نمبر ۱۳۲، لندن ہے) گویا اللہ تعالےٰ نے تاریخِ انسانیت کے اس اہم موڑ پر آنے سے پہلے حالاتِ حاضرہ کو قلمبند کرا لیا۔ سکندرِ اعظم کی آمد کے ساتھ اور بعد میں جذباتی اور مداحی طرز کے یونانی مؤرخوں اور مشاہدہ کی بجائے روایتوں پر انحصار کرنے والے جغرافیہ دانوں کا سلسلہ چار سو سال تک چلتا رہا۔ حتیٰ کہ دوسری صدی عیسوی میں ایک طرف تو یونانی مورخ ایرین نے رومن حکومت کے دور میں اپنی غیر جانبدارانہ تصنیف سکندرِ اعظم کی پیش قدمی" پیش کی جو اختصار بالتفصیل کا نادر نمونہ ہے ــ اور سب کچھ کہا مختصر کہا کے مصداق ہے (میرے زیر نظر ایرین کی "سکندرِ اعظم کی پیش قدمی" مترجمہ آبری ڈی سیلنکورٹ پنگوین کلاسکس نمبر ۱۸۱- لندن ہے) اور دوسری طرف یونانی جغرافیہ دان ٹپالمے نے وادیٔ سندھ کا معروفِ زمانہ نقشہ پیش کیا ہے (دیکھیے صفحہ ۱۴۴ انگریزی تاریخ سندھ لیمبرک شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد) اسی طرح وادیٔ سندھ کی تاریخ کے دوسرے اہم موڑ پر محمد بن قاسم عربی کی آمد سے ستر سال پہلے چینی بدھ سیاح ہیون سانگ نے اپنے مشہور سیاحت نامے میں وادیٔ سندھ کے حالات تحریر کیے (میں نے ہیون سانگ کے حوالے لیمبرک کی تاریخ سندھ انگریزی حصہ اوّل۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد سے لیئے ہیں)۔ محمد بن قاسم کی آمد کے بعد عرب سیاحوں اور جغرافیہ دانوں نے مشاہدہ اور روایت پر سفرنامے اور نقشے مرتب کیے۔ مگر محمد بن قاسم کی پیش قدمی کے مستند حالات کوئی بھی تحریر نہ کر سکا۔ محمد بن قاسم کی آمد کے ۵۲۱ سال بعد عرب اقتدار کے خاتمہ پر وادیٔ سندھ میں عجمی اقتدار کے دور میں ایک عرب کوفی مؤرخ معروفِ زمانہ ازمنۂ قدیم کی یادگار مقام اوچ کے رہنے والے علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے اس فرض کو ادا کیا۔ الور اور بھکر سے قدیم عرب

Scanned by CamScanner

خاندانوں کے ورثاء سے ان کے خاندانی عربی مسودات حاصل کر کے فارسی میں ترجمہ کیا جو آج فتح نامہ سندھ یا چچ نامہ کے نام سے ایک تاریخی دستاویز یا یوں کہیئے کہ تاریخی سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے (میرے زیر نظر فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ۔ حیدر آباد ہے) انہیں چار دستاویز پر وادیٔ سندھ کی تاریخ کا بنیادی ڈھانچہ قائم کیا جاتا رہا ہے۔ وادیٔ سندھ کی تاریخ دلچسپ ہے مگر اس کے دلچسپ پہلوؤں کی تلاش کی کوشش نہیں کی گئی جب تک کوئی فرد کسی تہذیب اور تمدن یا مملکت یا قوم کی عظمت کا خود قائل نہ ہو وہ اُس کی تاریخ کی جستجو میں کماحقہ، شوق نہیں رکھتا۔ ہیروڈوٹس اور ایرین نے اپنے وطن یونان سے پھیلے ہوئے تمدن کے قصے بیان کئے۔ ہیون سانگ نے بدھ مذہب کی روحانی عظمت اور اس اعتقاد کے دائرہ وسعت کی حدود تک تبدیلیں عرب قوم کے لائے ہوئے روحانی انقلاب کی عظمت اور وسعت کو ایک عربی علی بن حامد بن ابی بکر کوفی نے پیش کیا۔ وادیٔ سندھ کی تاریخ دراصل۔ جیسے کہ پہلے پانچ ابواب میں بیان ہو چکا ہے۔ سرائیکی زبان بولنے والے لمبے بال رکھنے والے لوگوں کے وطن کی تاریخ ہے۔ خدا کی قدرت دیکھیئے کہ تاریخ انسانیت کے ایک پُرعظمت اور روحانیت کے گہوارے کو اصحاب الرس یعنی سندھو سویراس کے زوال کے بعد قرآن کریم کے بیان کے مطابق ہمیشہ دُور افتادہ دارالحکومت کے محتاط رہنے کی ذلت اٹھانی پڑی۔ مقدونیہ بغداد۔ غزنی اور دہلی، اس کی حدود سے باہر اس پر حکومت کرتے رہے۔ قرآن کریم کے ارشاد مشاہدہ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ .... کے مصداق آج بھی اس وطن کی حدود کے اندر بسنے والے عوام کی زبان سرائیکی کو زبان کہلانے کا

حق حاصل نہیں۔ پشتو اور بلوچی بولنے والے اور لمبی زلفیں رکھنے والے پٹھان اور بلوچ اسی سرائیکی وطن کے قدیم باشندے ہیں۔ یاد رہے کہ کابل، گردیز، غزنی، زیارت قلات کے گردو پیش سے نکل کر مشرق کی طرف بہنے والے دریا، کابل، کرم، گومل ژدب، تاری اور بولان کوہِ سلیمان کے غربی دامنوں سے نکل کر کوہِ سلیمان کو چیرتے ہوئے وادیٔ سندھ کے معاون بن جاتے ہیں۔ سرائیکی وطن کے اندر اس کے حدود کے قریب قریب پشتو اور بلوچی زبانوں کا رواج اتنا قابل تسلیم ہے۔ جس طرح ان علاقوں میں اردو اور انگریزی کا رواج آج قابل فہم ہے۔

۳۳۔ تاریخ اور جغرافیہ کا چولی دامن کا ساتھ ہے

جغرافیہ بغیر تاریخ کے سمجھا جا سکتا ہے۔ مگر تاریخ جغرافیائی تاریخ کی تحقیق کے بغیر قابل تفہیم نہیں بن سکتی۔ وادیٔ سندھ کے مورخین ملکی وغیر ملکی دونوں نے ہمیشہ یہی غلطی کی ہے۔ مثال کے طور پر یہ سمجھ لینا کہ ملتان سکندرِ اعظم کے وقت میں چناب کے بائیں کنارے تھا، جہاں آج ہے۔ حالانکہ سکندرِ اعظم کے زمانہ میں ملتان نہ صرف یہ کہ چناب کے غرب بلکہ سندھ کے بھی غالباً غرب میں ہوگا۔ اور سکندرِ اعظم اس مقام پر جسے اب ملتان کہتے ہیں آیا ہی نہیں اور نہ اس نے چناب کے دائیں کنارے کے علاقے پر یلغار کی۔ حقیقت یہ ہے کہ خطِ استوا کے شمالی نصف کرۂ ارض میں بہنے والے میدانی دریا ہمیشہ قدرت کے قانون غرب روی کے تحت اپنا شمالی کنارہ کاٹ کاٹ کر شمال اور غرب کی طرف ہٹتے چلے جاتے ہیں۔ یہ فعل خطِ استواء اور قطب پر رفتارِ گردش میں فرق کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ چونکہ ستلج اور فورٹ منرو سے فورٹ ڈیرا ورتک چناب اور

Scanned by CamScanner

فورٹ ڈیرا اور سے سمندر تک دریائے سندھ کے تعاقب میں کوئی دریا قانونِ غرب روی کے تحت نہ آرہا ہوتا تھا۔ اس لیئے وہ بہاول نگر۔ بہاول پور اور رحیم یار خان کے اضلاع کا چولستان چھوڑ آئے۔ جہاں ان کے کنارے پر آباد شہر ویران ٹیلوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں گمران کی موجودہ جگہ سے یعنی موجودہ شورکوٹ سنگم، موجودہ پنجند سنگم اور موجودہ کوٹ مٹھن سنگھم سے لے کران کے موجودہ بالائی حصّوں کے میدانوں میں ایک دریا دوسرے کے پیچھے غرب کی طرف ہٹتا رہا۔ اس طرح بعض میدانی علاقوں میں اغلب ہے کہ کئی دریا تہہ بہ تہہ ایک دوسرے کے اوپر چل چکے ہوں اور اپنے کنارے کے بیشتر شہروں کو اپنی مٹی کے اندر معدوم کر چکے ہوں۔ اس طرح یہ قرینِ قیاس نہیں کہ سکندرِ اعظم کے وقت سے لیکر آجتک دو ہزار دو سو سال چناب ملتان کے غرب میں اسی جگہ کھڑا رہا۔ حال ہی میں بہاول نگر کے قریب پیر سکندر کے مقام پر دریائے ستلج کے ہٹ جانے سے زمین میں دبی ہوئی ایک پختہ قدیم عمارت ظاہر ہو چکی ہے۔ غوطہ خوروں نے زیرِ زمین کھڑے پانی کے اندر بھی اس عمارت کے پچیس فٹ مزید ہوتے کا پتہ دیا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ موہنجو ڈارو کی نچلی منزل اب بھی زیرِ زمین پانی کے اندر ہے۔ حال میں ظاہر شدہ ستلج کے کنارے کی یہ عمارت تائید کرتی ہے اس بات کی کہ ازمنہ قدیم میں یہ عمارت شمال سے جنوب کی طرف بہنے والے جہلم یا چناب کے کنارے تھی۔ جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا تھا۔ بعد میں ستلج نے آکر اس کو اپنی مٹی کے اندر گم کر دیا۔ جس طرح موہنجو ڈارو کے اردگرد کی زمین اس کے ابتدائی وقت سے اب تک ۳۵ فٹ اوپر آچکی ہے۔ پاکپتن (رام چندر جی کا اجودھیہ) ہڑپہ (سکندر کا تباہ کردہ برہمن گڑھ) شورکوٹ (ٹھکا کہانیوں کا سیرپورہ) ملتان (ہیروڈوٹس کا کیسی پیٹرس اور البیرونی کا کاشی آباپورہ) اوچ (؟)

پٹن منارہ (سکندر کا فتح کردہ دوسرا برہمن گڑھ) اور موہنجو ڈارو (سکندر کا تباہ کردہ تیسرا برہمن گڑھ) جیسے پختہ اور بلند و بالا مقدس شہر ان دریاؤں کی زد سے تہہ بر تہہ اوپر کر لیئے جاتے تھے ۔ جہاں وہ آج ہمارے سامنے اپنی تاریخ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ کم اہمیت والے شہر چھوڑ دیئے جاتے تھے ۔ ان سطور کو ذہن میں رکھ کر سکندرِ اعظم کی آمد اور واپسی کے قصے کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی ۔

۳۴ ۔ سکندرِ اعظم کے وادیٔ سندھ میں داخلہ کا مقام اور پیش قدمی کا راستہ

خدا جانے انگریز جان بوجھکر اپنی سیاسی اغراض کی خاطر وادیٔ سندھ کی تاریخ کے اہم خطوط کو بگاڑنا کیوں گوارا کر لیتا تھا ۔ جنرل کننگھم نے ایک صدی پہلے ہندوستان کی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بعد یہ نظریہ پیش کیا کہ سکندرِ اعظم ، باجوڑ ، دیر اور سوات کے راستے وادیٔ سندھ میں آیا ۔ کوہ ہندوکش کے جنوبی دامن میں باختریہ کو جاتے ہوئے وادیٔ سندھ کا پہلا سکندریہ کابل کے کہیں شمال میں بنایا ۔ باختریہ سے واپسی پر اسی مقام پر پہنچ کر وہ دیر اور سوات کے راستے چل کھڑا ہوا ۔ اور تاربیلہ کے مقام پر کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو عبور کیا ۔ اور موجودہ مقام ٹیکسلا میں پہنچا ۔ اسی دیر اور سوات کے علاقہ میں اس کا ایک حکمران ابی سارس سے واسطہ پڑا وغیرہ وغیرہ اس حکمران کو ضلع ہزارہ کا بادشاہ بتایا گیا ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سکندر دریائے کرم کے راستے وادیٔ سندھ میں داخل ہوا اس کو علم تھا کہ اس علاقے پارا چنار میں ایرانیوں کی جلاوطن کردہ یونانی نسل قوم طوری آباد ہے ۔ جو اس کا ساتھ دے گی ۔ دریائے کرم کے منبع کے قریب اس نے باختریہ جاتے

ہوئے اپنا شہر سکندریہ بنایا تھا۔ تاکہ واپسی پر وادئ سندھ کی طرف اس مقام سے چل پڑے۔ آج بھی وہاں یونانی نسل عُمر قوم آباد ہے یعنی چھاؤنی والی قوم۔ عُمر یونانی میں چھاؤنی کو کہتے ہیں۔ موجودہ مقام ٹھل ضلع کوہاٹ سے شمالی وزیرستان سے گذر کر جنوبی وزیرستان سے ہوتا ہوا دریائے گومل کو عبور کر کے تختِ سُلیمان (راک آف اورناس) کے قریب پہنچا۔ جنوبی وزیرستان میں یونانی نسل عُمر قوم اس کی دوسری سکندریہ چھاؤنی کی آج بھی یادگار ہے۔ تختِ سُلیمان کے قریب پہلی بار اس کا واسطہ ایک حُکمران ابی سارس سے پڑا جو شاہِ قبائل کوہستانِ ہند کہلاتا تھا۔ اور تختِ سُلیمان اس کی راجدھانی میں تھا۔ اس پر چڑھ کر قبضہ کیا۔ اور پھر ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی غربی اور شمالی سرحد پر ہوتا ہوا۔ موجودہ مقام پنیالہ (دیھن کلائیٹیز) سے پھر دوبارہ دریائے کرم کو درۂ تنگ (ڈرائنا) پر عیلی خیل کے قریب عبور کر کے کالا باغ کے نزدیک دریائے سندھ کو کشتیوں کے پُل پر عبور کیا۔ اور موجودہ تحصیل خوشاب میں سکیسر پہاڑ کے دامن میں اس وقت کے ٹیکسلا میں پہنچا۔ یونانی زبان میں ٹیکس فوج کے ڈویژن کو کہتے ہیں (دیکھیئے کنا لس ڈکشنری) اور ڈویژنل کمانڈر کو ٹیکسلاس کہتے ہیں۔ یعنی ایران کی دارا اوّل کے وقت سے فوجی چھاؤنی تھی۔ جس کا کمانڈر پورے ضلع سرگودھا کا جہلم کے دائیں کنارے تک جو اس وقت پھالیہ کے قریب بہتا تھا۔ گورنر بھی تھا۔ چچ نامہ میں اس وقت کے اسی علاقہ سرگودھا کو از جلال پور ساداتا تا سیکسر چچ نامہ میں تیج مؤنہار کہا گیا ہے۔ کوہستان نمک کے اس حصہ میں پانچ میٹھے اور کھاری پانی کی جھیلیں ہیں اور آجنک چوعہ سیدن شاہ کالاہار، نوشہرہ، سیکسر، داؤد خیل اور کالا باغ تک یونانی نسل قوم اعوان آباد ہے (اس کی پوری مدلّل تفصیل راقم کی تصنیف "سکندر اعظم اور

پٹھان عمر اور اعوان، شائع کردہ ادارہ تحقیق و تذکرہ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ میں ملاحظہ فرمائیں) راقم نے ثابت کیا ہے کہ ابی سارس کا نام ازمنۂ قدیم کے اصحاب الرس کی ترکیب لفظی کی صدائے بازگشت ہے جو راقم کی رائے میں بالآخر چچ نامہ کے دفت کا رائے بچھیرا ہو گیا تھا۔ آج بھی مثالیں موجود ہیں۔ عربی نام عبد السبوح خان سوبھے خان ہو گیا ہے عبد القدوس خان بڈھن خان بن گیا ہے یا اللہ خان، بہاول خان مشہور ہو گیا۔ جو سرائیکی وطن کے بہاول پور شہر کا ماخذ ہے۔ رائے بچھیرا۔ ملتان کا حکمران اور سندھ کے حکمران رائے ساہیرس کا رشتے دار اور ماتحت باج گذار تھا۔ غالباً ملتان تک کے دامنی علاقہ کے ساتھ زیارت سے نکلنے والے دریائے ژوب اور گومل کے پہاڑی علاقے کا حاکم بھی تھا (دیکھئے اس مقالہ کی فصل ۲۹) تختِ سلیمان، ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلع میں واقع سرائیکی کے وطن ملتان کے شہر سے سیدھا، پرندے کی پرواز سو میل سے زیادہ نہیں۔ طرفہ یہ ہے کہ یونانی مؤرخ ایرین نے سکندرِ اعظم کے راوی کے جنوب کے واقعات میں صاف طور پر ایک مقام پر لکھا ہے کہ ہڑپہ کے گرد و پیش کی بہادر اور شجاع قوم ملی اور اس کی ہمسایہ قوم ایسی ڈرائیکی اور سنگالر کی کاٹھیا قوم کے خلاف ابی سارس نے راجہ پورس کے ساتھ جو چج دواب کا حکمران تھا۔ اتحاد کیا تھا۔ قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ضلع ہزارہ کا بادشاہ ٹیکسلا کی راجدھانی کے پار ساہیوال ضلع کے اندر کی قوموں کے خلاف گجرات کے راجہ پورس کے ساتھ مل کر کیسے جنگ کر سکتا تھا۔ لہٰذا یہ صحیح ہوا کہ وہ سندھ ساگر دوآب اور سندھ کے پار ژوب کے پہاڑی اور میدانی علاقے کا بادشاہ اور چج دوآب کے راجہ پورس کا ہمسایہ تھا۔ اور کاٹھیا، ملی، اور آکسی ڈرائیکی ان کے جنوب میں تھے۔ جن پر دونوں نے حملہ کیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ وغیرہ (دیکھئے راقم کی کتاب۔ "سکندرِ اعظم اور پٹھان" فصل سوم صفحہ ۵۶ تا ۶۱) یہ مختصر پس منظر

قارئین کی خدمت میں پیش کر کے ان کو سکندر اعظم کا بیاس سے جہلم پر واپس پہنچ کر کشتیوں کے ذریعے سرائیکی وطن میں داخلہ کیلئے تیار کرنا تھا کیونکہ یہیں سے اس کا سرائیکی وطن کے اندر کی قوموں سے مقابلہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

۳۵۔ سرائیکی وطن میں از کنارِ جہلم تا مکران سکندرِ اعظم کی تعمیری اور جنگی مصروفیات

سکندرِ اعظم کے کنارِ جہلم تا مکران واپسی تذکرہ میں مفصلہ ذیل قابلِ تحقیق امور سے ہمارا واسطہ پڑے گا۔

۱۔ دو پُر اسرار مقامات کا نمایاں ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے کو پیلس آف صوفیتیز (موزیوں کا محل) کہا گیا ہے۔ اور دوسرے کو پیلس آف سوگدیا (سیم زدہ علاقے کا محل) ان کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ جو قابلِ جستجو ہے۔

۲۔ تین برہمن ٹاؤنز کا ذکر ہے۔ جہاں پوری تفصیل دی گئی ہے۔ کہ برہمنوں نے کس طرح مقابلہ کیا اور سکندر اعظم نے ان کو کس طرح کیفر کردار تک پہنچایا۔ یہ برہمن گڑھ کہاں واقع تھے۔ اس پر بحث قارئین کرام کیلئے بڑی دلچسپ ہوگی۔

۳۔ سکندر اعظم نے دریائے جہلم سے لیکر سمندر تک اس تمام دریائی سفر میں چار مقامات پر کشتیوں کیلئے ڈاک یارڈز (کشتیوں کے لنگر انداز ہونے اور سامان اور مسافر اتارنے اور چڑھانے کے لئے پختہ پلیٹ فارم) بنوائے، یہ کہاں تھے۔ ان کی تلاش اس وقت کے جغرافیائی حالات کو بڑے دلچسپ انداز میں پیش کرے گی۔

۴۔ اس تمام سفر میں سکندرِ اعظم نے دو غیر متعین مگر مخصوص مقامات پر شہر آباد کرنے کا

حکم دیا۔ اور ان میں خاص قسم کے فوجی آباد کار نامزد کئے۔ ان مقامات کا متعین کرنا، اور ان قدیم فوجی آباد کاروں کی موجودہ اولاد کو نامزد کرنا تعجب انگیز ہوگا۔ ان شہروں کے علاوہ تین غیر متعین مگر مخصوص مقامات پر قلعے بنوا کر فوج رکھنے کا حکم دیا۔

۵۔ ترتیب دار سکندرِ اعظم کو مفصلہ ذیل خود مختار اقوام (بلا حکمران) اور بادشاہوں سے واسطہ پڑا۔ شرقی کوہستانی قبائل کے بادشاہ ابی سارس کا ذکر تو پہلے آچکا ہے (دیکھئے فصل ۳۴) ان کے علاوہ سرائیکی وطن کی مفصلہ ذیل اقوام اور اشخاص سے اس کا واسطہ پڑا۔ مَلی قوم۔ آکسی ڈرائیکی۔ آباستانی۔ ژتھری۔ اوسادینز۔ سلطنت میوزی کینس کا بادشاہ گورنر آکسی کینس۔ شاہ سمبوکس (غربی کوہستانی قبائل کا بادشاہ) سلطنت پوٹالہ کا بادشاہ۔ ایرابٹیا کا خود مختار قبیلہ۔ اور پیٹالی کا خود مختار قبیلہ اور گیدرسیا کی قوم یعنی کرانی قوم۔

۳۶۔ قدرت جب تاریخ کو دُھرانے کا ارادہ کر لیتی ہے تو اس سے پہلے تاریخ کے انکشاف کے وسائل پیدا کر لیتی ہے!

وادیٔ سندھ، یعنی سرائیکی وطن کی تاریخ کے اسرار کو عریاں کرنے میں نہروں کے وسیع نظام اور ریل کی پٹڑیوں کے جال اور اُن کے نیچے سے گذرنے والی سیلابی گذرگاہوں نے بڑی مدد دی ہے۔ یہ تمام کچھ گذشتہ ایک صدی میں ہوا ہے۔ اور جنرل کنگھم جیسے مخلص جغرافیہ دانوں اور مؤرخین کو ان وسائل کی سہولت مہیا نہ ہو سکی۔ اس لئے ان کی بعض توضیحات قابلِ تحسین تو ہیں مگر اب قابلِ تسلیم نہیں رہیں بعض جگہ ان توضیحات میں ایسی صریح فروگذاشت پائی گئی ہے۔ جن کی نشاندہی قارئین کیلئے باعثِ دلچسپی ہوگی؛

Scanned by CamScanner

پیشتر اس کے کہ موضوع پر مفصّل عرض کروں، قارئین کو مغربی پاکستان کا نقشہ دیکھکر
فوراً عیاں ہو جاتا ہے کہ وادیٔ سندھ کے میدانی حصّے دراصل تین ہیں پہلا وادیٔ بالا یعنی
پنجاب کا میدان از دامن کوہِ ہمالیہ تا دامنِ کوہِ سُلیمان، دوسرا وادیٔ زیریں یعنی سندھ کا
میدان از کوہِ سُلیمان تا کیرتھر۔ دوسرا حصّہ پہلے سے چھوٹا مگر ہم شکل (پروٹوٹائپ) ہے
دونوں میدان تکونی شکل کے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بہاول پور کا میدان تنگنا ئے
(کاریڈور) کی صورت میں ہے۔ تقریباً دو سو میل لمبا اور پچاس میل چوڑا۔ جیسا کہ فصل
۲۳ میں اوپر کہا گیا ہے۔ وادیٔ سندھ کے اس تین حصّوں والے میدان میں، بعض علاقے
ایسے ہیں، جہاں صرف ایک دریا از جنوب تا شمال و مشرق تا غرب ہٹ گیا ہے
اور اس لیئے اس کے چھوڑے ہوئے بے آب و گیاہ صحرا ایں اپنے تمام نشانات
اس طرح موجود ہیں۔ جیس طرح فوٹو گرافی کی نیگیٹو پلیٹ پر عکس قائم رہ جاتا ہے۔ اسی ضمن میں
ستلج۔ چناب اور دریائے سندھ کے جنوب کا چھوڑا ہوا سالم علاقہ، بہاول پور کا میدان
خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ سندھ پار کے اضلاع جیکب آباد، سکھر، لاڑکانہ اور دادو
بھی اسی ضمن میں آتے ہیں، جہاں ابھی تک سندھ نہیں پہنچا۔ پنجاب کا پورا بیچ دوآب
خصوصاً ضلع سرگودھا بھی جغرافیائی تاریخ کی فوٹو گرافک پلیٹ ہے۔ جس پر دریائے جہلم
کی پوری تاریخ از ہمالیہ تا خوشاب منعکس ہے۔ یہی خصوصیت موجودہ سندھ ساگر
دوآب میں دریائے سندھ کے چھوڑے ہوئے صحرائے تھل کے اضلاع میانوالی اور
مظفر گڑھ میں ہے۔ رچنا دوآب کے اضلاع لائل پور اور جھنگ میں اور لبست باری دوآب
کے اضلاع ساہیوال اور ملتان میں صورتِ حال کچھ اس طرح کی ہے کہ ایک بار تصویر
لیئے ہوئے نیگیٹو پر دوبارہ کسی اور جگہ کی تصویر لے لی جائے۔ اوّل الذکر میں دریائے جہلم

Scanned by CamScanner

اور دریائے چناب کے پُرانے راستے ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہیں۔ مگر دونوں کے جنوب، جنوب مغرب سے جنوب مغرب کے رُخ چلنے کے آثار نمایاں ہیں اور ایک چیز واضح ہے کہ ان کا مقام اجتماع (رنوڈل پوائنٹ) شورکوٹ ہی تھا۔ جس کے قریب آج بھی شمال میں جہلم اور چناب کا تریموں پر سنگم ہے، جو میری رائے میں جنوب سے شمال کو ہٹ آیا ہے۔ آخر الذکر میں، یعنی ساہی وال میں جہلم کے کے پیچھے چناب اور اُن کے پیچھے بیاس اور ستلج دوڑتے رہے ہیں۔ اور تہہ بہ تہہ ایک کے اوپر اپنے آثار چھپائے پڑے ہیں۔ ضلع ملتان میں سندھ کے پیچھے چناب، چناب کے پیچھے راوی اور بیاس اور ستلج علی الترتیب ایک کے اوپر دوسرا پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ضلع ملتان کی میلسی اور لودھراں تحصیلوں میں چٹ ڈین کے علاقہ میں پچاس سال نہر چلنے کے بعد بھی جلات کا پانی کھاری ہے۔

۲۷ - کوہِ سلیمان کے دامن کیساتھ پنجاب کے مقام عیسےٰ خیل سے سندھ کے مقام سہوان اور ٹھٹھہ تک ایک طویل دریا کے وجود کا تذکرہ

آئینِ اکبری کے نام نہاد سندھ پار کے غربی علاقے "بیرون پنجند" یں اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان اور ڈیرہ غازی خان میں ازمنہ قدیم کی صورت حال ہُو بہُو محفوظ ہے ڈیرہ اسماعیل خان کے پہاڑپور کے نام چشمہ سے نکلی ہوئی بلوٹ لودھیاں

کے قریب بہتی ہوئی پہاڑپور نہر سے نکلنے والے چھوٹی نہروں کی ترتیب اور ان سے دو طرفہ آبپاشی کا نظام صاف ظاہر کرتے ہیں کہ کسی زمانے میں دریائے کرم دریائے سندھ سے علیحدہ رہ کر یہ بتیس میل لمبا اور دس میل چوڑا۔ بچا ہوا مسطح میدان بنا گیا تھا۔ جو اب غرب کی طرف بڑھ آنے والا اعظیم دریائے سندھ دریا بُرد کرتا جا رہا ہے اور ڈیرہ اسماعیل خان تک چالیس میل لمبے علاقے میں یہی حالت ہے۔ دریائی آثار کی یہی حالت ضلع ڈیرہ غازی خان کی ڈیرہ غازی خان، جام پور اور راجن پور کی تحصیلوں میں بھی ہے۔ وہاں بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ قدیم میں پانچہزار سال پہلے جب سندھ ملتان کے غرب میں اور ہڑپہ کے شرق میں چلتا تھا۔ اس زمانے سے سکندر اعظم کے زمانہ تک کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت عیسیٰ خیل سے لے کر جہاں دریائے کرم درۂ تنگ پر بنوں کے ضلع سے باہر میدانی علاقہ میں ضلع میانوالی میں آنکلتا ہے۔ کوہِ سلیمان کے دامن میں اضلاع میانوالی ڈیرہ اسماعیل خان ڈیرہ غازی خان۔ مظفر گڑھ۔ بہاول پور۔ رحیم یار خان۔ جیکب آباد۔ لاڑکانہ اور دادو میں سیہون کے قریب کی جھیل منچھر تک ایک دریا، دریائے کرم۔ ٹانک زم۔ گومل۔ گنڈال۔ وہوا۔ سانگھڑ۔ سوری۔ وڈور۔ مٹھادن۔ کاہا۔ چاچڑ۔ شورن اور سوتی اور دیگر متعدد رود کوہیوں پر مشتمل ایک دریا بہتا تھا۔ جس میں کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے دریائے لہری۔ تلی۔ ناری۔ بولان۔ سکھلیجی۔ مولہ اور باران آپڑتے تھے اور یہ سب مل کر جھیل منچھر میں پڑ کر اور پھر دریائے آرال کی صورت میں نکل کر حیدرآباد اور کوٹڑی کے درمیان بہہ کر ٹھٹھہ اور بھمبھور کے سامنے عربوں کے وقت کے چچ نامہ کے بتلائے ہوئے ساکرے نالہ کی صورت میں (صفحہ ۱۵۴) بہہ کر سمندر میں جا پڑتا

تھا۔ اسی نالے کے راستے محمد بن قاسم کی منجنیقیں دیبل سے نیرون پہنچی تھیں تحصیل ڈیرہ غازی خان کے مقام شادان لنڈ سے لے کر تحصیل جام پور کے مقام داجل کے سامنے تک ایک پرانے دریائی راستے کے آثار ہیں۔ دریائے سندھ ابھی تک اس سے پانچ سے دس میل دور شرق میں ہے۔ اسی حدود کے اندر اس نشیب کے شرقی کنارے سے موجودہ دریائے سندھ تک ایک مسطح میدان میں نہروں کا نظام دو طرفہ آبپاشی کرتا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ یہی پرانا دریائی راستہ اسی میدان کو زمانہ قدیم سے سیراب کرتا تھا۔ اس نشیب کے کنارے ایک مشہور قدیم شہر کا کھنڈر پڑا ہوا ہے۔ جسے راجہ دلورائے کا ٹبہ کہتے ہیں۔ اس سے دو میل قریب شرق میں جام پور کا شہر ہے۔ دلورائے بھی جام دلورائے کہلاتا تھا۔ یہ سندھ کے حکمرانوں کا خطاب تھا۔ موجودہ صوبہ سندھ میں ایک روایت مشہور ہے جس کا ذکر تاریخ سندھ کے مصنف سید ابوظفر صاحب ندوی (رفیق دار المصنفین) شائع کردہ مطبع معارف اعظم گڑھ میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے دیا گیا ہے۔ سومرہ خاندان کے مختلف حکمرانوں کا ذکر کرتے معنف صفحہ ۳۰۷ تا ۳۱۰ پر یوں رقمطراز ہے۔

"تحفۃ الکرام کے مصنف نے حکمرانوں کے سلسلہ میں دلورائے نامی ایک حاکم کا اضافہ کیا ہے جو فہرست مندرجہ بالا میں نہیں ہے۔ اس نے صاف طور پر یہ بھی تحریر نہیں کیا ہے کہ وہ کب تھا۔ یا کس وقت تک اس کی حکومت رہی۔ لیکن اس کے ایک جملہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ دلورائے غالباً عمر سے پہلے تھا۔ راجہ دلورائے کی حکومت شمال میں ڈیرہ غازی خان اور جنوب میں موجودہ حیدر آباد کے قریب تک تھی۔ اس کا پایۂ تخت ازور تھا، جو آجکل ایک معمولی قصبہ ہے۔"

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھونگر دوم کے آخری عہد یا حفیف دوم کے زمانہ میں اس نے ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا۔ ہر تاجر جو اس کے ملک سے گذرتا اس کا النصف مال لے لیتا۔ اسی طرح خوبصورت عورت بھی اس کے ہاتھ سے نہ بچتی کہتے ہیں کہ ایک تاجر (یا شہزادہ بہ لباس تاجر) حج کی نیت سے اس ملک میں وارد ہوا۔ جس کا نام سیف الملوک اور اس کی بیوی بدیع الجمال تھی، دلورائے نے اس کی بیوی کو چھین لینا چاہا۔ تاجر بہت پریشان ہوا اور تین دن کی مہلت طلب کی۔ اس نے دعا و زاری کے ساتھ تدبیر و زر سے بھی کام لیا۔ مشہور ہے کہ مایوس آدمی کبھی کبھی مافوق الفطرت کام بھی کر بیٹھتا ہے۔ سیف الملوک نے بھی ایسا ہی کیا۔ کہ کثیر دولت خرچ کر کے بیشمار مزدوروں کے ذریعہ ایک رات میں پہاڑ (ٹیلہ) کھود کر اتنا راستہ بنا لیا جس سے کشتی نکل سکے۔ چنانچہ وہ اس پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ اس نے چلتے وقت ایک پشتہ بھی بنوایا۔ جس سے وہ ندی جو اروڑ کے پاس بہتی تھی اس کا رخ دوسری طرف ہو گیا۔

دلورائے کو جب معلوم ہوا۔ تو اس نے سیف الملوک کو گرفتار کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ناکامیاب رہا۔ دلورائے کے ظلم سے تاجروں کی آمد بند ہو گئی۔ ادھر دریا کا رخ بدل جانے سے جو زراعت کو نقصان پہنچا وہ بہت ہی تباہ کن تھا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد شہر میں خاک اڑنے لگی۔ لوگ اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے گئے آخر یہ شہر ویران ہو گیا۔ دلورائے بھی وہاں سے برہمن آباد چلا آیا۔ برہمن آباد کا اصل نام "بم ہن وا" ہے۔ آجکل یہ ضلع نواب شاہ میں ایک ویران جگہ ہے جو منجو ڈارد تعلقہ میں واقع ہے۔ ابھی کو برہمن آباد کا ویرانہ سمجھتے ہیں۔ تحفۃ الکرام میں اس کا نام بھانبڑا

لکھا ہے۔

دودائے کا ایک چھوٹا بھائی جس کا اصلی نام امرانی (امرادین) تھا۔لیکن پیار سے لوگ اس کو چھوٹا (چھوٹو) کہتے تھے۔ وہ اسی کے ساتھ رہتا تھا۔ سوا سو برس سے زیادہ ہوا کر سندھ میں سنیوں کی اعلےٰ حکومت چلی آرہی تھی۔ بھکر (منصورہ) جو برہمن آباد سے بہت نزدیک واقعے ہے۔ یہاں سُنّی خاندان، صاحب علم ہمیشہ سے رہتے تھے۔ غالباً انہیں لوگوں کے فیضِ صحبت سے امرانی متاثر ہوا۔ اور چھوٹی عمر سے اسلام (سنّی مذہب) کی طرف مائل تھا۔ چنانچہ دوسرے شہر (غالباً بھکر منصورہ) جاکر اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اور حافظ ہوکر واپس آیا۔ اس کے گھر والوں نے اس کو شادی پر مجبور کیا۔ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا کہ یہ تو ملکِ عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کریں گے۔ غالباً یہ بات اس کے دل میں کھب گئی۔ امرانی حج کے لئے چلا گیا۔ اور وہاں پہنچ کر غالباً اس کی تلاش کی۔ ایک دن کسی مکان پر ایک عورت قرآن پڑھنے میں مشغول تھی۔ یہ کھڑا ہو کر سننے لگا، اس عورت کے دریافت کرنے پر تجویدِ قرآن سیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ اس نے کہا میں نے تجوید فلاں عورت سے حاصل کی ہے۔ تم اگر چاہتے ہو تو زنانہ لباس بدل کر میرے ساتھ چلو۔ امرانی دوسرے دن اس کے ساتھ گیا اور پھر روزانہ وہاں جاکر تعلیم حاصل کرنے لگا۔ ایک دن کوئی عورت آئی اور اس نے اپنی لڑکی کیلئے، جس کی نسبت قرار پا چکی تھی معلمہ سے سعد اور نحس دریافت کیا۔ جس میں اس کو مہارت حاصل تھی۔ عورت کے جانے پر امرانی نے معلّمہ سے کہا کہ تم دوسروں کا ستارہ دیکھتی ہو۔ خود اپنا بھی تو دیکھو۔ چنانچہ اس نے دیکھ کر کہا کہ میری شادی کسی سندھی سے ہو گی۔ اس نے پوچھا کب۔ جواب دیا کہ

بہت جلد۔ امرانی نے سوال کیا کہ کس شخص سے۔ اس نے استخراج کرکے کہا کہ تم سے۔

معلمہ نے اس کو تاکید کردی کہ کل سے وہ نہ آئے اور میرے ماں باپ سے جاکر میرے ساتھ شادی کا پیغام دے۔ چنانچہ وہ شادی کرکے اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا۔ اور برہمن آباد میں رہنے لگا۔ امرانی بڑا نیک بخت اور پارسا تھا۔ دلورائے کو برابر نصیحت کرتا رہتا۔ اور نیکی کی طرف مائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ لیکن دلورائے اپنی بدچلنی سے باز نہ آتا۔

ایک دن کسی نے امرانی کی بیوی فاطمہ کے حسن کی بڑی تعریف کی۔ دلورائے نے موقع تاک کر جب کہ امرانی گھر میں موجود نہ تھا۔ فاطمہ کے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ جب وہ گیا، تو امرانی کو بھی خبر لگ گئی وہ بھی پہنچا۔ اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے باہر نکل گیا۔ اور اس نے اعلان کرادیا کہ دلورائے کی شامت اعمال سے یہ شہر دھنس جائے گا۔ آخر تیسری رات کو جب کہ لوگ میٹھی نیند میں مست تھے، زلزلہ سے یہ شہر زمین کے اندر دھنس کر ایسا برباد ہوا کہ بجز ایک مینار کے کوئی چیز زمین پر نہ رہی۔

غرض حاکم و محکوم سبھی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اور غالباً دلورائے کا خاتمہ بھی اس کے ساتھ ہوا۔ ضلع تھرپارکر میں ایک پہاڑ کارونجھر ہے، جو غالباً کسی زمانہ میں آتش فشاں تھا۔ یہاں اکثر زلزلہ اب بھی آتا ہے۔ اس کا اثر کبھی کبھی دور تک ہوتا ہے۔ سانگھڑ کا علاقہ اسی ضلع میں شامل ہے۔

مسٹر لیمبرک نے اپنی انگریزی "تاریخ سندھ" میں صفحہ ۷۹ پر اس کا ذکر کیا ہے غالباً ان کا قیاس درست ہے کہ دلورائے کا اصل وطن جام پور تھا۔ کیونکہ عین سامنے کوہِ سلیمان

کی دوسری طرف کوئٹہ ڈویژن کی بارکھان تحصیل ہے۔ جسمیں ۱۹۶۶ء میں ایک قیامت خیز زلزلہ آیا تھا۔ ڈیرہ غازی خان کی تحصیل میں آج بھی ایک "دوسرا شہر کوٹ چھٹہ کے نام سے مشہور ہے۔ اوراسی دریائی نشیب کے کنارے پر دلورائے کے ٹبہ سے دس میل دور شمال میں ہے۔ غالباً یہی شہر دلورائے کے بھائی چھوٹو کے نام پر موسوم ہے۔ اس علاقے میں ایک قوم آج بھی امرانی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چھوٹو کا اصلی نام تھا۔ اسی گردونواح میں دلورائے کے ٹبہ سے ۴ میل دور موجودہ جام پور شہر سے ۲ میل شرق کی طرف شیرو نام کا قصبہ ہے۔ غالباً انہی دو کی نسبت سے آئینِ اکبری کا بیان کردہ بیرون پنجند کا محال جمشیرو ہے۔"

میرے طویل اقتباس کا منشا یہ ظاہر کرنا تھا کہ قدیم زمانہ میں سندھ کی حکومت پہاڑپور ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، سے حیدرآباد اور ٹھٹھہ تک اسی سلیمانی دریا کے کنارے۔ اور اس کے سہارے چلی جاتی تھی۔ یہ خود بخود ایک ثبوت ہے کہ زمانۂ قدیم میں دریائے سندھ کے علاوہ ایک دریا ڈیرہ غازی خان سے حیدرآباد تک چلا جاتا تھا۔ جیساکہ میں نے اپنے نظریہ میں ظاہر کیا ہے۔ اور دوسرا منشا یہ تھا کہ ایسے چھوٹے دریا کو سردی کے موسم میں جب کہ پانی کم ہوگا، کسی مقام پر جہاں دو شاخہ ہو، دلورائے کے شہر سے بند کے ذریعے موڑ کر دوسری شاخ میں ڈال دینا ممکن تھا۔ جیساکہ سیف الملوک کا کرلینا اس روایت میں بتایا گیا ہے۔

پانچہزار سال پہلے سے لیکر آج تک جب کہ سندھ، ہڑپہ کے قریب شرق سے غرب کی طرف ہٹتا چلا آیا تھا۔ وہ اپنے غربی کنارے سے اسی دریا کی طرف اپنی شاخیں بھیجتا رہتا تھا۔ جو اس کی کم آبی کو سردی اور گرمی میں تقویت دیتی رہتی تھیں۔ راقم کو ایک عمر رسیدہ

Scanned by CamScanner

شخص نے ٹبہ دلورائے کے کھنڈر کے معائنہ کے وقت اپنی خاندانی روائت بتلائی تھی کہ اس کے باپ دادا کہتے تھے کہ اس لنشیب کے کنارے کسی کھدائی کے دوران ایک لکڑی کا بوسیدہ تختہ برآمد ہوا تھا جس میں تانبے کی لمبی کیلوں سے دو حصّوں کے جوڑ کو باندھا گیا تھا۔ غالباً یہ کشتی کا ٹوٹا ہوا تختہ تھا جو امر اس دریا میں ہمہ وقت، پورا سال، کشتی رانی کا ثبوت بھی ہے۔

میرے اس نظریہ کی دوسری مضبوط دلیل چچ نامہ کے وہ الفاظ ہیں جو نیرون پہنچنے پر محمد بن قاسم کی بارش کیلئے دعا کے متعلق کہے گئے ہیں (دیکھیئے چچ نامہ صفحہ ۱۵۶) نیرون پہنچنے پر بردسی کے میدان میں ابھی مہران کا پانی نہیں پہنچا تھا۔ چچ نامہ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ساکرے نالہ میں جس کے کھاری آبِ رواں پر سمندر سے نیرون کوٹ تک منجیقیں لائی گئیں تھیں۔ مہران کے میٹھے پانی کی معاون شاخیں پینے کا پانی ابھی تک نہیں لائی تھیں۔

اس طرح ثابت ہو گیا کہ وادیٔ سندھ میں قدیم زمانہ میں دو دریا تھے ایک دریائے سندھ جو شرق کی طرف ہڑپہ کے قریب عرب میں بہتا تھا۔ اور مہران کہلاتا تھا۔ کوہ ہمالیہ کے پانچ دریا ستلج، بیاس، راوی، چناب اور جہلم، مروٹ کے مقام پر ایک دریا بن کر ڈیراور کے مقام پر اس کے معاون بن جاتے تھے۔ یہ دریا شرقی نارا کی صورت میں رن کچھ میں جا پڑتا تھا۔ ایک دوسرا دریا کوہ سلیمان کے دامن کے ساتھ عیلیے خیل سے سہوان اور ٹھٹھہ تک بہہ کر سمندر میں علیحدہ جا پڑتا تھا۔ شرقی دریا، دریائے سندھ پانچ ہزار سال پہلے اصحاب الرس کے ابتدائی زمانہ میں ایک عظیم زلزلہ کے نتیجے میں اور پھر قانونِ عزب ردی کے تحت مسلسل مد اپنے

معاونوں کے شرق سے غرب اور شمال کی طرف ہٹتا گیا۔ اور اپنی گولائی کو تنگ کرتا گیا۔ حتیٰ کہ سکندر اعظم کے وقت تک غالباً اس غربی دریا کو درمیان میں قطع کر دیا۔ اوپر والا حصہ آرسٹو بوھفرا کے مقام پر دریائے سندھ کا معاون بن جاتا تھا۔ اور یہی حالت عربوں کے وقت تک یعنی چھ سو سال بعد تک قائم رہی جس کا ذکر ابن حوقل نے بھی کیا ہے۔ (صفحہ ۲۲۲-۲۲۳- تاریخ سندھ۔ ندوی) وہ کہتا ہے کہ ملتان سے تین دن کی مسافت پر ایک دریا سندرود ہے۔ جو ملتان اور لسمد (ادچ؟) کے درمیان سندھ میں گرتا ہے۔ اسی دریا کا نچلا حصہ کچھ دور نیچے آزلیکا کے مقام کے نیچے دریائے سندھ کی شاخ بن کر پھر اپنے راستے پر موجودہ ضلع رحیم یار خان۔ جیکب آباد۔ لاڑکانہ کے رخ چل پڑتا تھا۔ یونانی جغرافیہ دان ٹالمی کا ۱۵۰ء میں تیار کردہ نقشہ اس کی وضاحت کرتا ہے (دیکھئے انگریزی تاریخ سندھ مصنف لیمبرک۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد صفحہ ۱۴۴-اور ۱۴۵ کے درمیان)

۳۸- ٹالمی کا ۱۵۰ء کا تیار کردہ نقشہ شمال مغربی ہند یعنی وادیٔ سندھ، سرائیکی وطن کی تاریخ کی اہم دستاویز ہے

قارئین اگر دریائے سندھ کی سکندر اعظم کے وقت سے اب تک تقریباً اڑھائی ہزار سال میں پہنچی ہوئی موجودہ کوہ سلیمان کے متوازی اس کے سلامی دار دامن کی ایڑھی کے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً حالت کو ٹالمی کے نقشہ سے مقابلہ کریں تو واضح

ہو جائے گا۔ کہ طول بلد اور عرض بلد اور عرض بلد کے لحاظ سے ۱۵۰ میں دریائے سندھ جنوب مشرق کی سمت میں صحرائے تھل کے اوپر ملتان اور کہروڑ تک پہنچتا تھا۔ اور عرض بلد ۳۰ پر مشرق سے غرب کی طرف آتے ہوئے چناب کو پنٹا گراما کے مقام پر مل جاتا تھا۔ جو پٹالمے کے نقشہ کے مطابق طول بلد ۱۲۱ پر تھا۔ اب تو دریائے سندھ ان آڑھائی ہزار سالوں میں کوہِ سلیمان کے دامن والے دریا کو پار کر گیا ہے۔ سوائے اوپر بیان کردہ بہاولپور کے علاقے کے اور ضلع ڈیرہ غازی خان کے جام پور اور راجن پور کے علاقہ کے ضلع جیکب آباد اور لاڑکانہ ہیں اسی سلیمانی دریا کے پانچ راستے سندھ کے غرب میں ابھی تک محفوظ ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی ایک فصل میں بیان کیا گیا ہے یہ پانچوں راستے موہنجوڈارو کے قریب غرب میں ایک مقام گڑھی خیرو اور گڑھی پر مرکوز ہو جاتے ہیں۔ آج بھی مشہور تاریخی مقام کہروڑ پکا کے قریب شمال میں ایک دریا کے آثار ہیں۔

مشہور انگریز مؤرخ کرنل ٹاڈ نے اپنی تاریخ جیسلمیر میں لکھا ہے کہ پندرہویں صدی کے آغاز میں جیسلمیر کے راجہ کلون نے اپنے باپ کیہر کے نام پر دریائے بیاس کے کنارے یہ قلعہ بنوایا تھا۔ یہ قیاس آرائیاں ٹاڈ جیسے مخلص مؤرخوں کی دلچسپ تو ہیں مگر قدیم زمانہ کی طرف کوئی راہنمائی نہیں کرتیں (ملتان گزیٹیر ۱۹۰۲ء میکلیگن صفحہ ۳۷۱)

میری رائے میں کہروڑ، سکندر اعظم کے وقت کا پنٹا گراما ہے۔ جس سے غالباً اس وقت کا پنجند سنگم مراد ہے۔ کیونکہ آج تک بھی یہ طے نہیں ہو سکا کہ ستلج اور بیاس کو ایک دریا سمجھا جائے یا دو۔ غالباً پٹالمے نے بھی ان کو ایک دریا سمجھ کر پنجاب کے چار دریا تصور کئے۔ اور دریائے سندھ کو پانچواں دریا خیال کیا۔ آئین اکبری

میں بھی سندھ کو پانچواں دریا تصور کیا۔ اور اس کے غرب کے علاقے کو ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان میں بیرون پنجند کہا۔ جس طرح ستلج اور چناب کے جنوب والے علاقے کو بیرون پنجند کہا (دیکھیئے صوبہ ملتان اور صوبہ لاہور کے تذکرے) اسلیئے پٹالمے نے بھی ان کے سنگم پر شہر کا نام پٹنا گرانا رکھ دیا۔ غالباً یہی وہ شہر تھا جس کی تعمیر کا حکم سکندرِ اعظم نے دیا تھا۔ اب مجھ پر دو سوال کیئے جا سکتے ہیں۔ پہلا یہ کہ آیا دریائے سندھ کے مقام کہروڑ پر چناب میں آملنے کے امکانات ثابت ہو سکتے ہیں۔ راقم اپنے مشاہدہ اور دریائے سندھ اور دریائے چناب کی سطح آب کے مطالعہ سے کہہ سکتا ہے کہ ہاں ممکن ہے۔ جیسا کہ اوپر عرض ہوا۔ ابتدائے آفرینش میں دریائے سندھ کالا باغ سے پھر میانوالی تک سیدھا شمالاً جنوباً میانوالی سے جنوب مشرق کی طرف گروٹا۔ اور جھنگ تک آتا تھا۔ اور اس بات کے تھل کے صحرا میں میانوالی اور مظفر گڑھ کے اضلاع میں اسی روش کے دہرائے جانے کے ثبوت موجود ہیں کہ وہ شمالاً جنوباً بھی بڑھتا رہتا تھا۔ اور پھر جنوب مشرق کے رُخ چل پڑتا تھا۔ ملتان کے ضلع مظفر گڑھ میں اس کا ایک نمایاں جنوب مشرقی راستہ نشیب کی صورت میں جس کو واندھڑ کہتے ہیں پڑا ہے۔ جس کو اگر چناب کے پار بڑھایا جائے تو وہ ملتان پر آپڑے گا۔ میرا قیاس ہے کہ سکائی لیکس یونانی امیر البحر جسے ایران کے دارا اوّل نے دریائے سندھ کی تحقیقات پر بھجوایا تھا۔ اسی راستے ملتان پہنچا تھا۔ جسے ہیروڈوٹس نے اس کو کیسی پٹرس کہا ہے۔ البیرونی نے جس کا اصل نام کاشی آپا پورہ کہا ہے۔ ہیروڈوٹس نے اس کو کیسی پیٹرس کہہ کر یونانی تلفظ میں ڈھال دیا تھا۔ (دیکھیئے راقم کی کتاب سکندرِ اعظم اور پٹھان) یہ بھی یاد رہے کہ دریائے سندھ کا پانی چناب کی سطح آب

سے ۳۵ فٹ اونچا ہے۔ اگر مظفر گڑھ یا خان گڑھ کے قریب دریائے سندھ کو
جنوب مشرق کی طرف موڑ دیا جائے تو دریائے چناب کے پار کہروڑ تک پہنچ
سکتا ہے۔ مزید ثبوت کیلئے یہ امر کافی ہے کہ چشمہ جہلم۔ تریموں۔ سدھنائی۔
کچا کھوہ، ٹھٹھنگی اور میلسی بہاول لنک کہروڑ کے علاقے کو بھی دریائے سندھ کے
پانی سے سیراب کرے گا۔ اب وہ ستلج سے سیراب ہو رہا ہے۔ اب مجھ پر دوسرا
سوال یہ ہوگا کہ میں نے پٹنا گراما کو ضلع ملتان کا موجودہ شہر کہروڑ کیوں تصور کرلیا۔
میرے پاس چند قیاسی دلیلیں تو ٹپالمے کے نقشہ پر مبنی ہیں۔ نقشہ کو دیکھیں تو ستلج
اور بیاس کے سنگم کے نیچے ٹپالمے نے ایک شہر لوموسے دکھایا ہے۔ میری رائے
میں یہ موجودہ شہر کہروڑ کی شرقی طرف والا موجودہ شہر میلسی ہے۔ جو لوموسے سے
بگڑ کر میلسی ہو گیا ہے۔ اور میلسی کے سامنے ضلع بہاول پور کی تحصیل حاصل پور کی
تحصیل حاصل پور کے قائم پور شہر کے قریب ایک بہت بلند و بالا ٹبہ پڑا ہے۔ جو ان
قدیم ایام کے دریا کے جنوبی کنارے پر تھا۔ اس کو رائے کا ٹبہ کہتے ہیں۔ غالباً یہی
لوموسے تھا۔ میری دوسری دلیل اس سے بھی مضبوط تر ہے۔ پٹنا گراما کے اتصال
سے ذرا نیچے ٹپالمے نے ایک شہر آسی گراماد کھایا ہے۔ میری رائے میں ضلع بہاولپور
کے اندر موجودہ مقام سوئی دہاڑ سے تین میل جنوب میں زنگ پور ہے۔ جو کہروڑ کے
عین جنوب میں موجودہ ستلج کے جنوب میں ہے۔ اس کی تائید میں ٹپالمے کے نقشہ سے
بڑی مضبوط تائید ہو جاتی ہے۔ ٹپالمے نے آسی گراما سے ایک شاخ جنوب
مشرق کے رخ کوہ بندھیاچل (کوہ اداندین) کی طرف جاتی ہوئی دکھائی ہے بعض
مؤرخین اور جغرافیہ دانوں نے جو حالات موقعے سے واقف نہ تھے۔ اس کو کوہ بندھیاچل

Scanned by CamScanner

سے آتا ہوا سندھ کا ایک معاون تصوّر کیا ہے۔ دراصل یہ چولستان بہاولپور میں پڑے ہوئے مردٹ کڑ والا کے درمیان پانچ ہزار سال پرانے دریائے ستلج اور دریائے چناب کے قدیم راستے میں دریائے گھاگرا کا بہہ کر آنے والا پانی اس وقت کے (۱۵۰ء) دریائے سندھ میں آنی گراملکے مقام پر پڑتا ہوا دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں دریائے سندھ موجودہ مقام اسرنی کے قریب سے گزر کر ڈیرہ اڈہ تک بہتا تھا۔ اس کا مفصّل ذکر اوپر کی فصل ۳۰ میں آچکا ہے۔

مسٹر لیمبرک کا بھی یہی خیال ہے (دیکھئے انگریزی تاریخ سندھ لیمبرک صفحہ ۱۴۰) اب اس کی دوسری وضاحتی دلیلیں پیش کرتا ہوں۔ خدا جانے ٹپالمے نے اپنے نقشہ میں طول بلد کا زیرو (صفر) کہاں قائم کیا تھا۔ اس کے دیئے ہوئے نقشہ میں پیتا گراما کا (یعنی کہروڑ کا) طول بلد ۱۲۲ دیا ہے۔ جبکہ موجودہ جغرافیائی نقشہ میں گرینویچ کو صفر تصوّر کرتے ہوئے کہروڑ پکا کا طول بلد ۷۲ درجہ ہے۔ یعنی ۵۰ درجے کم لیکن اس کا عرض بلد جو خطِ استوار سے شمار ہوتے ہیں۔ جو ہر زمانے میں تقریباً یکساں ہونے چاہییں ۲۹،۳۵ ہے جبکہ ٹپالمے کے نقشہ میں ۳۰ ہے، جو قریب قریب درست ہے۔

میں نے اسی سلسلہ میں ٹپالمے کے نقشہ میں دیئے ہوئے شہر آرسٹو بوتھرا کے متعلق قیاس آرائی کی ہے کہ یہ موجودہ شہر اوچ ہے۔ ٹپالمے نے اپنے نقشہ میں آرسٹو بوتھرا کے غرب میں ایک سلسلۂ پہاڑ غرب کی طرف جاتے ہوئے دکھایا ہے اس کا نام اس نے کوہ بیطان رکھا ہے۔ قارئین اگر پنجاب اور سرحد کے نقشہ کا ملاحظہ کریں تو کوہِ سلیمان۔ پارہ چنار، بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان سے شمالاً جنوباً

سمت میں آتا ہوا۔ ڈیرہ غازی خاں کے مقام روجھان پر شمال مغرب کی سمت بستی اور درّہ بولان کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اور پھر قلات اور مکران میں چلا جاتا ہے۔ کوہِ سلیمان کے اسی شمال مغربی رُخ جانے والے سلسلۂ کوہ کو ٹپالمے نے کوہ بیطیان دکھایا ہے (میری رائے میں اسی حصۂ کوہ سلیمان کو بچ نامر کے صفحہ ۱۹ پر کوہ پاپا بتایا ہے) شمالاً جنوباً حصے کو اس نے وضاحت سے نہیں دکھایا۔ مگر اس حصۂ کوہ سے نکلتے ہوئے دریائے کرم، ٹانگزوم، گومل اور اس کے معاون دریائے ژوب اور کم و بیش سارا سال مستقل چلنے والی دہووا، سانگھڑھ، اور کاہا کی ندو کو ملیوں پر مشتمل ایک دریا کو آرستو بوتھرا کے قریب سندھ کا معاون بنتے دکھایا ہے۔

یہ تو تھا جغرافیائی ثبوت کہروڑ کو نپٹا گراما تصوّر کرنے کی تاریخ سے بھی دراصل اس کی شہادت مہیّا ہو جاتی ہے۔

۳۹۔ سکندرِ اعظم کی آمد (۳۲۶ ق م) سے لیکر بکرما جیت کے بیٹے کی شکست (۶۰۶ء) تک وادی سندھ (سرائیکی وطن) کے سیاسی ردّ و بدل کی تفصیل

ذیل میں سکندرِ اعظم کی ۳۲۶ ق.م میں آمد سے لے کر ۱۵۰ء تک جب کہ ٹپالمے نے اپنا نقشہ تیار کیا مفصلہ ذیل تاریخی ردّ و بدل ہوئے:۔

۱۔ یونانی دور :۔

سکندرِ اعظم کی از مقدونیہ تا وادئ سندھ پیش قدمی تاریخِ انسانیت کا سنگِ میل تھی۔ سکندرِ اعظم ۳۲۶ ق م میں وادئ سندھ میں آیا۔

۲۔ موریا دور :۔

سکندرِ اعظم کے جانے کے بعد موریا گپتا کی سلطنت ۳۲۱ ق م وادئ سندھ میں قائم ہوئی۔ موریا گپتا مگدھ (جنوبی بہار جہاں مہاتما بدھ مبعوث ہوئے) کے نندا حکمرانوں کا رشتہ دار تھا۔ اور نندا خاندان کو یونانی مؤرخین نے شدرا ذات کا کہا ہے۔ یعنی وادئ سندھ کی شدرا کا قوم جس کو ایرین نے اکسی ڈرائیکی کہا ہے۔ جو ہڑپہ اور ملتان کے درمیان رہنے والی ملی قوم کے جنوب مغرب کے ہمسایہ حلیف تھے۔ اوچ کو ان کا علاقہ کا مرکز سمجھا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رہے کہ مہاتما بدھ کا ساکیا خاندان بھی وادئ سندھ کے شمال سے نقل مکانی کرکے بہار کی طرف چلے گئے تھے۔ جہاں گوتم بدھ کپل وستو میں ۵۶۷ ق۔م میں پیدا ہوئے اسی تعلق سے قرآن کریم نے غالباً ان کو ذوالکفل کہا ہے۔ یعنی کپل والے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ایک بڑ کے درخت کے نیچے ان کو نروان حاصل ہوا۔ بڑ کے درخت کا بیج اور پیپل کے درخت کا بیج اور انجیر کے درخت کا بیج یعنی انجیر کا میوہ ایک ہی نباتاتی نسل سے ہیں۔ مگر چھوٹے بڑے۔ بدھ مت آج بھی دنیا کے چار پرانے اور نئے عظیم مذاہب میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ غالباً سورت تین میں اسی مذہب کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قسم ہے بڑ کے درخت کی جس کے نیچے ہم نے اپنے پیغمبرؑ پر وحی بھیجی اور پھر فرمایا قسم ہے۔ جبل زیتون کی جہاں ہم نے

Scanned by CamScanner

عیسیٰ م پروحی پہنچی ۔ وادیٔ سندھ کے سائیکیا خاندان اوراس کے بعد ننداخاندان کا وادیٔ سندھ سے وادیٔ گنگا کے بہار اوراڑلیسہ کی طرف نقل مکانی کرنا ۔ غالباً اس خشک سالی کی وجہ سے ہوا ۔ جس کا اوپر کی فصلوں میں پانچہزار سال پہلے دریاؤں کی الٹ پلٹ سے وقوع پذیر ہونا مفصّل بتایا گیا ہے ۔ جیساکہ بعد میں ذکر آئے گا ملی قوم بھی آہستہ آہستہ بالآخر نربدا کے کنارے کے مالوہ کے اجین میں سے ہوتی ہوئی پاٹلی پتر یعنی پٹنہ جا پہنچی ۔ بہار اوراوڑلیسہ کی قریب سمندر میں جغرافیائی پوزیشن اورآب وہوا وادیٔ سندھ کے ملتان اوراوچ کے علاقے کی پانچہزار سال پہلے کی آب وہوا سے مماثلت رکھتی ہے ۔ نندا خاندان کا فرد موریا گپتا اپنے نئے وطن مگدھ کے پاٹلی پتر (پٹنہ) کے حکمرانوں سے اختلاف کی بناء پر اپنے پرانے وطن میں آچھپا اسی وجہ سے اُسے گپتا کہا گیا ہے ۔ یعنی چھپا ہوا ۔ سکندرِاعظم کے بعد وادیٔ سندھ میں بغاوت ہوئی ۔ موریا گپتا نے اس کا فائدہ اٹھایا ۔ اور نندا خاندان کی سلطنت کے مغربی علاقے یعنی وادیٔ سندھ پہ قابض ہوگیا ۔ ملی قوم ضروراس کی حلیف بنی ہوگی ۔ موریاگپتاکے بعد ۲۷۲ ق ۔م میں اس کا پوتا اشوک تخت نشین ہوا ۔ جس نے بدھ مت اختیار کیا ۔ چونکہ وادیٔ سندھ اشوکا کے خاندان کا ابتدائی وطن تھا ۔ اور بدھ مت کے بانی کا وطن بھی یہی وادیٔ سندھ تھی دین اور سیاست یکجا ہوئی اس لیئے بدھ مت کا رواج خوب پھیلا ، ہوسکتا ہے کہ ٹپالمی کے نقشہ میں دیا ہوا بودیہ اشوکا کا آباد کیا ہوا اور نام دیا ہوا شہر بدھیہ ہو ۔ کیونکہ اشوکا سے پچاس سال پہلے سکندرِاعظم کے وقت چناب اور سندھ کے سنگھم کے نیچے ایک مشہور مقام سوگدیا کا محل تھا ۔ سکندرِاعظم نے پہلے تو چناب اور سندھ کے سنگھم (کہروڑ) پر ایک شہر

Scanned by CamScanner

کے بنانے کا اپنے گورنر فلپ کو حکم دیا۔ اور اُس نے وہاں جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے لئے پختہ گودیاں بھی بنوائیں۔ اور اُمید ظاہر کی کہ یہ شہر دنیا کا مشہور شہر ہوگا۔ اور اس جگہ اس نے یونانی افواج میں سے مناسب تعداد اس علاقہ کے فوجی تحفظ کے لئے چھوڑ دیں۔ یہ یاد رہے کہ سکندر اعظم جیسے نامور جرنیل کی نظر میں یہ ایک اہم مواصلاتی جنکشن تھا۔ جس طرح آجکل کی بڑی لڑائیوں میں ریلوے کے جنکشن کو فوجی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس مقام پر قابض جرنیل ایک طرف تو پورے پنجاب کے پانچ دریاؤں پر دسترس رکھ سکتا تھا۔ اور دوسری طرف دریائے سندھ کے راستے باختریہ تک کے علاقے کے مواصلات تک اس کو دسترس حاصل ہو سکتی تھی۔ یہ امر اس ضمن میں قابل ذکر ہے کہ سکندر کا خسر رخسانہ کا باپ آکسی آرٹیز جو باختریہ کا رہنے والا تھا۔ علاقہ پیرا میسی ڈائی۔ یعنی موجودہ پارہ چنار کے راستے دریائے کرم اور دریائے سندھ کے ذریعہ اسی سنگھم پر اُسے آملا تھا (ایرین صفحہ ۲۰۷) اور علاقہ پارہ چنار کے حالات بیان کئے تھے۔ جس کے گورنر طوری ایس پیز کو معزول کر کے اپنے خسر کو گورنر بنا دیا تھا۔ یاد رہے کہ طوری قوم آج بھی وہاں آباد ہے۔

اس سنگھم سے روانہ ہوتے وقت اپنے جرنیل کریٹرس کو ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کے ساتھ دریائے سندھ کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس طرف ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کا چلنا آسان تھا۔ اور مزید برآں اس طرف کے قبائل ابھی حلیف نہ بنے تھے۔ یہ ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ دریائے سندھ کے دائیں کنارے اس زمانے میں سیلاب کا رُخ رہا کرتا تھا۔ اس لئے وہ علاقہ زیر آب رہا کرتا تھا۔ سنگھم سے روانہ ہونے کے بعد بہت

Scanned by CamScanner

جلد ہی وہ سوگدیا کے محل پر پہنچ گیا۔ غالباً یہی وہ مقام تھا۔ جہاں کے رہنے والے سوئی قوم کے افراد اسے احمد پور شرقیہ کے قریب دریا کے کنارے ملے۔ جس کا ذکر اوپر فصل ۷ اور ۲۷ میں کیا گیا ہے۔ میری رائے میں اس وقت کا موجودہ اوچ (احمد پور شرقیہ سے ۱۴ میل غرب کی طرف) ہی سوگدیا کا محل تھا۔ اور اس کے رہنے والے احمد پور شرقیہ کے قریب دریا کے کنارے اسے آملے تھے۔

ایرین اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۰۷ پر کہتا ہے کہ جب وہ سوگدیا کے محل پر پہنچا تو اس نے وہاں بھی ایک نیا شہر بنوایا۔ اس کو قلعہ بند کیا۔ اور پھر وہ ذکر کرتا ہے کہ اس نے وہاں جہازوں کے لنگر انداز ہونے کے لئے پختہ گودیاں بنوائیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ وہ چناب اور سندھ کے سنگم پر ایک نیا شہر بھی بنوایا، اور پختہ گودیاں بھی یہاں بھی اس نے وہی کچھ دوبارہ بنوایا کیوں؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہاں بھی کوئی دریا، سندھ میں آملتا تھا۔ مورخین اکثر گلہ کرتے ہیں کہ ایرین نے ستلج کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ ستلج کا دریائے سندھ کے ساتھ سنگم تھا۔ احمد پور شرقیہ کا محل وقوع کچھ ایسا ہے کہ یہ شہر دونوں طرف جنوب اور شمال میں پانچ نہروں سے گھرا ہوا ہے (جنوب میں خمیلے، بکھی وار، مائنر۔ محل مائنر۔ قطب واہ، شمال میں بہاول واہ۔ سلطان واہ اور رسول مائنر) یہ نہریں موجودہ نہری نظام کی دریائے ستلج کے متوازی چلنے والی بہاول کینال اور احمد پور برانچ سے ۶۰ میل لمبے محاذ کے مختلف مقامات سے نکلتی ہیں۔ جو اسرانی سے (اسرانی کے مقام کو ذہن میں رکھیں) خود احمد پور شرقیہ کے سامنے شمال تک پھیلا ہوا ہے۔ لیکن یہ تمام نہریں طویل اور قلیل مسافتیں طے کر کے احمد پور شرقیہ کے جنوب میں شمال مغرب کے رخ اور

احمد پور شرقیہ کے شمال میں جنوب مغرب کے رخ ایک قلیل ۶ میل کے محاذ میں مرکوز ہو کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر ان پانچوں نہروں کی ٹیلوں کو اپنے اپنے رخ پر آگے بڑھا دیا جائے تو اوچ سے ۱۰ میل جنوب میں موجودہ چنی گوٹھ کے مقام پر مشہور قدیم دریائے سندھ کی گذرگاہ ترکڑی ڈھورہ میں جا پڑیں گی۔ آپ جانتے ہیں کہ طغیانی کی نہریں اور نئے نہری نظام میں اپنائی ہوئی پرانی نہریں قدیم دریائی نشیبوں کے دائیں یا بائیں کنارے بنائی جاتی تھیں۔ لہذا یہ امر شاہد ہے کہ احمد پور شرقیہ زمانۂ قدیم سے دریاؤں کے کنارے رہا ہے۔ پہلے سندھ پر پھر اس کے پیچھے آنے والے چناب پر اور ممکن ہے کہ اس کے پیچھے آنے والے بیاس پر۔ سکندر اعظم کے وقت تک دریائے ستلج کے بچھڑے ہوئے ہریانوی معاون گھگھر چتر نک وغیرہ اپنا پانی پانچ ہزار سال پہلے چھوڑے ہوئے نشیب میں احمد پور شرقیہ تک لائے تھے۔ ۶۷۶ سال بعد ٹپالمے کے وقت میں غالباً یہ پانی اس وقت کے اُسی گراما تک پہنچتا ہوگا۔ اس لئے سکندر اعظم نے احمد پور شرقیہ کے اس سنگھم پر قلعہ بند شہر بھی بنوایا۔ اور پختہ گودیاں بھی۔ ۶۷۴ سال بعد میں آنے والے ٹپالمے نے اس شہر کو دریائے سندھ کے شرق میں نواگراما دکھایا ہے۔ دریائے سندھ اس شہر کے قریب سے ہٹ کر آرسٹو بوترا یعنی اوچ کے قریب شرق میں جا پہنچا تھا۔ اسی محل سوگدیا یعنی اوچ پر سکندر اعظم کے پچاس سال بعد آنے والے اشوک اعظم نے اپنا پایا تخت قائم کیا۔ جس کو ٹپالمے نے آرسٹو بوترا کہا ہے۔ کہروڑ اور اوچ کے درمیان پرندے کی اڑان ۴۶ میل فاصلہ ہے۔ دریائی راستہ گھوم گھام کی وجہ سے ڈیڑھ گنا سو میل سمجھا جائے۔ ایرین کی تاریخ کے مطالعہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے

Scanned by CamScanner

کرکہروڑ سے کم مسافت پر اگلا پڑاؤ یہی سوگدیا تھا۔

۳:۔ باختری دور

موریا گپتا خاندان کے انجام پر باختریہ میں مقیم یونانی حکمران ڈیمٹرس پنجاب اور افغانستان میں ۱۸۰ ق۔م میں گھس آیا۔ کیونکہ اس کے ایک رقیب یوکریڈس نے ۱۸۵ ق۔م میں اس کا علاقہ باختریہ چھین لیا۔ اسی وقت سندھ کے صوبہ میں ایک اور باختری مینندر ایک معمولی جھگڑا کھڑا کر کے قابض ہو گیا تھا۔ اور ۱۶۰ ق م تک پنجاب تک قابض ہو گیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ رحیم یار خان سے ۲۰ میل دور غرب میں ایک مشہور مقام سیوراہی (راے ساہسی کے چھ قلعوں میں سے ایک) کے متعلق ایک روائت مشہور ہے کہ وہاں کا رئیس مینندر ایک شہزادی مومل پر عاشق تھا۔ اسی روائت میں سندھ کے باختری حکمران کے نام کی صدائے بازگشت ہے (دیکھیے بہاول پور گزیٹر۔ سرواہی)۔

۴۔ ساکا دور

باختریوں کے بعد ۱۳۰ ق م میں مشرقی ترکستان میں رہنے والے ترکی یا منگولین نسل کا ساکا قبیلہ شمال سے کراکرم کے راستے وادیٔ سندھ میں گھس آیا۔ ان کو ان کے قبیلے کے ایک دوسرے حصہ نے جن کو یوچی کہتے ہیں، نکال دیا تھا۔ یہ افغانستان پنجاب اور سندھ پر قابض ہو گئے ۹۰ ق۔م میں ان کا ایک مشہور بادشاہ عیزس تھا۔ پتالمے کے زیرِ نظر نقشہ میں بودیہ کے قریب ہی دریا کے کنارے ازیکا کا شہر دیا ہوا ہے۔ جو غالباً اسی عیزس کے نام پر رکھا گیا ہو گا۔ موجودہ اوچ جس کو ہم آرسٹو بوتھرا سمجھتے ہیں کے قریب ۱۶ میل غرب میں ایک قدیم شہر اتک آباد ہے۔ جس کو سیت پور

کہتے ہیں ۔ اغلب ہے کہ یہ شہر اسی نیتھین قوم کے نام پر مشہور ہوا ہو لبعض مؤرخوں نے ستھی آستان کے شہر کا بھی ذکر کیا ہے ۔ جو بگڑ کر سیت پور ہو گیا ہے ۔

۵ ۔ انڈو پارتھین دور

ہر فرعون را موسیٰ کے مصداق ۶۰ ق م میں ساکا مملکت کے غرب والی پارتھین قوم نے ساکا کو ایران میں للکارا ۔ ساکا حکمرانوں کو مجبوراً وادی سندھ کی افواج کو وہاں سے جانا پڑا ۔ ملتان اور ہڑپہ کے درمیان رہنے والی جنگجو ملی قوم کے تمام قبیلوں نے جس نے سکندرِ اعظم کا مقابلہ کیا تھا اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ۔ اور یکجا ہو کر ساکا پر حملہ کر دیا ۔ اور کہروڑ کے مقام پر ۵۷ ق م میں ان کو شکستِ فاش دے کر ملک سے باہر نکال دیا ۔ سکندرِ اعظم کی نظر میں نپٹا گرایا یعنی کہروڑ کی فوجی اہمیت کا یہ ایک ثبوت ہے (دیکھیئے تاریخ ہند انگریزی مصنف اے ۔ الیف روڈلف ہورنل مطبوعہ ۱۹۰۳ء اوڈلیسہ مشن پریس کٹک) غالباً اسی فتح کی یادگار میں ملی قوم نے سمبت ملا دا جاری کی ۔ جو بعد میں بکرما جیت کی وادی سندھ کے ایک دوسرے غیر ملکی حملہ آور سفید ہن قوم کو ۵۲۵ ء میں شکست دینے کی یادگار میں سمبت بکرمی کہلانے لگی ۔ بکرما جیت بھی ملی قوم سے تھا ۔ جو نربدا کے کنارے مالوہ میں اوجین کا بادشاہ تھا ۔ جس نے صدیوں بعد ۵۱۵ ء میں وادی سندھ کے اس قبیلہ کو غیر ملکیوں پر ایک بار پھر فتح دلوائی ۔ ملتان میں ایک کہاوت درج ہے ۔

ننگل جنہاں دی ڈاڈی سوڈی جنہاں دی ما

مل دے پنج پُتر

بُھٹہ ، نایئے ۔ ڈاہر ، شیجرہ ، لنگاہ

Scanned by CamScanner

یہ امر قابلِ ملاحظہ ہے کہ ملتی قبائل کا شجرہ انہی پانچ سے جاری ہوگا۔ اور اس طرح پورا مغربی پنجاب اور شمال مغربی سندھ کے تمام موجودہ قبیلے تقریباً انہیں کی شاخیں ہوں گی۔

ساکا قوم کی غرب میں پارتھین قوم کے ہاتھوں شکست اور شرق میں یعنی وادیٔ سندھ میں یُو۔چی قوم کے ہاتھوں شکست کے بعد ایک انڈو پارتھین بادشاہت قائم ہوگئی۔ جس کا ایک مشہور بادشاہ گنڈوفارس ہوا۔ جو ۲۰ء میں حکمران بنا۔ یعنی کہروڑ کے مقام پر لڑائی کے ۷۷ سال بعد حکمران ہوا۔ غالباً ڈیرہ اسماعیل خان کا گنڈاپور قبیلہ اسی بادشاہ کی یادگار اولاد ہے۔

۶۔ کشنا دَور

گنڈوفارس، انڈو پارتھین دور کا آخری بادشاہ ثابت ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ۱۶۰ ق م میں ساکا قوم کے ستھین حصہ کو اس کے دوسرے حصہ یوچی نے ۱۶۰ ق م میں (صفحہ ۴۶) ان کے وطن مشرقی ترکستان سے نکال دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں وہ وادیٔ سندھ اور ایران میں گھس آئے تھے۔ اب اسی ساکا قوم کے ایک تیسرے قبیلے نے جس کو دلیفر یا اسئن کہتے تھے۔ اپنے وطن مشرقی ترکستان سے یو۔چی قبیلہ کو مغربی ترکستان میں دھکیل دیا۔ جہاں وہ دریائے آکسس کے دونوں کناروں پر آباد ہوگئے۔ یوچی قبیلہ کے پانچ حصے تھے۔ جن میں سب سے بڑا کشنا قبیلہ تھا۔ اس کے سردار کڈفیس اوّل نے اپنی قوم کے پانچوں قبیلوں کو متحد کرلیا۔ اور افغانستان کو فتح کرنے چل پڑے۔ اور پھر وادیٔ سندھ کی انڈو پارتھین حکومت پر حملہ کردیا۔ اس حملہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے گجرات کے ساکا کے

Scanned by CamScanner

صوبیداروں نے انڈو پارتھین حکومت سے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ ۷۸ء کا ذکر ہے۔ اور اسی سال سے ساکا سمبت رائج ہوئی۔ کڈفسس اوّل نے انڈو پارتھین حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ (غالباً مروٹ اور ڈیراوڑ کے درمیان میں کڈوالا اسی کڈفسس کی یادگار ہوگا) اور اس کی بجائے کشنا سلطنت قائم کر دی۔ مگر یہ سلطنت کشمیر اور پنجاب اور بہاولپور سے آگے نہ بڑھی اوچ سے ۱۴ میل مشرق والے احمد پور شرقیہ سے ۱۲ میل دور مشرق والے سوئی وہیہار کے کتبہ سے پایا گیا ہے کہ یہ وہیہار اسی کشنا خاندان کے راجہ کنشکا کے وقت میں اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد ۱۳۶ء میں تعمیر ہوا۔ اس بادشاہ کے وقت میں کشنا سلطنت کا عروج تھا۔ یہ بادشاہ غالباً ۱۲۵ء میں تخت پر متمکن ہوا۔ اور بدھ مذہب اختیار کر لیا۔ اس تبدیلیٔ مذہب کی یادگار میں اس نے ایک میڈل جاری کیا۔ جس پر گوتم بدھ کی شکل کندہ کر دی گئی تھی یہ میڈل ۱۵۲ء میں جاری ہوا۔ اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ ٹپا لمے کے نقشہ میں وادیٔ سندھ کی جغرافیائی حالت اسی راجہ کنشکا کے وقت کی ہے۔ ممکن ہے کہ کنشکا نے اشوک کے شہر آرسٹوبو تھرا کو اپنے قبیلہ کے نام پر یوچی رکھ دیا ہو۔ جس سے وہ اوچ مشہور ہوا۔ مشرقی ترکستان جہاں سے یوچی آئے تھے اور جو اب روسی ازبکستان کہلاتا ہے۔ آج بھی دو شہر اوچ کرنمان اور اوچ اوچک کہلاتے ہیں۔ تاشقند کا موجودہ شہر ان کے قریب ہے موجودہ اوچ سے ۸ میل شرق کی طرف موجودہ شہر کوٹلہ موسے خان کے قریب ایک بہت بڑا ویران ٹیلہ پڑا ہوا ہے۔ یہ قدیم شہر کا ویرانہ دھمراڑ کا ٹبہ کہلاتا ہے۔ اس ویرانے کے کنارے پر سوئی وہیہار کی شکل کا ایک وہیہار بھی اب تک موجود ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کی نظروں سے دور اس وہیہار کے کچے اینٹوں کے

Scanned by CamScanner

میناز کے درمیان اسی طرح کا کھلا سوراخ ہے جس طرح کہ سوراخ کی تہہ پر سوئی ویہاڑ میں تانبے پر کندہ تفصیلی کتبہ برآمد ہوا تھا۔ مقامی روایت یہ مشہور ہے کہ دھمراؤ کا ٹبہ اور اس سے ۸ میل غرب میں قدیم اوچ اور اس سے ۱۶ میل غرب میں سیت پور مختلف ایام کے اوچ ہیں۔ اس دھمراؤ کا ٹبہ سے ۵ میل جانب جنوب اور احمد پور شرقیہ سے ۵ میل جانب شمال ایک بلند و بالا فصیل دار قلعہ ہے۔ جس کو محمود شہید کہتے ہیں۔ اس کی بلندی پر ایک طویل قبر ہے۔ جو بدھ مت کے زمانہ کی کندہ پتھروں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس سے ۲ میل مشرق میں ایک ویرانہ ہے۔ پختہ اینٹوں کے ملبہ سے پُر۔ جسکو گکڑ ویہاڑ کہتے ہیں۔ اسی ویہاڑ کے ویرانے کے ساتھ اردگرد کھاڑک قوم رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی یادگار ہوں۔ گکڑ دراصل کھاڑک ویہاڑ ہو۔ اسی ویہاڑ کے جنوب میں کوئی ۵ میل پر احمد پور شرقیہ سے ۴ میل شرق میں ایک بہت بڑا ویرانہ ہے، جس کو آپا پورہ کا ٹبہ کہتے ہیں۔ یعنی دریا کے کنارے والے شہر کا ویرانہ، آپا کا سنسکرت لفظ عربی لفظ حیفہ سے مشتق ہے جس کے معنی کنارے کے ہیں اور پورہ کے معنی دریا کے ہیں۔ یہ سنسکرت لفظ، عربی لفظ فرع سے مشتق ہے۔ جس کے معنی گھاؤ یا کھیل کے ہیں۔ دریا بھی ایک گھاؤ ہوتا ہے۔ اس طرح سوئی ویہاڑ کے عین سامنے شمال کی طرف ۵ میل پر ایک اور ویرانہ (موجودہ کلانچ والہ اسٹیشن کے شمال کی طرف) ہے، جس کو بھی آپا پورہ کا ٹبہ کہتے ہیں، میرا قیاس ہے کہ شہر اور ویہاڑ دریا کے مقابل کناروں پر ہوتے تھے۔ یہاں یہ کہ دینا بھی ضروری ہے کہ احمد پور شرقیہ کا شہر خود بھی ایک بلند ویرانہ قدیم پر آباد ہے (بموجب بہاول پور گزیٹیر) جس کو میں نے اس فصل میں اوپر موریا گپتا دور کے

ذکر میں سکندر اعظم کا بنایا ہوا ستلج کے سنگم پر بندرگاہ شہر بتایا ہے۔ جس کو ٹالمی نے اپنے نقشہ میں تواگراما دکھایا ہے۔ گیارہویں صدی میں ادریسی نے اسی سندور کا ذکر کیا ہے۔ جس سے مراد سکندر کا بسایا ہوا نیا شہر ہے۔ جو بعد میں سندور کہلانے لگا۔ احمد پور شرقیہ سے دس میل دور مغرب میں موضع کلاب کے اندر پختہ سڑک کے قریب ایک نشیب کے کنارے پر، جسے داہن کہتے ہیں۔ ایک پرانا ویرانہ (سکھڑ) پڑا ہے۔ غالباً یہی قدیم زمانے کا کلاب تھا۔ جسے بعض عرب مورخین نے غالباً پنجاب کے پانچ دریاؤں کے اتصال پر واقع شہر ودشاب کہا ہے یعنی دریا کا کنارہ۔ اور داہنی سے مراد غالباً داہندہ ہے جو دریائے سندھ کا نام ہے۔ کلاب کی لفظی ترکیب بھی دراصل کلا آب ہے۔ یعنی پانی کا کنارہ کلا سر کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے کلہ پاچہ یہ عربی لفظ کلہ ہے۔ جس سے یونانی لفظ کیلی مراد ہے۔ ایسی ترکیب لفظی یونانی مورخ ایرین کی کتاب سکندر اعظم میں بھی موجود ہے۔ اس نے ایک شہر کو بینی کلائٹس کہا ہے۔ یعنی دریا کے ساتھ والا شہر۔ جنرل کننگھم نے اسے پشاور کا چارسدہ سمجھا ہے۔ مگر میں نے اپنی کتاب، سکندر اعظم اور پٹھان، عرمر اور اعوان، میں اس کو ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کا کم معروف شہر بینیالہ ثابت کیا ہے۔ اسی کلاب کے جنوب میں چولستان کے اندر بارہ میل دور ایک اور پختہ ویرانہ پڑا ہے۔ جو غالباً اسی داہنی کے جنوبی کنارے پر تھا جو وہاں گولائی کھا کر پہنچتا تھا۔ اور پھر شمال اور غرب کی طرف گولائی کھا کر ایک اور قدیم ویرانے کے ساتھ گزرتا ہوا مشہور ترکڑی ڈھورے میں جا پڑتا تھا۔ یہ مقام اتصال اور ویرانہ کلاب سے ۸ میل غرب میں اور موجودہ مقام چنی گوٹھ سے ۴ میل غرب میں ہے۔ چنی گوٹھ خود بھی ایک بلند وبالا

Scanned by CamScanner

فراز پر قدیم شہر معلوم ہوتا ہے، جو اب بھی آباد ہے۔ اسی چنی گوٹھ کے ملحق مشرق میں ایک موضع مہند ہے جس کا آئینِ اکبری میں بھی بیرون پنجند کے محالوں میں ذکر آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں عرب مؤرخ ادریسی کا بنایا ہوا شہر سمند یہی چنی گوٹھ ہے۔ جو آئینِ اکبری کے وقت مہند ہو گیا۔ ادریسی کہتا ہے کہ سندور ایک خوشحال اور آباد شہر ہے۔ جو ایک دریا کے کنارے پر ہے جو دریائے مہران میں سمند کے مقام پر آ پڑتا ہے اس ترکیب تحریر سے مؤرخین کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ سندور اوچ تھا۔ کیونکہ وہ اب دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر ہے۔ اور ستلج پنجند کے مقام پر دریائے چناب میں مل کر چالیس میل دور سندھ (مہران) میں جا پڑتا ہے۔ اور سندور کو وہ سکندر اعظم کا بنایا ہوا شہر سکندریہ سمجھتے ہیں۔ جو اس نے چناب اور سندھ کے سنگم کے اوپر کونے میں بنوایا تھا۔ یہ قیاس دریاؤں کی عادات سے ناواقفیت پر مبنی ہے کہ وادیٔ سندھ کے دریا ایک مقام پر دو ہزار سال تک نہیں رہ سکتے۔ بلکہ صدیوں کے اندر وہ شمال اور غرب میں کہیں سے کہیں پہنچ چکے ہیں۔ میرے خیال میں ادریسی نے اسی چنی گوٹھ کو سمند کہا کیونکہ چنی گوٹھ جیسا کہ میں اوپر (اسی فصل کے تاریخی دو نمبر ۲) لکھ آیا ہوں۔ ہزاروں سال تک دریائے سندھ پر ایک ساکن مقام رہا ہے۔ اور چنی گوٹھ سے فیروزہ تک ترکوی ڈھورہ اور اس کے جنوب کی طرف کے علاقہ کی جغرافیائی حالت سے عیاں ہے کہ یہ دریائی راستہ ہزارہا سال تک دریائے سندھ کا ایک ساکن حصہ رہا ہے۔ دریا اوپر اور نیچے بدلتا رہا۔ مگر یہ حصہ ہمیشہ قائم رہا۔ فیروزہ کے نیچے جیٹھ بھٹہ خانپور سے لیکر صادق آباد تک موجودہ ریلوے لائن کے نیچے سیلاب کی متعدد وسیع

Scanned by CamScanner

وعریض گذرگاہوں کی موجودگی اور پنجند اور پنجند نہر کی شاخوں اور ان سے نکلنے والی آبِ حیات نہر ترنڈا ہزار اور صادق برانچ نہر کے ریلوے لائن کے جنوب طرف بہاؤ کے رُخ اور سمت سے صاف عیاں ہے کہ پتن منارہ کا قدیم اور مشہور ویرانہ (رحیم یار خان سے ۵ میل جنوب مشرق میں) چنی گوٹھ سے فیروزہ تک ترکڑی کے راستے بہہ جانے والے دریائے سندھ کے رُخ کا ہزار ہا سال مرکز رہا۔ جس طرح چنی گوٹھ کے اوپر دریائے سندھ احمد پور شرقیہ کے جنوب اور شمال میں شمال مغرب اور جنوب مغرب کے رُخ چنی گوٹھ بہتیا رہا۔ اسی طرح فیروزہ اور رحیم یار خان کے درمیان دریائے سندھ جنوب مغرب کے رُخ تین مختلف مقامات پر خانپور ترنڈہ اور رحیم یار خان پر مڑ کر پتن منارہ کے شرق اور غرب پر بہتیا رہا۔ آبِ حیات اور ترنڈہ ڈسٹری بیوٹری پتن منارہ سے ۴ میل کے اندر اندر مشرق میں پہنچ جاتی ہے۔ صادق برانچ ایک عریض ترین چھ موہری گذرگاہ کے قریب ریلوے لائن کو گذر کر پتن منارہ کے غرب میں ایک میل تک پہنچ جاتی ہے۔ پتن منارہ کے ارد گرد بلند و بالا بند دروازہ، کھوکھر، مئو مبارک، تاجگڑھ، پھول وڈا، نوشہرہ اور ترڈ بیجڑی کے علاوہ کئی چھوٹے بڑے ویرانوں کے آثار سے گھرا ہوا ہے۔ یہ اس کے مسلسل اور طویل ہزار ہا سال کی تمدنی عمر کا ثبوت ہے۔ اسی پتن منارہ سے راقم کو ایک چاندی کا سکہ ملا تھا جسے لاہور کے ماہرین آثار قدیمہ نے انڈو پارتھین سکہ بتایا تھا۔ جس کا ممکنہ عہد ۵۰ ق م (سیتھین کی شکست) سے ۸۰، عیسوی (کشتر کی آمد) تک ہو سکتا ہے یہ سکہ اب امیر آف بہاولپور کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ ان تمام تفاصیل سے قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ موہنجو داڑو، پتن منارہ۔ چنی گوٹھ اور احمد پور شرقیہ تاریخ وادیٔ

سندھ کے چار قدیم ترین شہر ہیں۔ جنکی طرف دریائے سندھ اپنے مخالف راستوں پر مرکوز رہا۔ میں نے یہ تفصیل اس غرض سے دی ہے کہ پٹالمے کے نقشہ میں دیئے ہوئے دریا کے راستوں اور اس پر آباد دکھائے ہوئے شہروں کو انہی ویرانوں میں تلاش کرنا پڑے گا۔

۷۔ گپتا دور

کنشکا کے بعد ہووشکا اور واسو دیو یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اور ان کا عہد ۲۲۵ء تک جاری رہا۔ اس خاندان کے باقی عہد کے حالات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ یہ سلطنت آہستہ آہستہ زوال پذیر ہوئی جس کا ایک سبب تو ایران میں ساسانی خاندان کے حملے تھے جس کا آغاز ۲۲۶ء میں ہوا۔ اور دوسرا سبب ہندوستان کی دوسری سلطنت، گپتا سلطنت کا آغاز تھا۔ ۲۸۰ء میں مگدھا میں ایک شخص گپتا رہتا تھا۔ جو غالباً وادی سندھ کے شدرا قبیلہ سے تھا۔ جن کو عام فہم نام شودر دیا جاتا تھا۔ خدا جانے کیا وجوہات تھے۔ وہ مگدھ کا بادشاہ بن گیا۔ اس کے پوتے چندر گپت اوّل نے بااثر خاندانوں میں شادی کر کے اپنی سلطنت کو وسیع تر کر دیا۔ اور ہندوستان کی سلطنت گپتا کی بنیاد ۳۲۰ء میں ڈالی۔ اس کا بیٹا سمدرا گپتا ۳۲۶ء سے ۳۷۵ء اس خاندان کا مشہور بادشاہ ہوا۔ اس کی سلطنت میں تمام برصغیر ہند شامل تھا۔ سوائے مشرق کے بنگال اور مغرب کی ساری وادی سندھ اور گجرات کے۔

بعد میں اس کے بیٹے چندر گپت ثانی (۳۷۵-۴۱۳ء) کے وقت میں بنگال اور گجرات کو شامل کر لیا گیا۔ مگر وادی سندھ پھر بھی باہر رہی۔ کیونکہ کشنا خاندان کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم تھیں۔ جو پانچویں صدی کے نصف تک کابل اور پشاور تک سکڑ کر رہ گئی وہ چھوٹی

کشنا سلطنت کہلاتی تھی۔ چندرگپت ثانی کے بیٹے سکند گپتا کے وقت (۴۵۵-۴۶۷ء) میں خدا جانے کیا ہوا۔ کہ سلطنت بہت کمزور ہو گئی۔ مغرب کی طرف کے نیم خود مختار بادشاہوں نے زور پکڑا جو ساکا اور کشنا قبیلوں کی اولاد سے تھے۔ سکند گپتا کو ان کے علاوہ ایک اور نئی مصیبت سے واسطہ پڑا۔ یہ مشہور عام سفید ہن قوم تھی، جو ہندوستان میں آگھسی۔ یہ ایک منگول قوم تھی جو وسط ایشیا میں رہتی تھی (صفحہ ۸۱ تاریخ ہند ہو عزیل)۔ اس نے انکس کو ۴۶۵ء میں کابل اور گندھارا کی چھوٹی کشنا سلطنت کو شکست دی۔

۸۔ سفید ہن دور

کشنز کو شکست دینے کے بعد یہ قوم جس کو بعض مؤرخین نے ہیتل یا ہایاتل (ایچ۔ اے۔ وائی۔ اے۔ ٹی۔ اے۔ ایل) کہا ہے۔ وادیٔ سندھ کی طرف بڑھی۔ آج بھی اوچ سے ۱۰ میل شمال مشرق اور احمد پور شرقیہ سے ۱۰ میل شمال میں ایک بلند و بالا آباد قصبہ، ہتھیجی ان کی یادگار ہے۔ جو غالباً ہیتلی سے بگڑ کر ہتھیجی ہو گیا ہے۔ اور غالباً ہن قوم کے بادشاہ مہر گولا کی یادگار گولا قوم جو اب گھلو کہلاتی ہے۔ قریب ہی دریائے ستلج کے کنارے ۲۵ میل کی لمبائی میں مسلسل آباد ہے اس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ (سر اولف کیرو۔ پٹھان) پنجاب اور سندھ سے گزر کر یہ قوم گجرات سے پار مشرقی مالوہ تک جا پہنچی۔ جہاں وادیٔ سندھ کے دریاؤں کی ادل بدل اور نتیجتاً خشک سالی اور غیر یقینی اقتصادیات کی وجہ سے ملتان کی ملی قوم ۷۵ ق م میں ساکا قوم کو شکست دینے کے بعد آہستہ آہستہ جا بسی تھی۔ یہاں تک اس سفید ہن کے اس وقت کے لیڈر تورا مانا نے ۴۸۰ء میں گپتا سلطنت

Scanned by CamScanner

کے غربی حصہ پر قبضہ جمالیا۔ یہ وقت وہ تھا جب گپتا سلطنت کے مشرقی حصے کا سکند گپتا کا سوتیلا بھائی پورا گپت وارث بنا۔ اور اس کے بعد جلد ہی ۴۸۵ء میں پورا گپتا کا بیٹا نراسیما گپت تخت پر بیٹھا۔ اس کے دور (۵۱۰ء) ہی میں تورا مانا کا بیٹا مہر گولا اس کے بجائے ہمن سلطنت کا مالک بنا۔ یہ بڑا ظالم اور جابر حکمران تھا۔ اور اس کے ظلم و جبر نے اس کے تمام زیر نگیں علاقے میں بغاوت پھیلا دی۔ اس بغاوت کا سرغنہ مالوہ قوم کا سردار یسودھرمن تھا۔ جس کی امداد والا بھی کے حکمران دروناسیمہا نے کی۔ جس کے نتیجے میں ۵۲۵ء میں ہمن قوم کی طاقت کو توڑ دیا گیا۔ مشہور ہندو مصنف کالی داس نے اپنی تصنیف "راگھو و مسا" میں ان تمام واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جس میں جیسا کہ آگے چل کر ذکر آئے گا۔ مبالغہ زیادہ تھا۔ اور حقیقت کم تھی۔ کالی داس نے یہ صحیح لکھا ہے کہ یسودھرمن نے سفید ہنوں کو انڈس کے کنارے تک بھگا دیا۔ لیعنی وادئ سندھ پر سفید ہن بدستور قابض رہے۔ مگر کالی داس کا یہ قول کہ وہ کشمیر میں بھی چلا گیا تھا۔ صحیح نہیں ہے۔ اس کامیابی کے بعد یسودھرمن نے گپتا سلطنت کے مشرقی حصہ کی طرف توجہ دی۔ جہاں نراسیما کے بعد اس کا بیٹا کمار گپتا دوم تخت پر متمکن تھا۔ لیکن سلطنت کمزور ہو چکی تھی۔ یسودھرمن نے ۵۲۹ء میں اسے تخت سے علیحدہ کر کے خود قبضہ کر لیا۔ اور وشنو وردھان کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ اور اس طرح ملاوا خاندان کی حکومت قائم کر دی۔

۹۔ ملاوا دور

وشنو وردھانا کا زمانہ سلطنت مالوہ کے حکمران کی حیثیت سے ہندوستان کی تاریخ کا سنہری زمانہ گنا جاتا ہے۔ اس کی حکومت کے دور کا تذکرہ تارن جینی لیعنی

Scanned by CamScanner

واقعاتِ کشمیر میں پایا جاتا ہے۔ اس کے مطابق اس نے کشمیر پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ یہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ وشنو وردھانا کی فتوحات کے یادگار ستونوں پر لکھے ہوئے بعض واقعات مبالغہ آمیز ہیں۔ جیسا کہ نیچے اس کے بیٹے کے تذکرہ میں وضاحت کی جائے گی۔ اپنی فتوحات کی مشہوری کی وجہ سے وشنو وردھانا ہمیشہ عوام کے دلوں میں دکرمادیتا یعنی فرزندِ شجاعت کے نام سے مشہور رہا۔ اور عام طور پر وہ راجہ بکرما مشہور رہا۔ کیونکہ راجہ بکرما اسی ملی قوم سے تھا۔ جس نے وادیٔ سندھ میں رہائش کے دوران ساکا قوم کو ۵۷ ق م میں کہروڑپکا کے مقام پر شکست دی تھی۔ اور اس دفعہ اس نے مالوہ کے حکمران کی حیثیت سے سفید ہن قوم کو وادیٔ سندھ کی طرف واپس دھکیل دیا تھا۔ اس لیئے ملاوا قوم نے اپنے ملاوا سمبت کو جس کا آغاز ۵۷ ق م سے ہوا تھا۔ سمبت بکرمی کا نام دے دیا تھا۔ جو آجتک ہندو بھارت میں رائج ہے۔ (سنِ عیسوی پر ۵۶ جمع کرنے سے سمبت بکرمی مل جاتی ہے)

ایک طویل اور خوشحال دورِ حکومت کے بعد راجہ بکرما ۵۸۵ء میں فوت ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا سیلادتیہ اس کا جانشین بنا۔ لیکن یہ ایک مختلف کردار کا مالک تھا۔ اس نے باپ کی ہن دشمن پالیسی کو تبدیل کر دیا۔ یہ امر خود ہی ثابت کرتا ہے کہ ہن قوم وادیٔ سندھ میں اور از کابل تا کشمیر قابض اور موجود تھی۔ جس کے خلاف وشنو وردھنا برسرِ پیکار رہتا تھا۔ اس پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے اس کے بہت سے باج گذار راجے مخالف ہو گئے ان باغی اتحادیوں کا سرغنہ پیرابھاکاروردھنا جو تھانی سر (موجودہ ہریانہ) کا راجہ تھا۔ یہ بہت بڑا بااثر شخص تھا۔ اس کی گپتا خاندان اور موجودہ ملاوا خاندان کے ساتھ رشتہ داری تھی۔ اس باغیانہ مہم کے نتیجے میں ۵۹۲ء میں سیلادتیہ کو تخت سے معزول کر دیا گیا۔ لیکن

Scanned by CamScanner

اس نے جلد ہی کشمیر کے ہن بادشاہ پر دارابسینا دوم کی مدد سے اپنا تخت واپس لے لیا۔ یہ امر بھی شاہد ہے کہ ہن قوم کشمیر، کابل، اور پوری وادیٔ سندھ پر قابض رہی۔ لیکن اس کے خلاف بغاوت سرد نہ پڑی اور بالآخر پربھاکار وردھنا کے بڑے بیٹے تھانی سر کے راجہ وردھنا نے ۶۰۶ء میں اسے ایک بڑی جنگ میں شکست دے دی اور اس کے راج کا خاتمہ ہو گیا۔ راجہ واردھنا نے اس کے بیٹے بھانڈی کو ان کے آبائی صوبہ مالوہ کا حکمران بنا دیا۔ جہاں بھانڈی کی اولاد ۸۰۰ء تک حکمران چلی آئی۔

۴۰۔ سکندرِ اعظم کی آمد (۳۲۶ ق م) سے پہلے ہیروڈوٹس کی تواریخ اور ایرین کی تاریخ 'سکندرِ اعظم' میں سے وادیٔ سندھ اور راسمیں مقیم اقوام کے تذکرہ کی تلاش

گذشتہ فصل ۳۹ میں برصغیر ہند و پاک میں سکندرِ اعظم کی آمد کے بعد سے تا ۶۰۶ء تین متحدہ سلطنتوں کا ذکر یکے بعد دیگرے آچکا ہے۔ موریا خاندان، گپتا خاندان، اور ملادا خاندان برسرِ اقتدار آئے تاریخ کے اوراق میں سکندرِ اعظم پہلا غیر ملکی غنیم تھا، اس کے بعد غیر ملکی غنیم یکے بعد دیگرے ان تینوں سلطنتوں کے عہد میں آتے رہے۔ جس کا اوپر تفصیلی ذکر آچکا ہے۔ لیکن ان کی نظر ہمیشہ

وادیٔ سندھ کی زرخیزی اور خوشحالی پر رہی۔ اور وہ اکثر باران کی حدود سے باہر نہ بڑھے کشمیر اور جمنا کے کنارے والے متھرا اور گجرات تک اگر بعض حملہ آور پہنچے تو وہ صرف اس نظریہ کے تحت کہ وادیٔ سندھ کی حدود پر کے علاقے یعنی ان کے نئے وطن کے تحفظ کی خاطر ان کے قبضے میں رہیں۔ جس کے اندر ان پر حملہ کرنے والوں کا پہلے ہی قلع قمع کر دیا جائے۔ دوسرا امر جو پچھلی فصل ۲۷ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفید ہن قوم کو بکرماجیت بھی وادیٔ سندھ اور کشمیر سے باہر نہ نکال سکا بکرماجیت ہڑپہ اور ملتان کے گرد و پیش کی ملی قوم کا فرد تھا۔ جو سکندر اعظم کے بعد غیر ملکی حملہ آوروں کی پیہم یلغار اور وادیٔ سندھ میں دریاؤں کے ہٹنے سے بڑھتی ہوئی خشک سالی سے بچاؤ کی خاطر اپنے اقتدار کو اپنے وطن میں ترک کر کے دریائے نربدا کے کنارے آ آباد ہوئی اور جہاں تاریخ کا مشہور مالوہ ان کے اقتدار کی نئی سرزمین بنی لیکن ملی قوم من حیث القوم اپنے پرانے وطن میں بستی رہی۔ بموجب ملتان گزیٹیر شجرہ، لنگاہ۔ ڈاہر، بھٹہ اور نایئج اقوام آج بھی ملی قوم کے پرانے ٹھکانوں میں آباد ہے۔ برصغیر کی تقسیم کے وقت تک ایک ہندو ذات مل ملتان اور بہاولپور میں آباد رہی اور غالباً ہندوؤں کے ناموں میں مروّجہ آخری جزو مل (سندھو مل وغیرہ) اس قوم کے ذیلی شاخ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس ملی قوم کا ذکر پہلی بار سکندر اعظم کی آمد کے وقت یونانی واقع نگاروں نے ملی یا ملوئی کہہ کر کیا۔ انہی واقع نگاروں نے ان کے ہر جگہ انہی کے ساتھ ان کے حلیف آکسی ڈراٹیکی کا ذکر کیا ہے۔ اس مقام پر ہمیں نے ان دو اقوام کا یکجا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ان اقوام کی ایک قدیم خصوصیت یہ ہے کہ وہ سر پر لمبے بال رکھتے تھے۔

یونانی زبان کی لغت میں جگہ کرلی۔ ملی کا لفظ یونانی زبان میں ملوٹی بن کر لمبے بال یا لہراتے سانپ کا مترادف بن گیا۔ اور یہی صورت حال ڈرائیکی کے ساتھ یونانی لغت میں واقع ہوئی۔ ڈرائیکی کے معنی لمبے سانپ کے ہو گئے۔ جس سے انگریزی زبان کا ڈریگن یعنی اژدھا مشتق ہوا۔ مسلم مستشرقین کے اس عقیدہ کہ اولادِ آدم کی ابتدائی زبان عربی تھی۔ جس سے اولادِ آدم کے مختلف حصوں کے مختلف سنئے وطنوں میں بولی جانے والی مختلف زبانیں مشتق ہوئیں۔ ثبوت اس بیان کردہ امر سے مل جاتا ہے۔ عربی میں تدار کا لفظ بڑے سانپ کے معنوں میں آتا ہے اسی سے لفظ ڈرائیکی مشتق ہے۔ ملی قوم کا نام دراصل عربی لفظ لمعہ سے مشتق ہے جس کے معنی زلفوں کے ہیں۔ میں یہ طویل تمہید دے کر قارئین کو ہیروڈوٹس کی تحریر کردہ تواریخ، کے عہد تک لے جانا چاہتا ہوں۔ ہیروڈوٹس نے مختلف مقامات پر کسی نہ کسی صورت میں "انڈیا" یعنی انڈس وادی کا ذکر کیا ہے۔ انڈیا، کو اس نے دارا اوّل کے شہنشاہ ایران کے زیر نگیں بیسواں صوبہ بتلایا ہے۔ (صفحہ ۲۱۵) دوسری جگہ اس نے دارا اوّل کے انڈیا، کو زیر نگیں کرنے سے پہلے کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ دارا اوّل نے ایک یونانی امیر البحر سکائی لیکس کو وادئ سندھ کے جغرافیائی، اقتصادی معاشرتی اور سیاسی جائزہ کی خاطر ایک دریائی بیڑا ۵۱۶ تا ۵۱۸ ق م میں دے کر وادئ سندھ میں روانہ کیا (صفحہ ۲۵۶) وہ پہلی بار ایک شہر کیسی پیٹرس پہنچ کر مشرق کی طرف دریائے سندھ میں چل پڑا۔ اور پھر کچھ دور چل کر غرب کی طرف ہو لیا۔ انگریز مستشرقین میں سے جنرل کننگھم نے خدا جانے کیوں پہلی بار کیسی پیٹرس کو پشاور کا شہر سمجھا۔ کیونکہ اگر پشاور سے سوار ہوں تو دریائے کابل پہلے مشرق کی طرف جاتا ہے۔ اور پھر دریائے سندھ میں

Scanned by CamScanner

پڑکر آجکل غرب کے رُخ ہولیتا ہے۔ حالانکہ البیرونی نے آٹھ سو سال پہلے صحیح نشاندہی کی تھی کر کیسی پیٹرس سے مراد کاشی آپاپورہ ہے۔ جس کو ہیروڈوٹس نے یونانی تلفظ دے دیا تھا۔ اور ساتھ ہی اس نے یہ کہا تھا کہ کاشی آپاپورہ ہی ملتان تھا۔ جو محمود غزنوی کے وقت میں بھی دریائے سندھ کے کنارے اہمیت رکھتا تھا۔ اور اب تک اسی اہمیت کا حامل ہے۔ محمود غزنوی خود بھی غزنی سے دریائے کرم یا دریائے گومل کے راستے اکثر بار ملتان تک آیا۔ ۱۵۰ء تک بٹالمے یونانی جغرافیہ دان نے دریائے سندھ یعنی انڈس کو جنوب مشرق کے رُخ آتا دکھا کر پٹیالا گراما (کہروڑ) کے مقام پہ چناب میں مل کر جنوب مغرب کے رُخ سمندر تک جاتے دکھایا ہے۔ خدا کی قدرت کہ سکائی لیکس کے سفرنامہ کا وجود دنیا کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ ایک اور یونانی جغرافیہ دان ہیکاٹس کی شائع کردہ کتاب میں اس کا ایک چھوٹے سے اقتباس کا حوالہ باقی رہ گیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں "دریائے سندھ کے کنارے قبیلہ اوپیائی کے شاہی قلعہ میں پہنچے جن سے پرے 'انڈیا' تک ایک صحرا تھا"۔ (صفحہ ۱۰۱ تاریخِ سندھ انگریزی لیمبرک) اس نے اوپیائی کے قلعہ میں پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔ یونانی لغت میں اوپس (او۔پی۔آئی۔ایس) بڑے سانپ کو کہتے ہیں اور یہ لفظ عربی زبان کے لفظ افعی سے مشتق ہے جس کے معنی اژدہا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سر کے لمبے بال اور لہراتے سانپ کا ہم معنی ہونا سمجھ میں آ سکتا ہے۔ لیکن اژدہا سے کیا مراد ہے۔ وادیٔ سندھ کے عظیم دریاؤں کے کنارے بسنے والی بھوری سانولی یہ قومیں دریاؤں کی موجوں سے ٹکر لینے کی خاطر تیراکی میں مشاق تھیں۔ لمبے بالوں والے یہ سیاہ فام تیز تیراک سورج کی روشنی میں چمکتے ہوئے سانولے بدن سے

Scanned by CamScanner

پانی کی موجوں کو چیرتے ہوئے ہوئے اژدہا معلوم ہوتے تھے۔ اژدہا موٹے اور دراز قد سانپ معلوم ہوتے تھے۔ اور اسی خصوصیت نے سکندرِ اعظم کے وقت میں فوجی وقائع نگاروں کے قلم سے ان کو ملوئی اور ڈرائیکی کا نام دلایا تھا۔ ممکن ہے ہڑپہ کی ساخت لفظی میں یہی "اوپی آئینز" کا حصہ اوپی آ گیا ہو اور ہڑپہ ہڑآپا ہو۔ اور یہی لفظ کاشی آپا پورہ میں بھی موجود ہے۔

۴۱۔ مسلمانوں کی آمد اور چچ نامہ کے غاصب خاندان سے پہلے حکمران رائے خاندان کے شجرہ کی تلاش

جیساکہ میں نے پچھلی فصل ۳۹ کے آغاز میں کہا تھا۔ ملوئی یعنی مل قوم وادیٔ سندھ کے شمالی حصہ کی قدیم ترین قوم تھی۔ اور ان کی سرزمین پر آخری غیر ملکی غنیم جن کے ساتھ یہ حسب رواج بر سرِ پیکار بھی آئے وہ سفید ہن تھے۔ جن کے ظالم حکمران مہر گولا کا نام آجتک مشہور ہے۔ جیساکہ میں نے عرض کیا تھا۔ مل قوم کا بکرا جیت بھی سفید ہن قوم کو وادیٔ سندھ سے نہ نکال سکا۔ اس کو قدرت کا نشانِ عبرت سمجھیں کہ دریائے ستلج کے دونوں کناروں پر ان دو قوموں کی اولاد آج بھی آباد ہے۔ مل کی اولاد لنگاہ دائیں طرف اور گھلو (مہر گولا کی اولاد) بائیں طرف، بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی وہ ایک دوسرے کا وادیٔ سندھ کے آخری جنوبی دریا گھارا (ستلج) کے آرپار سامنا کئے ہوئے ہیں۔ روڈلف ہیوعرنل نے ہسٹری آف انڈیا کے

صفحہ ۸۵ پر ایک صحیح قیاس آرائی کی ہے ، کہ مسلمانوں کی آمد اور غاصب پچھ خاندان سے پہلے کا حکمران رلئے خاندان سفید ہن حکمران مہر گولا کی اولاد سے تھا ۔ ہو عرفل نے مزید لکھا ہے کہ یونانیوں نے اس خاندان کو گولا یا "جبلہ" کہا ہے ۔ جغرافیائی مشاہدہ سے اس قول کی صداقت عیاں ہے ۔ آج بھی پنجاب اور ستلج کے سنگھم کے قریب اوچ سے ۱۰ میل شمال مغرب میں ضلع مظفرگڑھ میں واقع علی پور گھلواں سے لے کر ستلج کے بائیں کنارے کے ساتھ ساتھ سوئی دیہاڑ سے ۸ میل شمال کی طرف بہاولپور گھلواں تک ۳۰ میل لمبے علاقے میں یہ یونانیوں کی بتلائی ہوئی گولا قوم "گھلو" قوم کے نام سے آباد ہے ۔ بہاولپور گزٹیئر نے اس قوم کی ایک اور خصوصیت بیان کی ہے کہ ہر بستی میں جہاں یہ "گھلو" قوم آباد ہے ایک اور قوم بھی ان کے ساتھ رہتی ہے جو "غلام" کہلاتی ہے ۔ گو ان کا اب غلام اور آقا والا رشتہ باقی نہیں رہا ۔ لیکن یہ امر خود نشاندہی کرتا ہے کہ یہ قوم غالباً سفید ہن فاتحین کی اولاد ہے ۔ جو اپنے غلاموں کے ساتھ اسی علاقے میں اس وقت سے آباد چلی آئی ہے ۔ اور یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ خدوخال اور رنگ کے لحاظ سے اس علاقہ کی دوسری ملکی اقوام کی اولاد کے درمیان نمایاں خصوصیت رکھتی ہے ۔ اس ۳۰ میل کے علاقہ کے تقریباً درمیان میں جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے ۔ ایک بلند ٹیلے پر واقع مقام ہتھیجی اس قوم کے ابتدائی نام "ہتیل" کی یادگار ہے ۔ غالباً یہ مقام ہتھلیجی کہلاتا تھا ۔ اس سے چار میل قریب کوٹلہ موسے خان کے موجودہ مقام کے بالکل قریب ایک بہت پرانا ویرانہ ہے ۔ جس کو دھمراڈ کا ٹبہ کہتے ہیں ۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے ۔ اسمیں سوئی ویہاڑ کی طرح کا ایک دیہاڑ ہے ۔ جہاں اس تیس میل لمبے گھلو علاقے کے مشرقی سرے کے سامنے کشن راجہ کنشکا کا سوئی ویہاڑ ہے ۔ اس کے غربی سرے کے قریب

Scanned by CamScanner

علی پور گھلواں سے دس میل دور سیت پور ہے ۔ جس کو میں نے سبیتھن قوم کا آباد کردہ شہر بتایا ہے ۔ اوچ (یوچی قوم) کا ذکر پہلے اوپر آچکا ہے ۔ آئین اکبری میں صوبہ ملتان کے دوآبہ لبست جالندھر میں ایک محال گلو گھارا کا ذکر ہے ۔ جس میں گلو قوم آباد تھی ۔ غالباً وہ یہی علاقہ تھا ۔

بہاول پور گھلواں سے مشرق کی طرف اسی دریائے گھارا (ستلج) کے ساتھ ساتھ ضلع بہاول پور کے لال سوہانرا اور اسرانی تک جو مقامات دریائے گھارا کے شمال والے کہروڑ پکا کے بالکل سامنے ہے ۔ ایک اور قوم مسلسل مگر بہت کم تعداد میں آباد ہے ۔ جس کو 'جبلہ' کہتے ہیں ۔ اور یہی جبلہ قوم لال سوہانرا اور اسرانی سے دریا کے پار کہروڑ پکا تک بھی آباد ہے ۔ غالباً یونانی مورخین نے دو مختلف مگر ہم مخرج قبیلوں کو ایک سمجھ لیا ۔ حالانکہ یہ سفید ہن قوم کے دو علیحدہ علیحدہ قبیلے تھے ۔ اور میں نے اوپر کی فصل ۳۹ میں یونانی جغرافیہ دان ٹالمی کے نقشہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہروڑ پکا کو نیٹا گراما ثابت کیا تھا ۔ اور یہ امر کہ وادیٔ سندھ کے آخری فاتحین سفید ہن قوم کی اولاد اسی کہروڑ پکا یعنی ۱۵۰ء کے نیٹا گراما (پنجند شہر) سے موجودہ زمانہ کے پنجند تک آباد ہے ۔ میرے اس قیاس کا ایک اور جغرافیائی ثبوت ہے جس کا بعد میں چچ نامہ کی جغرافیائی توضیحات کے ضمن میں ذکر آئے گا ۔ اسکلندہ جس کو انگریزی ترجمہ کے مترجم مرزا قلیچ بیگ نے اپنے نسخہ ترجمہ کردہ کے مطابق گھلو کندھا کہا ہے (تاریخ سندھ انگریزی مصنفہ لیمبرک صفحہ ۱۷۰ نوٹ نمبر ۴۸) ۔

اسی گھارا (ستلج) کے کنارے تلاش کرنا پڑے گا ۔ گھارا دریائے ستلج اور دریائے بیاس کے سنگھم کے نچلے حصہ اور دریا کا پنجند تک کا نام ہے ۔ یہ نام کب پڑا

قابلِ تحقیق ہے۔ مگر کیوں پڑا وہ اس لفظ کے لغوی مخرج سے عیاں ہے۔ گارا سنسکرت میں ہڑپ کر لینے کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ عربی لفظ جرُع سے مشتق ہے جس کے معنی گھونٹ پینا ہے۔ یہ مخرج اشارہ کرتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف کہ کسی وقت دریائے ستلج نے قانونِ عزب ردی کے تحت بیاس کے قرب میں آکر، جو اس وقت اس کے شمال میں علیحدہ متوازی چلتا تھا۔ ہڑپ کر لیا۔ اور دونوں دریا یکجا ہو گئے۔ سنسکرت میں گارا کے معنی پرانے اور بوڑھے کے بھی ہیں۔ غالباً اس جغرافیائی حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ستلج کے بیاس کے ہڑپ کرنے کے بعد دونوں دریا ایک راستے پر چل پڑے، جو دراصل بیاس کا پرانا راستہ تھا وہ قانونِ عزب ردی کے تحت چھوڑ کر شمال میں چلا گیا تھا۔ اور ستلج نے اسی قانون کے تحت جنوب سے بڑھ کر اس کو اختیار کر لیا تھا؛

متحدہ سندھ کے آخری رائے خاندان کے شجرہ کی تلاش کے مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے عرض ہے کہ قریبی زمانہ تک یعنی اسی صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی میں بھی قدیم ملی قوم کی شاخ لنگاہ نے ملتان کی حکومت پر اپنے حقوق کو ایک بار پھر تازہ کیا۔ اس بار ہندوستان میں لودھی خاندان کی حکومت کے عہد میں جنہوں نے تغلق خاندان کے زوال پر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ مگر ملتان ابھی تک افراتفری کا دور دورہ تھا۔ فائدہ اُٹھایا۔ ملتان میں افراتفری کے دوران لوگوں نے شیخ یوسف قریشی کو ملتان کا حکمران منتخب کر لیا تھا۔ تاکہ اس علاقہ میں افراتفری بند ہو۔ شیخ یوسف قریشی نے قرب وجوار کے رڈساسے دوستی کے معاہدے کیے جن میں لنگاہ قوم کا رئیس رائے سہرا بھی تھا (موجب بہاولپور گزیٹیر صفحہ ۴۲) فرشتہ نے

اس کو سیوی کا رئیس کہا ہے۔ اور غالباً اسی وجہ سے اس کو مغالطہ ہوا کہ وہ سیوی کو بلوچستان کے افغان علاقہ بستی کا حکمران سمجھا۔ اور اس طرح ساری قوم لنگاہ کو افغان بنا دیا۔ حالانکہ سیوی سے مراد سیوی قوم تھی۔ جو شورکوٹ سے بستی۔ ایام قدیم میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہی قوم یونانیوں کی بتلائی ہوئی سبوئی۔ سوگڈبائی۔ سیواس تھی۔ جس کا ایک پچھلی فصل میں مفصل ذکر آ چکا ہے۔ اس سیوی قوم کا نام قرآن کریم کی بتائی ہوئی قوم اصحاب الرس سے مشتق تھا۔ جس کو مہابھارت نے سندھو سویراس کہا ہے۔ اسی سیوی قوم کی مختلف شاخوں میں سے ایک شاخ ملتان اور ہڑپہ کے گردو پیش کی آباد قوم ملی تھی۔ جس کے شجرہ کے متعلق میں نے بار بار مختلف فصلوں میں اوپر ملتان گزیٹئر کی بتلائی ہوئی ایک روائیت بیان کی ہے۔

سنگلی جنہاں دی ڈاڈی، سوڈی جنہاں دی ما
ماہلی جنے پنج پتر
بھٹہ، ڈاہر۔ ناپچ۔ شجرا تے لنگاہ،

یہی دو مصرعے یونانی مؤرخ ایرین کی تاریخ "سکندرِ اعظم" کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔ سنگلی قوم وہ قوم تھی، جو سکندرِ اعظم کے مفتوحہ وادی کے جنوب والے سنگالا میں رہتی تھی۔ اس کی ایک شاخ کاٹھیا تھی جس نے سکندرِ اعظم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ آج بھی ضلع بہاول نگر۔ ضلع ساہیوال۔ ضلع لائل پور۔ ضلع سرگودھا۔ میں اس قوم کی دوسری شاخیں۔ لنگریال، بندیال۔ سیال وغیرہ اس کی یادگار ہیں، یہ ملی قوم کے مشرق میں رہتی تھیں۔ اسی قوم کی ایک عورت ملی قوم کی ماں بنی اور سوڈھی قوم جس ایک عورت ملی کی بیوی تھی۔ جو ملی کے پانچ بچوں کی ماں بنی۔ وہ ہی

قوم تھی، جس کو ایرین نے آکسی ڈرائیکی کہا ہے اور ملکی مورخین نے ان کو شدرا کا اور سوڈھا قوم کہا ہے۔ یہ ملی قوم کے عزب میں ادچ، ڈیرہ غازی خان وغیرہ کے قدیم علاقہ میں رہتی تھی۔ ایرین نے بجا طور پر لکھا ہے کہ سکندر اعظم کو وادی سندھ پار کرنے کے بعد پتہ چلا کہ وادی کے جنوب میں رہنے والی سنگالا قوم اس کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہی ہے۔ اور ملی اور آکسی ڈرائیکی قوم اس معاملہ میں اس کے حلیف ہیں۔ ملتان گزٹیئر کی روایت نے ایرین کی تصدیق کر دی ہے کہ سنگالا ملی اور سوڈھی قوم ضلع ساہی وال سے لے کر ضلع ڈیرہ غازی خان اور بہاول پور تک آباد تھی۔ اور یہ ایک دوسرے کے حلیف تھے۔

رائے سہیرا لنگاہ نے، جس کا نام خود متحدہ سندھ کے رائے ساہیرس کا اختصار ہے، شیخ یوسف قریشی کو اپنی دامادی میں لے لیا، اور مناسب وقت پا کر اس کو تخت سے محروم کر کے ملتان کا مشہور سلطان قطب الدین لنگاہ بن بیٹھا اسی خاندان کا فرد ہمایوں کی جلاوطنی کے وقت اسی علاقے کا حکمران بخشو لنگاہ تھا۔ قدرت کا تحفظ تاریخ دیکھئے کہ محمد بن قاسم کے مقابل اسکلندہ کا حاکم بھی رائے سیہرا تھا۔ (چچ نامہ صفحہ ۳۳)

فصل ۳۹ میں ہم ۶۰۶ء تک وادی سندھ کی تاریخ پر نظر ڈال چکے تھے۔ یہ ملا وا خاندان کے زوال متحدہ ہندوستان کی حکمرانی سے برطرفی اور اور اپنے پرانے خاندانی صوبہ مالوہ میں واپسی تک تھی۔ یہ سال ۶۰۶ء تاریخ اسلام کے ساتھ اگر وابستہ کریں تو یہ وہ سال ہے کہ اعلان اسلام کو ابھی ایک سال باقی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے ۶۰۷ء میں اعلان رسالت فرمایا۔ ۶۲۰ء میں مکہ سے مدینہ

Scanned by CamScanner

ہجرت فرمائی۔ بموجب چچ نامہ صفحہ ۹۵ سندھ کے مقبوضات مکران وغیرہ میں مسلمانوں کی پہلی جنگ حضرت عمرؓ کے وقت میں ہوئی۔ ہجرت کو پندرہ سال گذر چکے تھے۔ یعنی یہ سال ۶۳۵ء تھا۔ چچ نامہ کا مصنف مزید رقم طراز ہے کہ چچ بن سلائج برہمن سندھ کے غاصب حکمران کو تخت نشین ہوئے ۳۵ سال گذر چکے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچ ۶۰۰ء میں برسرِ اقتدار آیا۔ ضمناً یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ للاوا خاندان کے زوال کے اسباب کو وادئ سندھ کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہ تھا۔ وادئ سندھ کی حکومت ایک علیحدہ حکومت تھی جیسا کہ روڈلف ہوئرنل نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ سفید ہن قوم کے ظالم حکمران مہر گولا کی اولاد گولا، وادئ سندھ پر اپنا آہنی پنجہ مضبوط کر چکی تھی۔ اور پاٹلی پتر (پٹنہ) کے حکمران سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

چچ نامہ وادئ سندھ کے (جس میں کشمیر کو بھی وادئ سندھ کا حصہ سمجھا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور اگر ہمالیہ کے دامن جالندھر، ہوشیار پور، کانگڑہ امرتسر اور گورداسپور کے موجودہ اضلاع کے اس وقت کے علاقوں کو اس وقت کے کشمیر کا حصہ سمجھ لیا جائے تو بھی درست ہوگا) مختلف خود مختار اور نیم خود مختار علاقوں کی طرف بڑے دلچسپ طریقہ سے نشاندہی کرتا ہے۔ اور ایک طرح ان کے حکمرانوں اور نیم حکمرانوں کے شجرۂ و نسب کی طرف بھی راہنمائی کرتا ہے۔ ستلج اور جمنا کے درمیان والا علاقہ جو اب موجودہ زمانے میں بھارت کا ہریانہ صوبہ ہے۔ بکرماجیت اور اس کے بیٹے کے وقت میں تھانیسر کی راجدھانی کہلاتا تھا اور وادئ سندھ سے باہر تھا۔ سر آرل سٹین مشہور محقق اور جغرافیہ دان نے

Scanned by CamScanner

سچ کہا تھا کہ پاکستان کے بہاول پور ڈویژن کی مشرقی حدود کے باہر بھارت کے راجستھان صوبہ کے بیکانیر ڈویژن اور ہریانہ صوبہ میں وادی سندھ کے نشانات کی ناموجودگی سے صاف عیاں ہے کہ وادی سندھ کی تہذیب تقریباً موجودہ مغربی پاکستان کی حدود کے اندر رہ جاتی تھی۔ اور ستلج کے بائیں کنارے روپڑ کے قریب والے کوٹلہ نہنگ کے آثارِ قدیمہ دراصل وادی سندھ کے جنوب مشرقی حدود کے اختتام پر تجارتی مرکز تھا۔ غاصب چچ برہمن کے خاندان کا شجرہ چچ نامہ کے صفحہ ۵۰ پر تشریحات و توضیحات پر چچ باپ کا نام سیلائج اور دادا کا نام لبساس بتلاتا ہے۔ اور صفحہ ۵۰ پر وزیر بدھیمن کی زبانی رائے ساہیرس اعظم کے باپ کا نام دیوائج بتلایا گیا ہے۔ اس صفحہ پر حاشیہ کے مطابق سندھ کی حکومت پر دو رائے ساہیرس اور دو رائے ساہسی حکمران ہوئے۔ دوسرے رائے ساہسی کی وفات پر یعنی رائے خاندان کے چوتھے حکمران کی وفات پر چچ رائے ساہسی دوم کی بیوی سے شادی کر کے رائے خاندان کے ممکنہ وارثوں کے قتلِ عام کے بعد ۶۰۰ء میں سندھ کا حکمران بنا۔ رائے خاندان کی چار پشتوں کا دورِ حکمرانی اگر زیادہ سے زیادہ ایک سو سال قیاس کر لیا جائے تو رائے خاندان ۵۰۰ء کے قریب قریب پوری وادی سندھ پر غالب آچکا تھا جیسا کہ اوپر کی فصل ۳۹ میں سفید ہن کے دور کے تذکرہ میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ قوم ۴۶۵ء میں وادی سندھ میں گھس آئی اور سندھ کو گجرات و مالوہ تک پہلے حکمران تورامانا کے وقت میں قابض ہو چکی تھی۔ لیکن مہرگولا کے ظلم کے ردِ عمل کے طور پر ان کو گجرات و مالوہ اور تھانیسر کی حدود سے ہٹ کر وادی سندھ کی اپنی حدود میں بکر باجیت سے دفاع

کرتے ہوئے ۵۲۵ء میں واپس آنا پڑا۔ بہرحال ان دو امور سے رود ڈلف ہوعرنل کی قیاس آرائی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کہ مہرگولا سفید ہن کو گجرات اور مالوہ سے پسپائی کے بعد وادیٔ سندھ کے مفتوحات کو مستحکم اور منظم کرنے کے لئے جو سلطنت کشمیر کو چھوڑ کر وادیٔ سندھ کے میدانوں میں وجود میں آئی اس کا پہلا حکمران وزیر بدھیمن کا بیان کردہ رائے ساہیرس اعظم یعنی رائے ساہیرس اول تھا۔ جو ایران کی فوجوں سے لڑتا ہوا شکست کھا کر مارا گیا۔ اس مقام پر پہنچ کر یہ امر تشنۂ تحقیق بن جاتا ہے۔ کہ رائے خاندان سفید ہن گولا قوم کی اولاد تھے۔ یا کسی ملکی قوم کے۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے اوپر لنگاہ قوم کے تذکرہ میں بیان کیا ہے۔ رائے سہیرا (ساہیرس کا اختصار؟) جو ملی قوم سے تھا۔ پندرہویں صدی میں ملتان کا حاکم بنا۔ ممکن ہے کہ کالی داس کی حکایت فتوحات بکرماجیت کے مطابق واقعی گولا قوم کو ہندوستان دونوں میں سے بے اقتدار کر دیا گیا ہو۔ یا یہ کہ چونکہ ملکی لنگاہ قوم اور غیر ملکی گولا (گھلو) قوم ستلج آرپار تقریباً نو سو سال اکٹھی رہ چکی تھی اس وجہ سے یا حکمرانانِ سندھ کی یادگار میں سہیرا عام نام ہو گیا ہو جو گھلو بھی رکھ لیتے اور لنگاہ بھی اور دوسرے بھی۔ چچ نامہ کے چند اور تذکرے گمان غالب پیدا کرتے ہیں کہ رائے خاندان واقع سفید ہن قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ جس وقت چچ پہلی بار اپنی مملکت کے مختلف حصوں کا دورہ کرتے ہوئے ملتان پہنچا تو ملتان کے حکمران بچھرائے (چچ نامہ صفحہ ۴۵) نے جو رائے ساہسی کا رشتہ دار تھا۔ کشمیر کے راجہ کے پاس ایک قاصد مدد کیلئے بھیجا۔ یہ واقعہ غالباً ۶۰۰ء کے بعد دو تین سال کے اندر کا ہے۔ جیسا کہ ہم فصل ۳۹ میں بکرماجیت کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ بکرماجیت کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلادتیہ نے وادیٔ سندھ کے سفید ہن حکمرانوں کے ساتھ

Scanned by CamScanner

دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ جن کے نتیجے میں اس کے باج گذار حکمرانوں نے اس کو ۵۹۴ء میں معزول کر دیا لیکن تھوڑے عرصہ بعد سلادتیہ نے کشمیر کے سفید ہن بادشہ پروارا سینا دوم کی مدد سے اپنے تخت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ حاکم ملتان بجھرائے نے بھی دس سال بعد چچ کے خلاف اسی ہن حکمران کشمیر سے مدد مانگی، چونکہ وہ اس کا رشتہ دار تھا۔ اور چچ نامہ کے الفاظ کہ بجھرائے کی امداد کرنا اس کا فرض تھا۔ اس قیاس کی صداقت کا ایک اور ثبوت ہے۔ جب بجھرائے کے قاصد پہنچے تو کشمیر کا بادشاہ (پروارا سینا دوم) فوت ہو چکا تھا۔ اس کے نوعمر بچے کے نگرانوں نے امداد کیلئے اپنی معذوری ظاہر کی اور بچھرائے نے ان حالات کو دیکھ کر چچ سے درخواست کی کہ اس کو اپنے قرابت داروں کے ساتھ باامان کشمیر جانے دیا جائے۔ یہ مزید ثبوت ملا کہ کشمیر وادیٔ سندھ کے ایک حصہ کی علیحدہ خود مختار ریاست تھی۔ جو سفید ہن خاندان کے حکمرانوں کے ہاتھ میں تھی۔ جس میں رائے خاندان بھی شامل تھا۔

۴۔ یونانی مؤرخ ایرین کی تاریخ "سکندرِ اعظم" سے وادیٔ سندھ میں یونانی افواج کے داخل ہونے سے پیشتر کے تذکرہ سے وادیٔ سندھ کے اماکن و رجال کے متعلق دلچسپ انکشاف

ایرین کے تذکرہ میں وادیٔ سندھ کے لوگوں کا ذکر پہلی بار اس وقت آتا ہے

جب سکندرِ اعظم کی افواج نے دارا شہنشاہ ایران کی افواج کا بابل کے قریب گاؤگامیلہ کے مقام پہ سامنا کیا۔ صفحہ ۹۸ پر دارا کی افواج کی قوم وار تفصیل اور اس کے کمانڈروں کے نام درج ہیں۔ اس جگہ ایک کمانڈر بساس (بی۔ای۔ایس۔ایس، یو۔ایس) کا ذکر ہے، جو باختریہ کا سٹرپ (گورنر) تھا، اس کے ماتحت باختری افواج کے علاوہ، باختریہ کی سرحد کے قریب والے انڈین (انڈس وادی والے) قبائل بھی شامل تھے۔ آراکوسیئن افواج، یعنی موجودہ کوئٹہ قندھار کی افواج اور انڈین (انڈس وادی والے) پہاڑی قبائل کا کمانڈر بارسینٹیز تھا۔ جو موجودہ کوئٹہ قندھار کے علاقے کا سٹرپ (گورنر) تھا۔

افواج اور کمانڈروں کی مزید تفصیل کے بعد دارا کی افواج کی کل تفصیل درج ہے۔ دارا کی افواج میں چالیس ہزار سوار، دس لاکھ پیادہ، دوسو رتھیں، رتھیں اور چند ہاتھی تھے۔ یہاں آکر ایرین بیان کرتا ہے کہ دریائے انڈس (سندھ) کے اس طرف یعنی غرب والے انڈین (انڈس وادی والے) فوجیوں کے پاس تقریباً پندرہ ہاتھی تھے۔ صفحہ ۱۱۳ پہ پہنچ کر ایرین ذکر کرتا ہے کہ شکست کھانے کے بعد جب دارا کی افواج تتر بتر ہوئیں تو اس کی افواج کے تین کمانڈروں بساس۔ نیبرزینی۔ بارسینٹیز نے دارا کو قید کر لیا۔ اور اس کو بھگا لے گئے۔ سکندر نے ان کا پیچھا کیا اور ان کے قریب پہنچا تو نیبرزینی نے جو دارا کے رسالے کا کمانڈر تھا۔ اور بارسینٹیز نے جو آراکوسیا (کوئٹہ قندھار) کا گورنر اور اس علاقے کی افواج اور انڈین پہاڑی قبائل کی افواج کا کمانڈر تھا۔ دونوں نے دارا کو ضربیں پہنچا کر جان سے مار دیا۔ بساس ان کے ہمراہ تھا۔ سکندرِ اعظم نے دارا کی لاش کو ایران کے دارالخلافہ پرسی پولس بھجوا دیا۔ تاکہ وہ

شاہی مقبرہ میں دفن ہو سکے ۔ اور خود قاتلوں کا پیچھا کیا ۔ ہرکینیا کے علاقہ میں نیبرزنی یکے از قاتلان نے خود کو سکندر کے حوالے کر دیا ۔ کچھ عرصہ بعد اس کو اطلاع ملی کہ دیگر از قاتلین لبساس نے اپنے شاہ ایشیاء ہونے کا اعلان کر دیا ہے ۔ اور شاہی قبا پہنی شروع کر دی ہے ، اور یکے از اسمائے شہنشاہ ایران آرٹازرگسیز اختیار کر لیا اسی ضمن میں سکندرِ اعظم نے براہِ راست باختریہ کی طرف لبساس کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کر لیا ، مگر اُسے اطلاع ملی کہ ستی بارزنیز نے جس کو سکندرِ اعظم نے اس کے دوستانہ یقین تعاون کے بعد اپنے علاقے ایریا کا بدستور حکمران رہنے دیا تھا ۔ اور اس کی ساتھ بھیجی ہوئی علامتی یونانی فوجی دستے کو تہ تیغ کر دیا ہے ۔ اور اب اپنی فوجیں لیکر لبساس کے ساتھ ملنے کے لئے باختریہ جانے والا ہے ۔ سکندرِ اعظم نے اپنے منصوبہ کو تبدیل کر کے ایران کی شمالی سرحد سے سیدھا باختریہ جانے کی بجائے جنوب کی طرف ایریا کا رُخ کیا ۔ ستی بارزنیز بھاگ گیا ۔ اور اس کی فوج کا قلع قمع کر دیا گیا ستی بارزنیز بھی بعد میں گرفتار ہو کر مارا گیا (صفحہ ۱۲۱) سکندرِ اعظم نے اب دارا کے قاتلوں میں تیسرے غدار بارسنٹیز کا جو ایریا کے جنوب والے اپنے علاقے زرنگیا (موجودہ زنجان) میں چلا گیا تھا ۔ اپنے عقب میں نہ چھوڑنا چاہا ۔ اور اس طرف فوجیں لے کر بڑھا ۔ جب بارسنٹیز مجرم قتل کو اطلاع ملی تو وہ دریائے سندھ (انڈس) کے مغرب والے انڈین قبائل کی طرف پناہ کیلئے بھاگ گیا ۔ گو بارسنٹیز کوئٹہ قندھار کا سٹرپ بھی تھا ، اور دارا کی فوج میں ان کا کمانڈر بھی ۔ مگر ان ہندوستانی قبائل نے اس کے جرم غداری سے نفرت کرتے ہوئے اسے گرفتار کر کے سکندرِ اعظم کے پاس بھیج دیا ۔ اس نے قتل کرا دیا ۔ اب سکندرِ اعظم اپنے پہلے منصوبے کی تکمیل

کے لئے باختریہ جانے کے لئے براستہ آراکوسیا روانہ ہوا۔ اور راستے میں مکران (گڈروسیا) اور کوئٹہ قندھار کے علاقے فتح کر کے مینن کو ان کا گورنر بنا دیا۔ آراکوسیا یعنی کوئٹہ کے علاقے فتح کرنے کے دوران وہ قریب والے ہندوستانی قبائل تک پہنچ گیا۔ جہاں پہنچنے کے لئے اسے گہری برفانی چوٹیوں پر سے گذرنا پڑا یہ غالب زیارت کی برفانی نہر بوبی ٹلیز کو عبور کیا۔ (صفحہ ۱۲) بگٹی۔ مری۔ اور کچھی علاقے میں آپہنچا جہاں اس نے لیموس کو انڈین پہاڑی قبائل کا گورنر مقرر کیا جیسا کہ ایرین نے صفحہ ۲۰۸ پر بعد میں جا کر ذکر کیا ہے۔ یہاں سے واپس آراکوسیا کی طرف گزر کر وہ کوہ ہندوکش کے راستے باختریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں دارا کا آخری قاتل چھپا پھرتا تھا۔ یہ طویل اقتباس سکندرِ اعظم کی آمد سے پہلے کے ایران کے سیاسی اور فوجی ڈھانچہ کے ساتھ وادی سندھ کے علاقے کے رابطہ کو بیان کرنا مقصود تھا۔

۴۳۔ چچ کے خاندان کی تلاش۔ کیا چچ کا خاندان بھی باختریہ سے آیا تھا؟

فصل ۴۲ کا ایک مقصد تو ایران اور وادی سندھ کے سیاسی اور فوجی رابطہ کی تلاش تھی۔ اس کے علاوہ دو اور مقاصد بھی تھے۔ مگر یوں کہیئے کہ وہ دو کچے دھاگوں کے سروں کی تلاش تھی۔ تحقیق میں تاریخی ہو۔ یا جغرافیائی یا پولیس کی تفتیش جرائم ہر ممکنہ سراغ کو دیکھنا بھالنا پڑتا ہے۔ چچ کے شجرہ میں (بموجب چچ نامہ صفحہ ۴۰۵) اس کے باپ کا نام سیلائج اور دادا کا نام بساس دیا ہوا ہے۔ کیا چچ کا دادا بساس سکندرِ اعظم کے وقت کے غدار بساس کی اولاد تھا، جس نے شہنشاہِ ایران دارا کو بے گناہ قتل

کیا اور پھر شہنشاہی تباہ اوڑھ لی۔ اور جس کو سکندرِ اعظم نے انسانی اقدار کی خلاف ورزی کی پاداش میں کیفرِ کردار تک پہنچایا۔ گو پچ کے دادا لبّاس اور شہنشاہ ایران دارا کے لبّاس گورنر باختریہ کے درمیان ہزار سال کا عرصہ تھا۔ لیکن لبّاس ثانی کے پوتے پچ کا فعل ہو بہو اس لبّاس اوّل کی طرح نمک حرامی اور غداری تھا۔ ممکن ہے کہ جب باختریہ کے یونانی موریا خاندان کے زوال کے بعد ایک بار پھر وادیٔ سندھ میں گھس آئے جس سلسلے میں مینندر کا سندھ کے راستے گھس آنے کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ تو لبّاس کا خاندان بھی نقل مکانی کر کے سندھ میں آگیا ہو۔ رائے ساہیرس اعظم جس کو رائے ساہیرس اوّل کہا جاتا ہے۔ (بقول پچ نامہ ۴۰) کے باپ کا نام ڈوائج تھا۔ پچ کے باپ کا نام سیلائج تھا۔ سفید ہن بھی باختریہ کے علاقے سے آئے تھے۔ اس لئے ساہیرس اعظم اوّل اور پچ کے شجرہ میں ڈوائج اور سیلائج ناموں کی مشابہت بھی ایک ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ پچ غدار کا خاندان لبّاس غدار کی اولاد تھا۔ اور باختریہ سے آیا تھا۔ لبّاس خود باختریہ کا اصلی باشندہ تھا۔ اور شہنشاہانِ ایران کے سیاسی رواج کے مطابق باختریہ کا ایران کی طرف سے گورنر تھا۔ اسی رواج کو سکندرِ اعظم نے بھی اپنایا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب سکندرِ اعظم نے آراکوسیا یعنی موجودہ کوئٹہ قلات کو فتح کیا تو وہاں کا گورنر ایک مینن (ایم۔ ای۔ این۔ او۔ این) کو اس علاقے کا گورنر بنا دیا۔ (تاریخ ایرین صفحہ ۱۲۱) ماہرینِ السنہ نے قلات اور کوئٹہ خاص کے علاقے میں بولی جانے والی براہوی زبان کو دراوڑی (ڈریویڈین) زبانوں کی ایک اور شاخ کہا ہے برِصغیر ہند و پاک کے دکن کے علاقے میں بولی جانے والی تامل اور تیلگو زبانوں سے ترتیبی مشابہت رکھتی ہے۔ حسن اتفاق سمجھیے یا قدرت

Scanned by CamScanner

کا تحفظِ تاریخ کرمینن کا نام دکن کے علاقے میں آج بھی تامل اور تلیگو بولنے والوں کے درمیان عام ہے۔ غالباً سکندرِ اعظم نے بھی مینن بروہی کو کوئٹہ اور قلات کے علاقہ آراکوسیا کا گورنر بنا دیا تھا۔ میجر میکر نے جو مغربی پاکستان بننے سے پہلے بلوچستان کے آخری چیف کمشنر (مفتوحہ علاقہ) ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل قبائلی علاقہ اور ریذیڈنٹ ریاستہائے قلات، خاران، مکران، لاس بیلہ) تھے۔ اور مغربی پاکستان کے کوئٹہ ڈویژن کے پہلے کمشنر بنے۔ راقم کو ایک بار، دورانِ گفتگو میں بتلایا کہ اپنی سروس کے ابتدائی زمانہ میں جب وہ اپنے ایک بروہی خدمتگار کے ساتھ مدراس گئے تو ان کے اس بروہی نوکر نے ان کو بتلایا کہ یہاں کے لوگوں کی گفتگو میں اکثر لفظ ہماری بروہی زبان کے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ بروہی قوم کیا تھی۔ کہاں سے آئی۔ اس کے متعلق انگریز محققین پوٹنگ اور لیچ نے مختلف قیاس آرائیاں کی ہیں۔ ایک نے تو کہا ہے کہ اصل لفظ با۔ وہی ہے۔ یعنی دوہ (پہاڑ کے رہنے والے) دوسرے نے براہم۔ برہمن اور براہیم (یعنی ابراہیم) سے مشتق سمجھا ہے۔ میری رائے ہے کہ آخری قیاس درست ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ راقم نے شروع کی ایک فصل میں ذکر کیا ہے کہ آدمؑ سے ابراہیمؑ تک تمام انبیاء لنکا، دکن، اور اسی وادئ سندھ میں مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ لنکا اور دکن (بھارت) سے لیکر وادئ سندھ (قلات) تک ایک ہی زبان کے سُراغ مل جاتے ہیں۔ (ڈاکٹر ہنری فیلڈ مغربی پاکستان کی نسلی سروے صفحہ ۵۶) ابراہیمؑ کا بھی وادئ سندھ میں وطن تھا۔ تورات کے مطابق ابراہیمؑ نے عراق سے شام، شام سے فلسطین پھر مصر اور واپس فلسطین میں

قیام کیا۔ اس سفرنامے میں قدیم از تاریخ زمانے میں تمام آباد اور خوشحال دریائی وادیاں اور ساحل فلسطین آجاتے ہیں۔ سوائے وادئ سندھ کے، یہی وہ وادی تھی۔ جہاں جیسا کہ اوپر مفصل ذکر آچکا ہے۔ طوفانِ نوح کی بربادی سب سے پہلے آئی۔ اور نسلِ انسانی نے اس شمالی ترین وادئ سندھ سے جنوب کی طرف پہلے وادئ دجلہ اور فرات میں اور پھر وادئ نیل کی طرف بالآخر حضرت ابراہیم کے وقت میں بیت المقدس میں آپہنچی ۔ قرآن کریم کے مطابق حضرت ابراہیم کے فرزندِ حضرت اسماعیلؑ کو حجاز کی وادی غیرِ ذی ذرع میں مکیں کرایا گیا۔
پرچ نامہ نے صفحہ ۲۰ پر اس قوم بردہی کو پہلی بار برہاس کہکر ذکر کیا ہے۔

Scanned by CamScanner

باب ہفتم

کشف الاسرار وادیٔ سندھ

(سکندرِ اعظم کا دور)

پچھلے چھ ابواب اور ۳۴ فصلوں میں راقم نے وادیٔ سندھ کے قدیم جغرافیہ اور تاریخ کے متعلق جملہ ممکنہ قیاس آرائیاں دلائل کے ساتھ پیش کردی ہیں۔ تاکہ قارئین ہماری تاریخ اور جغرافیہ کے بکھرے ہوئے تذکروں کو ایک مربوط شکل میں دیکھ سکیں۔ اور اپنے علم و مشاہدہ سے اس کی تائید یا تردید کے قابل ہو سکیں مگر طوالت اور بے ربطگی کے خوف سے باقی تمام کوائف کو اس باب میں

Scanned by CamScanner

فرداً فرداً مختلف فصلوں کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ پچھلے چھ ابواب کے مربوط ڈھانچے میں قارئین ان اماکن اور اقوام اور رجال کو خود مناسب جگہ دے سکیں۔ اس باب کی تیاری میں راقم نے فصل ۳۵، میں یونانی ایرین کی تاریخ سکندرِ اعظم، کے بیان کردہ امور کو بالترتیب لے کر پھر اس زمانہ سے تقریباً پانچسو سال بعد کے پٹالمے کے نقشہ کے بیان کردہ کوائف کو لیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں فصل ۳۸۔ اور ۳۹ میں بیان کردہ توضیحات کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے بعد پٹالمے سے تقریباً پانچسو سال بعد تاریخ وادیٔ سندھ کی تیسری اور آخری اہم دستاویز چچ نامہ کے بیان کردہ احوال اماکن و اقوام و رجال کے متعلق دلائل کے ساتھ قیاس آرائیاں پیش کی ہیں۔ اور ان توضیحات کو پچھلی دو دستاویز کے ساتھ تاریخی ربط کے متعلق بھی قیاسات پیش کئے گئے ہیں۔ تاکہ سکندرِ اعظم سے لے کر محمد بن قاسم کی آمد تک کے حالات قلم بند ہو کر قارئین کے سامنے پیش ہو جائیں۔ اور میرے اس نظریہ کی کہ وادیٔ سندھ کی تہذیب دہڑ یہ سے لے کر موہنجو ڈارو تک پھیلی ہوئی تھی کی ثقافت اور تمدن کا مرکز ثقل ملتان اوچ اور پٹن منارہ (رحیم یار خان) کے گرد و پیش رہا۔ تائید یا تردید کر سکیں۔

۴۴۔ ملتان سے لاڑکانہ تک، ملتان کی ملی قوم کا شجرہ نسب

۱۔ نئے اور پرانے حکمرانوں کے شجرۂ نسب پر قیاس آرائی کرنا کوئی نئی اور انوکھی رسم نہیں ۔ پانچ صدی پہلے مشہور سیاح "فرشتہ" نے ملتان کے لنگاہ حکمرانوں کے نسب پر قیاس آرائی کرتے ہوئے ان کو علاقہ، سبی سے آئے ہوئے افغان بتایا تھا۔ حال ہی میں ہمارے قومی پریس نے ہمارے نئے صدر مملکت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے نسب پر قیاس آرائی کرتے ہوئے ان کو ہریانہ کے راجپوتوں کی اولاد کہا ہے۔ جو ترکِ سکونت کر کے لاڑکانہ پہنچے ان دونوں قیاس آرائیوں میں صرف ایک چیز مشترک ہے کہ یہ دونوں غلط ہیں۔ نہ لنگاہ افغان تھے اور نہ مسٹر بھٹو غیر ملکی حملہ آوروں کی اولاد راجپوت ہیں۔ بلکہ یہ دونوں ملتان کی قدیم شجاع ، غیور، خود مختار ، جمہوریت پسند ملی قوم کے ڈو قبائل کے افراد کی اولاد ہیں۔ مشہور راجہ بکرا جیت بھی ملتان کی ملی قوم کی اولاد تھے ۔

۲۔ ملتان گزیٹئر ۱۹۰۲ء کے موئلف مسٹر ایڈورڈ میکلیگن نے صفحہ ۱۳۸ کے حاشیہ میں ایک مقامی کہاوت نقل کی ہے :۔

منگل جنہاں دی ڈاڈی

سوڈھی جنہاں دی مال

ملی جنے پنج پتر

ڈاہر۔ بھٹہ، لنگاہ، تاریخ۔ شجرا

اس انگریزی دانشور کا جو بعد میں پنجاب کا گورنر بھی مقرر ہوا۔ مقصد وہی تھا جو فرشتہ کا یعنی ملتان کے حکمرانوں کے نسب کی تلاش مقصود تھی۔ انگریز دانشوروں کا سیاسی نسب العین ہمیشہ یہی رہا کہ اپنی مفتوح قوم کی عظمت کے راز کو سربستہ رکھتے تھے، تاکہ احساسِ قدامت و عظمت ان کو بغاوت پر جلد آمادہ نہ کرے۔ مسٹر میکلیگن نے کہاوت کو بلا فہمید و بلا تنقید چھوڑ دیا۔ گو دانشورانہ جذبۂ تحقیق کے تحت اس کو بطور دستاویز حاشیہ میں درج تو کر دیا۔ اس کہاوت یا روائیت کے مصنف نے ان چار مصرعوں میں وادئ سندھ کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کو سمو دیا ہے۔

اس کہاوت کا پہلا سراغ یونانی مؤرخ ایرین کی تاریخ "سکندرِ اعظم" پنگوین کلاسکز نمبر ایل ۱۸ مطبوعہ لندن ۱۹۵۸ء کے صفحہ ۳۰۸ پر ملتا ہے) رومن شہنشاہ ہیڈریمن کے یونانی ہم سبق اور معتمد جرنیل اور گورنر کی یہ تحریر جو اختصار بالتفصیل یا تفصیل بالاختصار کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے متعدد بار مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ سالم کہانی تاریخی واقعات اور جغرافیائی امور کا ایک مربوط ڈھانچہ ہے، ایک حصہ کو دوسرے حصے سے چیک کیا جا سکتا ہے، اتنا قابلِ یقین کہ اس کی کسی ظاہری غلطی یا کمی تفصیل کو غلطی یا کمی نہ سمجھتے ہوئے ہمیں خود اس کتاب کے اندر سے اس کی تردید یا تائید تلاش کرنی پڑتی ہے، اور مل جاتی ہے۔

یونانی مؤرخ ہیرو ڈوٹس کی "تواریخ"، (پنگوین کلاسکز نمبر ۳۴ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء) کے صفحہ ۲۵۶ پہ وادئ سندھ کی ملی قوم کے ملتان کا کبسی پیٹرس کہہ کر اور ایرین کی اس تاریخ کے صفحہ ۲۰۸ پہ لاڑکانہ کا سندھی مانا کہہ کر پہلی بار

Scanned by CamScanner

ذکر آتا ہے۔ اور یہ حسن اتفاق ہے کہ ایرین کی تاریخ اور مشہور یونانی جغرافیہ دان پیٹالمی کا مشہور سیاحت نامہ اور مرتب کردہ وادیٔ سندھ کا نقشہ تقریباً ایک ساتھ ۱۵۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئے، جب کہ سکندرِ اعظم کے ۴۵۰ سال بعد آنے والا غیر ملکی کشن حکمران راجہ کنشکا وادیٔ سندھ میں برسرِ اقتدار تھا۔ اسی طرح یہی تین یونانی دستاویز ہماری قریب از لعید تاریخ کے بنیادی ماخذ ہیں۔

ہیرو ڈوٹس اور ایرین کی تحریروں کو سمجھنے کیلئے ایک نمایاں فرق کا تذکرہ ضروری ہے۔ اول الذکر مؤخر الذکر سے تقریباً چھ سو سال پہلے لکھی گئی۔ مگر ذکر کردہ واقعات کے زمانہ میں صرف ایک سو بیس سال کا فرق تھا۔ سکندرِ اعظم نے ۳۲۵ ق م میں ہندوستان کے کوہِ سلیمان کو عبور کیا۔ اور ہیرو ڈوٹس ۴۸۰ ق م میں پیدا ہوا۔ ہیرو ڈوٹس سیاح تھا۔ اس کے زمانے میں ملک بملک گھومتا رہا۔ لوگوں سے ملتا تھا۔ لوگ اُسے بخوشی و رغبت اپنی پرانی کہانیاں اور اس وقت کے حالات اپنی زبان میں سناتے تھے۔ اور ہیرو ڈوٹس ان کے بتائے ہوئے قبائلی ملکی یا شہری ناموں کو قریب قریب ہوتی مشابہت میں یونانی تحریر میں ڈھال لیتا تھا۔ اس کا حوالہ لیتے وقت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اصل لفظ اصل زبان کا کیا ہوگا۔ اپنی "تواریخ" کے صفحہ ۲۵۶ پر ملتان کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی کے قول کے مطابق اس نے اس شہر کے قدیم نام کاشی آپا پورہ کو کیسی پیٹرس کر دیا۔ کوہِ سلیمان کی پشت پر رہنے والی پشت کوہی کے نام سے معروف قوم کو پیکٹی ایکا کر دیا۔ جو اب پختون کے نام سے مشہور ہے۔ سکندرِ اعظم ایک فاتح یلغار کرتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگ بھاگتے اور چھپتے پھرتے تھے۔ دل کا حال بتانا تو درکنار نام بھی

Scanned by CamScanner

سیدھا نہ بتاتے تھے۔ سکندر کے روزنامچہ نویس اور فوجی واقعہ نگار اتنی جلدی میں تھے کہ صرف ان کی قدرتی خصوصیاتِ کردار۔ اطوار اور قبائلی رسم و رواج کی بناء پر ان کا نام رکھ دیتے تھے۔ مکران کے ساحل پر مچھلی کھاتے ہیں تو اچھتوناگی مچھلی خور کہہ دیا۔ دودھ لسّی پر گزارہ کرنے والی چناب کے کنارے کی گوجر چرواہی قوم ہے تو گلو سے یا گلونیکا کر دیا۔ گالا یونانی میں دودھ کو کہتے ہیں۔ عربی لفظ غیل بمعنی دودھ سے مشتق ہے۔ گلو سے اور موجودہ گلیکسو کے دودھ کے ڈبے کی مشابہت قابلِ غور ہے۔ ایرین نے خود صفحہ ۱۸۱ پر کہہ دیا ہے کہ نام میں کیا دھرا ہے۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ اور ایرین کی تاریخ میں دو متضاد خصوصیات ہیں اور ذہن میں رکھنی پڑتی ہیں۔

۷۵۔ ملتان سے لاڑکانہ تک میلی قوم کے ننھیالے سنگلی قوم کا سُراغ

جب سکندرِ اعظم آبی سارس (شاہِ کوہستان) کی راجدھانی سے گزر کر سندھ پار کر کے ٹیکسلا کے راستے جہلم کے کنارے پہنچا تو دوسری طرف جہلم کے بائیں کنارے گجرات کا راجہ مقابلہ پر آ کھڑا ہوا۔ یونانی فوجی واقعہ نگاروں نے اس کو راجہ پورس کر دیا۔ جس کے معنی یونانی میں دریا پار والے کے ہیں۔ یہ یونانی لفظی ترکیب یونانی لفظ پو سے ہے۔ جو عربی لفظ عبر سے مشتق ہے یعنی عبور کر کے پار ہونا۔ ٹیکسلا کا اوپر ذکر آیا وہ بھی دراصل یونانی لفظ ٹیکس سے مشتق ہے۔ یونانی میں ٹیکس قدیم زمانہ کے یونانی فوج کے ڈویژن یا رجمنٹ کو کہتے ہیں۔ ٹیکسلا کے معنی دراصل ڈویژنل ہیڈکوارٹر کے ہیں، اور ٹیکسلا اس کوئی ہندوستانی راجہ نہیں تھا۔

Scanned by CamScanner

بلکہ ایرانی فوج کا ڈویژنل کمانڈر تھا۔ (راقم کی کتاب "سکندر اعظم اور پٹھان عمر اور اعوان" مطبوعہ ادارہ تحقیق و تذکرہ محلہ نقاش احمد پور شرقیہ، اس موضوع پر یونان سے جہلم کے کنارے تک مزید روشنی ڈالتی ہے) جہلم کے راجہ پورس کو ہرا کر سکندر اعظم دریائے چناب کے کنارے آ پہنچا، وہاں ایک قوم بستی تھی جو مویشی پالتی تھی۔ مٹر چراں کاشت کرتی تھی۔ سکندر اعظم بڑا ذہین جغرافیہ دان تھا، یہی مٹر اور چراں کی کاشت اس نے مصر میں نیل کے کنارے بھی دیکھی تھی۔ اس لیئے اس نے اس قوم کو گلوتے کا نام دے دیا۔ یعنی دودھ لسی پینے والی قوم۔ اور دریائے چناب کو اسی نسبت سے واقعہ نگاروں نے اساسینیز نام دے دیا۔ یہ نام لاطینی لفظ اسیکری سے مشتق ہے۔ اور آج بھی انگریزی لغت کا لفظ ایسنس دودھ کو کھٹا کر کے لسی بنانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چناب پار کیا تو سیالکوٹ کا راجہ جسے فوجی واقعہ نگاروں نے دیگر پورس یا پورس ثانی یعنی چناب پار والا راجہ کہا ہے۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک جرنیل کو تعاقب میں بھیج کر سکندر اعظم نے راوی کو پار کیا۔ اس کا رخ بیاس کی طرف تھا۔ یہاں پہنچ کر اسے خبر ملی کہ اس کے غربی پہلو پر ایک خود مختار قبیلہ کیٹھائی (موجودہ کاٹھیا) اس کے مقابلے کی تیاریاں کر رہا ہے (صفحہ ۱۸۳) ان کا شہر سنگالہ ایک مضبوط مرکز تھا۔ اور وہ خود عمدہ اور بہادر سپاہی تھے۔ ان کے دو غربی حلیف ملی اور آکسی ڈرائیکی کے دو خود مختار قبیلے ان کی مدد پر تیار تھے۔ کچھ عرصہ پہلے راجہ پورس اور شاہ ابی سارس نے ان تینوں کی خود مختاری پر حملہ کیا تھا۔ مگر ناکامیاب رہے۔ آپ نے دیکھ لیا کہ اس جگہ ملی قوم کا خیال سنگلی تور اور ملی قوم کے سسرال آکسی ڈرائیکی یعنی سوڈی قوم کا یکجا سراغ ملتا ہے۔ جس کو ملتانی کہا رت

Scanned by CamScanner

میں ذکر آیا تھا۔ کاٹھیا قوم آج بھی ضلع ساہیوال اور ضلع لائل پور میں موجود ہے۔ سکندرِ اعظم یہ خبر سن کر سنگالہ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں پمپراما شہر میں ادریتی قوم نے بغیر مقابلہ ہتھیار ڈال دیئے۔ غالباً وہ پوست کے پجاری تھے۔ جس کے سُرخ پھول دیکھ کر یونانیوں نے پمپراما کا نام دے دیا۔ سکندرِ اعظم پھر آگے بڑھا اور سنگالہ کے شہر کو زیروزبر کردیا۔ سنگالہ کا لفظ بھی فوجی واقعہ نگاروں کی اختراع ہے۔ اس میں بھی وہی لفظ گالا یعنی دودھ شامل ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہاں دودھ کم مہیا ہو سکتا تھا سن کے معنی یونانی میں بغیر کے ہیں۔ غالباً یہ کاٹھیا قوم ایک صحرائی قوم تھی۔ یعنی دریا کے کنارے سے دُور رہتی تھی۔ اور دودھ اتنا ارزاں نہ تھا۔ سانگلہ ہل کا شہر آج بھی چناب اور راوی کے درمیان حال میں سیراب شدہ صحرا میں یادگار کھڑا ہے۔ اس مہم کو حل کرکے سکندرِ اعظم بیاس کے کنارے جا پہنچا۔ جہاں فوج کے آگے بڑھنے سے انکار پر وہ واپس جہلم کی طرف چل پڑا۔ جنرل کننگھم کے قول کے مطابق وہ قصور کے مقام سے واپس ہوا۔

۴۶۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک۔ ملی قوم کا حدودِ اربعہ

آیئے اب ہم ملی قوم کا حدود اربعہ دریافت کریں۔ دریائے جہلم پر واپس پہنچ کر دریائی بیڑا بنا کر سکندرِ اعظم جہلم کے راستے ملی قوم کی سرکوبی کیلئے چل پڑا اس کو سنگلی اور ملی قوم کے اتحاد کی یاد تازہ تھی۔ دو روز کی مسافت پر وہ ایک مقام صوفیتیز کے محل پر پڑا جس کو ایرین نے پیلس آف صوفیتیز کہا ہے۔ (صفحہ ۱۹۴)

Scanned by CamScanner

بعض مورخین نے یہ سمجھ کر کہ ڈھائی ہزار سال پہلے دریائے جہلم یہیں چلتا تھا۔ جہاں اب کوہستانِ نمک کے دامن میں چل رہا ہے۔ اس مقام کو کوہستانِ نمک کے حکمران کا دارالخلافہ کہا ہے۔ قیاس غالب ہے کہ یہ موجودہ چنیوٹ کا مقدس سمت جہاں جوگی ٹیلہ کی قسم کا کوئی صوفیوں یا جوگیوں کا استھان تھا۔ جہلم اور چناب کے سنگم پر پہنچ کر اپنے مشرقی پہلو کے تحفظ کے لیے سکندر اعظم جنوب مشرق کے اس راوی پر اسی مقام کی طرف چل پڑا جہاں سے ملی قوم کی آبادیاں شروع ہوتی تھیں۔ ایرین نے اس سفر کی مسافت اور جغرافیائی ویرانی کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ لمبے سفر ایک جگہ پانی کا جوہر ملا غالباً یہ رچنا اور چج دوآب اس وقت بھی ایسے ویران تھے جیسا کہ حال ہی تک نئی نہروں کے نظام سے پہلے رہے۔ تاریخ اس تعجب انگیز امر کی شاہد ہے۔ اور موجودہ وقت جغرافیائی دریائی آثار بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ ایام قدیم سے ہمیشہ شورکوٹ کے قریب جنوب مشرق یا شمال میں جہلم اور چناب کا سنگم چلا آیا ہے۔ ایرین نے اس سنگم سے راوی تک پہنچنے کی مسافت ۶۲ میل بتائی ہے (صفحہ ۱۹۷) جو اب بھی شورکوٹ اور کمالیہ کے درمیانی فاصلہ ہے۔ ہڑپہ کمالیہ کے سامنے راوی کے پار سے ان جغرافیائی امور کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایرین کے تذکرہ کی تفصیل پڑھ کر ثابت ہوتا ہے کہ ہڑپہ ہی ملی قوم کے علاقہ کا برہمن گڑھ تھا۔ جس کو ایرین نے برہمن ٹاؤن کہا ہے۔ (صفحہ ۱۹۹) اور یہ ایرین کے بتلائے ہوئے تین برہمن گڑھوں (صفحہ ۱۹۹، ۲۰۹ - اور ۲۰۹) میں سے پہلا برہمن گڑھ ہے۔ جہاں ملی قوم کے برہمنوں نے سکندرِ اعظم سے یوں دادِ شجاعت لی کہ وہ سب مارے گئے۔ اور وہ ان کا ایک فرد بھی قیدی نہ بنا سکا۔ اس کے برہمن گڑھ

کے سر کرنے کے بعد کی تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ راوی کے ساتھ ساتھ یلغار کرتا ہوا تلمبہ تک آپہنچا جہاں وہ مَلی قوم کے ایک اور شہر پر حملہ کرتا ہوا زخمی ہوگیا۔ تفصیل صاف بتاتی ہے کہ وہ شہر وادیٔ چناب کے سنگم کے قریب اوپر کی طرف راوی پر غالباً تلمبہ ہی تھا۔ گو ملتان اس وقت ملی قوم کا ہی شہر ہوگا۔ مگر وہ اس وقت کے چناب کے پار تھا۔ اور سکندرِ اعظم وہاں نہیں گیا۔ یہ ایک اور تعجب انگیز امر ہے کہ ملتان کے قریب ایام قدیم سے راوی اور چناب کا سنگم جنوب مشرق یا شمال میں رہا ہے۔ ایرین نے یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ زخمی ہونے کے بعد سکندر راوی کے کنارے پہنچ کر کشتی کے ذریعہ سنگم پر پہنچا۔ جہاں اس کی دیگر افواج چناب کے راستے پہنچ چکی تھی۔ صاف طور پر بتلایا گیا ہے۔ مفتوحہ ملی قوم کے چناب پار کے باقی ماندہ حصے یعنی ملتان کے نمائندے اسے ملے اور اطاعت قبول کی۔

۴۷۔ مُلتان توں لاڑکانہ تک ملی قوم دے نام دی لُغوی وضاحت اور مُلتان دا ھیروڈوٹس دا کیسی پیڑس (کاشی آپاپورہ) ہووݨ دا ثبوت

اس بہادر قوم کا نام بھی یونانی واقعہ نگاروں کا رکھا ہوا ہے۔ یونانی زبان میں ملوئی لمبے بالوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جو عربی لفظ لمہ بمعنی زلف سے مشتق ہے۔ چونکہ ان لوگوں کے سر کے بال لمبے ہوتے تھے۔ اس لیے واقعہ

نگاروں نے ان کو تلی کا نام دے دیا۔ یہ علاقہ سخت گرم تھا۔ جہلم اور چناب کا سنگھم شورکوٹ کے قریب اور وادی چناب کا سنگھم ملتان کے قریب اور بیاس کا سنگھم کچھ دور جنوب میں کہروڑ کے قریب تلی قوم اس تمام علاقے کی زرخیزی کے ضامن تھے پنجاب کے چار دریاؤں کا اور دریائے سندھ کا جوعزب میں اس وقت ملتان سے زیادہ دور نہ ہوگا۔ پانی سارا سال موجود رہ کر اس علاقے کو زرخیز بنا دیتا تھا۔ کپاس کی کاشت تاریخ انسانیت میں سب سے پہلے یہاں ہوئی۔ ہیروڈوٹس نے بھی اپنی تواریخ میں صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۹ میں ملتان کیسی پیٹرس اور اس کے گرد و پیش کے علاقے پیکٹی ایکا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں ایک درخت سا پودا اگتا ہے جس پر پشم اُگتی ہے۔ جو بھیڑ کی پشم سے زیادہ نفیس اور عُمدہ ہوتی ہے۔ جس کو ہندوستانی اپنے کپڑے بنانے کے لیئے استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے ملک کے سوتی نفیس کپڑے ململ کا نام اس علاقے اور تلی قوم کے نام پر ہے۔ پشتو زبان میں جو پیکٹی ایکا کی موجودہ زبان سے کپاس کو ملوچہ کہتے ہیں۔ اور وُہ اس تلی قوم کے علاقے کے نام کی نسبت سے رکھا گیا ہے۔ ہیروڈوٹس نے صفحہ ۲۱۵ پر دارا اوّل شہنشاہِ ایران کی سلطنت کے بیس صوبوں کی فہرست دی ہے۔ اس کے بیسواں صوبہ انڈیا یعنی ہندوستان دکھایا ہے۔ جس سے مراد وادی سندھ کا علاقہ تھا۔ یہ صوبہ ۳۶۰ ٹیلنٹ (بابلی وزن) سونے کی کترن بطور خراج دیتا تھا۔ اس کا ذکر کرنے کے بعد ہیروڈوٹس یہ بتلاتے ہوئے کہ یہ سونا انڈیا والے کہاں سے حاصل کرتے تھے۔ اس نے صفحہ ۲۱۲ پر کیا ہے، کہ وادی سندھ کے شرق میں ایک بہت بڑا ریتیلا صحرا تھا۔ جس میں مختلف قسم کے مردم خور اور سبزی خور قبیلے رہتے تھے۔ آخر میں وہ اس صحرا کے شمالی ترین حصے

Scanned by CamScanner

کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ علاقہ کیسی پیڑس (یعنی کاشی آپا پورہ ۔ ملتان بقول البرونی) اور پیکٹی ایکا دلیپشت کوہی یعنی کوہِ سُلیمان کے پٹھان) کے متصل تھا جس کے لوگ اپنے ہمسائیوں، باختریہ کے لوگوں کے رہنے سہنے کے طور طریقہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ اور تمام ہندوستانیوں سے زیادہ بہادر تھے۔ یہی لوگ جو اس صحرا سے سونا برآمد کرتے تھے ۔ اس صحرا میں جو میرے قیاس میں تھل کا موجودہ صحرا ہی مُراد ہے۔ ایک جانور کا ذکر کرتا ہے۔ جو ایک بڑی سی چیونٹی یا دیمک تھی لومڑی سے بڑی مگر کتے سے چھوٹی۔ اپنے رہنے کے بل کو بناتے وقت یہ سونے سے بھرپور ریت کو باہر نکال کر ڈھیر لگا دیتی تھی۔ اگر کوئی اس کے بل کے قریب آتا تو کاٹنے کو دوڑتی۔ یہ بہادر پٹھان گرم وقت میں جب وہ اپنے بل میں چھپی ہوتی تھی، تیز رفتار اونٹوں پر جا کر ریت کی بوریاں بھر کر بھاگ آتے تھے۔ آج بھی دریائے سندھ پر تاربیلہ ڈیم کے سامنے بستیوں کے باشندوں کو دریائے سندھ کی ریت سے سونے کے ذرات کو معروف عام طریقوں سے جدا کر کے روزی کماتے دیکھا ہے۔ یہی دریائے سندھ تھل کے صحرا میں میانوالی سے شورکوٹ سدھنائی، کچا کھوہ اور میلسی کے راستے ڈیرا ور تک جاتا تھا۔ جہاں آج پانچہزار سالہ تاریخ چشمہ جہلم میلسی ننک کی صورت میں دہرائی جا رہی ہے۔ اس سونے کی موجودگی کی وجہ سے ملتان کا قدیم نام بھی کاشی آپا پورہ پڑ گیا۔ یعنی دریا کے کنارے والا سونے کا شہر۔ کاشی سونے کے رنگ والے کو کہتے ہیں۔ ہیروڈوٹس سے ہزار سال بعد آنیوالے محمد بن قاسم عرب جرنیل کو اس ملتان میں ایک مندر سے دو سو تیس من اور چالیس مٹکے سونے کی کترن کے ملے۔ (چچ نامہ صفحہ ۵۲۱ حاشیہ صفحہ ۴۴۳) ثابت ہوا کہ البیرونی کا تیاقیہ صحیح تھا۔ کہ ملیوں کا ملتان قدیم زمانے

کا کاشی آپا پوزہ تھا۔ جس کو ہیروڈوٹس نے کیسی پیٹرس کہا۔

۴۸۔ مُلتان سے لاڑکانہ تک ملّی قوم کے سسرال آکسی ڈرائیکی (سو گڈیائی۔ سوڈی) کا حدود اربعہ اور اُن کے نام کی لغوی وضاحت اور اس تثلیثِ اقوام کی اہم خصوصیت یعنی سر کے لمبے بالوں کی توضیح

آیئے اب تثلیث اقوام کی تیسری شریک قوم آکسی ڈرائیکی ، یا سو گڈیائی (سوڈھی) کو تلاش کریں۔ یہ ملی قوم کے عزب میں دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر موجودہ ضلع ڈیرہ غازی خان اور ضلع مظفر گڑھ کے جنوبی حصوں میں اوچ سے لیکر کوہِ سلیمان کے دامن میں کاہا زود کوہی کے کنارے داجل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے نمائندوں نے بھی یہاں آکر اطاعت قبول کی۔ اوچ کے قریب کی سوڈی قوم کو مختلف یونانی جغرافیہ دانوں نے ، سو گڈیائی۔ سوڈرائی یا سیبوی کہا ہے۔ مگر ایرین نے سکندرِ اعظم کی فوج کے واقعہ نگاروں کا رکھا ہوا نام آکسی ڈرائیکی لکھا ہے۔ کیا یہ نام اس امر کی دلالت نہیں کرتا۔ کہ اس وقت بھی داجل نسل کے بیل۔ اپنی خصوصیات کے مالک تھے۔ جن کی وجہ سے آج بھی مشہور ہیں۔ سنسکرت

Scanned by CamScanner

بن بیل کو اُکش کہتے ہیں۔ جس سے لفظ آکسی بمعنی بیل مشتق ہے۔ اس نام کا آخری جزڈ رائیکی بھی یونانیوں کا رکھا ہوا ہے۔ اس کے معنی سانپ کے ہیں۔ انگریزی لفظ ڈریگن بمعنی اژدہا اسی یونانی لفظ ڈرائیکی سے مشتق ہے۔ غالباً ان کے بھی بڑے لمبے لمبے بال ہوتے تھے۔ وہی پرانا قصہ سانپ کی طرح لہراتی ہوئی زلفوں کے تخیل کا ہے۔ ہیروڈوٹس نے ملتان کا ذکر کیسی پیٹرس کہہ کر یونانی امیر البحر سکائی لیکس کے دریائی دورے کے آغاز کے مقام کے طور پر کیا تھا۔ (صفحہ ۲۵۶) سکائی لیکس کے دورے کی تفصیل کی اصل کتاب تو یونانیوں کے وقت ہی میں غائب ہو گئی تھی۔ لیکن اس کا ایک اقتباس ایک دوسرے یونانی سیاح اولنس کرائنٹس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ کہ سکائی لیکس دریا کے کنارے رہنے والی ایک قوم کے بڑے قلعہ پر پہنچا، اس قوم کا نام اوپی آئی تھا۔ یونانی زبان اوپس سانپ کو کہتے ہیں۔ جو عربی لفظ افعی سے مشتق ہے جس کے معنی سانپ کے ہیں۔ دیکھ لیں بات اس سانپ جیسی زلفوں پر آ کر ختم ہوئی۔ خدا جانے ہڑپہ میں بھی جس کو میں نے اوپر تلی قوم کا برہمن گڑھ کہا ہے، آخری جز اپہ اسی سانپ جیسے بڑے بالوں کی نسبت سے رکھا گیا ہو۔ ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ رگ وید میں ہڑپہ کو ہری آپا کہا گیا ہے۔ رگ وید کا نام بھی یونانی زبان سے غالباً نسبت رکھتا ہے۔ آج بھی یونانی لفظ ریجیس رائل بادشاہوں کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ میرا قیاس غالب ہے کہ کوہ ہمالیہ کے پہاڑی دامنوں کے جنگلوں میں رہنے والے آریاؤں کی نظر میں جن کے نمائندے راجہ پورس اور ابی سارس تھے۔ پنجاب کے دریائی میدانوں میں رہنے بسنے والی

دیں بہادر بھی تھیں اور خوش قسمت بھی۔ رگ وید میں اسی پہاڑی اور میدانی قوموں کے رشک اور حسد کے قصے ہیں۔ چونکہ پنجاب کے میدانوں کی سنگلی۔ ملی اور سوڈی خود مختار قومیں لمبے بالوں والی ان کے غرب میں تھیں۔ اسی لیئے لمہ کا لفظ غرب کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ جیسا کہ آج بھی سرائیکی زبان میں راسخ ہے۔ اور اسی نسبت سے کہ سرائیکی بولی لمبے بالوں والی قوموں کی زبان تھی۔ جو غرب میں رہتی تھی۔ سرائیکی زبان کو بھی لہندہ کا نام دے دیا گیا۔ جس کے معنی اترنے یا غروب ہونے کے ہیں۔ چونکہ سورج غرب میں اترتا ہے۔ یعنی غروب ہوتا ہے۔

۴۹۔ ملتان سے لاڑکانہ تک۔ سندھ اور چناب کے سنگھم پر سکندر اعظم کے تعمیر کردہ شہر کا موجودہ کہروڑ پکا ہونے کا ثبوت

ملتان کے سامنے شرق میں راوی اور چناب کے سنگھم سے چل کر سکندر اعظم بیاس اور چناب کے سنگھم کو نظر انداز کرتے ہوئے چناب اور سندھ کے سنگھم پر آپہنچا غالباً بیاس کا سنگھم بھی اس سنگھم کے اوپر قریب ہی تھا۔ جہاں اس نے اپنا مشہور عالم حکم دیا کہ اس سنگھم کے اوپر ایک شہر آباد کیا جائے جو رہتی دنیا تک قائم رہے۔ اور اس شہر کے متعلق تمام قیاس آرائیاں اوچ کے قدیم شہر پر مرکوز رہی ہیں۔

تاریخ اور جغرافیہ کا ایک افسوسناک امر یہ بھی ہے کہ سیاحوں اور جغرافیہ دانوں

Scanned by CamScanner

کے سفر کے دوران کئی تاریخی مقامات اور دیگر جغرافیائی شواہد ان کی نظروں سے اوجھل رہے، ضلع ملتان کی تحصیل میلسی کا کہروڑ پکا اور تحصیل رحیم یار خان کا پتن منارہ ان میں سے دو ہیں۔ دریائے بیاس کے قدیم آثار کہروڑ پکا کے شمال میں اور تلمبہ کے قریب سے آنے والے چناب کے قدیم آثار اس کے غرب میں آج بھی موجود چناب کے پار ضلع مظفرگڑھ میں روہیلاں والی کے قریب جنوب مشرق... کے رخ کہروڑ کی سمت پڑے ہیں۔ سکندرِ اعظم کے بعد جیسا کہ تاریخ شاہد ہے۔ ۵۷ ق م میں ملی قوم نے اسی مقام کہروڑ پکا پر ستھین قوم کو شکست دے کر اپنے وطن سے نکال باہر کیا تھا۔ ایام قدیم سے دریا مواصلات کا ذریعہ تھے۔ سکندرِ اعظم اور ستھین اور ملی جرنیلوں کی نظر میں مواصلات کے سنگھم پر قبضہ اتنی فوجی اہمیت رکھتا تھا جتنا آج کے جرنیلوں کی نظروں میں اہم ریلوے جنکشن۔ ایرین کی شہادت موجود ہے کہ سکندرِ اعظم نے یہاں اپنی یونانی فوج کا ایک اہم حصہ اہل تھریس کی پوری فوج کو اس سنگھم کے نئے شہر کے لئے چھوڑ دیا (صفحہ ۲۰۷) اور اس سنگھم پر دریائی جہازوں کیلئے پختہ گودیاں بنوائیں۔

۵۰۔ ملتان سے لاڑکانہ تک۔ راوی اور بیاس کے درمیان اور کنار بیاس کی اقوام آبستانی یاتری اور ساڈینمیز کا ذکر

جب سکندرِ اعظم کنارِ راوی سے چناب اور راوی کے سنگھم پر پہنچا تھا

تو اس نے جنرل پرڈیکا کو کنار بیاس کی اقوام کو سر کرنے کے لیے روانہ کیا۔ سندھ اور پنجاب کے سنگھم پر اس کی واپسی کی انتظار کی گئی۔ (صفحہ ۲۰۷) دوران مہم جنرل پرڈیکا نے دو اقوام آبستانی اور یاتری کو مغلوب کیا۔ یاتری قوم نے اور ان کی قسم کی دوسری خود مختار اقوام نے سکندر کے لیے نئی کشتیاں بنا کر پیش کیں۔ جیسا کہ عرض ہوا تھا۔ دریاؤں کے نام یونانیوں کے خود ساختہ ہیں۔ یونانی میں پانی کو ہائڈرد کہتے ہیں۔ جہلم کا نام اس نسبت سے ہائڈ سپیز رکھ دیا۔ راوی غالباً دو یا زیادہ دریاؤں یا رودکوہیوں کا مجموعہ تھا۔ اس لیئے اس کو ہائیڈروٹس کر دیا۔ بیاس کا نام ایک اور نسبت سے ہائیفنیس رکھ دیا گیا۔ اس کے معنی پرندے کے دو تین شاخوں والے پاؤں کے ہیں۔ جس طرح بطخ کے پاؤں کو دیب کہتے ہیں۔ یعنی پنجہ۔ غالباً دریائے بیاس جب پنجاب میں آکر ملتا تھا تو اس کی بہت ساری شاخیں بن جاتی تھیں۔ ان شاخوں کے درمیان سیلاب بھرا رہتا تھا۔ جس طرح بطخ کے پنجے میں جھلی۔ غالباً ایسی ڈیلٹائی علاقے میں قوم آبستانی رہتی تھی۔ ممکن ہے یہ نام ایرانیوں نے آب یعنی پانی کی نسبت سے رکھا ہو۔ اور اسی قسم کی قوم یاتری بھی تھی جو پانی کے ساتھ ساتھ سکڑنے اور پھیلنے اور چلنے پر نقل مکانی کرتی تھی۔ سنسکرت میں یاتری خانہ بدوش لوگوں کو کہتے ہیں۔ آج بھی ضلع ملتان کے اندر چھ اقوام جھبیل، کیہل، لبانا، ہتھم، اوڈ پکھی دار، دریاؤں کے کنارے رہتے ہیں۔ کشتیاں بناتے بھی ہیں اور چلاتے بھی ہیں۔

تیسری قوم سادینیز کا ذکر ایک منظم اور متمدن قوم کی طرح کیا گیا ہے۔ ان کے سفراء نے آکر اطاعت قبول کی۔ جنرل کنگھم نے ان کو صوتی نسبت سے اجودھنز سمجھا

ہے ۔ موجودہ پاکپتن کا قدیم نام اجودھن ہے ۔ میری رائے میں رام چندرجی کا اجودھیہ بھی یہی تھا۔ جنرل کنگھم نے موجودہ جویہ قوم کو سکندرِ اعظم کے وقت کے اجودھنز کہا ہے۔ یہ صحیح گمان ہے کیونکہ آج بھی یہ جویہ قوم پاکپتن سے لیکر کہروڑ پکا تک موجودہ دریائے گھارا کے دونوں کنارے آباد ہے۔ اور کہروڑ پکا کو میں نے سکندرِ اعظم کے وقت میں چناب اور سندھ کے سنگھم پر بنا ہوا شہر کہا ہے۔

۵۱۔ ملتان سے لاڑکانہ تک

قدیم زمانہ میں اوچ اور لاڑکانہ دریائے سندھ کے ایک ہی طرف دائیں طرف تھے

اس سنگھم سے چلتے وقت سکندرِ اعظم نے اپنی فوج کی ترتیب میں خصوصی تبدیلی کی۔ اس نے حکم دیا کہ ہاتھی اور دوسرا بھاری اسلحہ بائیں کنارے چلے کیونکہ دایاں کنارہ اسی فوج کیلئے ناقابلِ سفر تھا۔ (صفحہ ۲۰۷) یہ امر شاہد ہے اس بات کا اور اس کی شہادت ۶۷۵ سال بعد کنشک راجہ کنشکا کے وقت میں آنے والے یونانی جغرافیہ دان پٹالمی کے ۱۵۰ء میں تیار کردہ نقشہ سے مل جاتی ہے۔ اس سنگھم کے نیچے دریائے سندھ کے دائیں طرف کوہِ سلیمان سے چھوٹے بڑے کوہستانی نالے آ پڑتے تھے اور دریائے سندھ چناب کا پانی لینے کے بعد خود بھی کوہِ سلیمان کے دامن کے نشیبوں میں اپنی شاخیں نکال

ڈالا تھا۔ ان شاخوں کی شہادت موجودہ دریائے سندھ کے پار ضلع جیکب آباد، ضلع سکھر، ضلع لاڑکانہ اور ضلع دادو میں تا جھیل منچھر اور سہوان مل جاتی ہے۔ اسی پانچ شاخوں کے نکلنے کے آثار کشمور کے قریب سے لاڑکانہ تک ملتے ہیں۔ آخری اور پانچواں قدیم دریائی راستہ لاڑکانہ کے قریب سے نکل کر موہنجو ڈارو کے غرب میں قریب ہی جاتا ہے۔ یہ تمام راستے جیکب آباد کے شمال اور لاڑکانہ کے جنوب میں موجودہ دریائے سندھ سے چل کر گرڈھی خیرو اور ایک دوسرے مقام نیرو یر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ نئی گڈو بیراج کی نہریں اور پرانے سکھر بیراج کی نہریں انہی دریائی راستوں کے رُخ بہتی ہیں۔ اور بعض تو ان کو استعمال کر چکی ہیں۔ موجودہ سطح زمین کی سطح سمندر سے فراز کی لیول اب بھی صاف بتاتی ہے۔ کہ خانپور (ضلع رحیم یار خان) سے موجودہ نہروں کا پانی بھی جیکب آباد تک پہنچ کر سیراب کر سکتا ہے۔ ان کی سطح کے لیول بھی علی الترتیب ۲۹۵ ۱۸۵۔ اور درمیانی فاصلہ ۱۳۶ میل ہے، یہ تقریباً ایک میل میں ایک فٹ سلامی ہے۔ جو واٹر کورس کی ہوتی ہے۔ جبکہ دریا دو سے تین میل تک کی لمبائی میں ایک فٹ کی سلامی رکھتے ہیں۔

آج کے جغرافیہ دانوں نے بھی صوبہ سندھ کے ضلع جیکب آباد اور ضلع لاڑکانہ کے سندھ ڈھورو اور ضلع دادو کے سندھ حالو کا ذکر کیا ہے۔ اور دادو کے کوہ کیرتھر کے دامن کے علاقہ میں مختلف بارانی جھیلوں کی موجودگی اس امر کی مزید شاہد ہیں۔ منچھر جھیل ان میں آخری اور نمایاں ہے۔ ایک اور جغرافیائی امر قابل ذکر ہے کہ تقریباً اپرچ کے عین سامنے داجل کے قریب کوہ سلیمان

Scanned by CamScanner

اپنا شمالاً جنوباً رخ تبدیل کر کے بستی کی طرف شمال مغرب کے رخ مڑ جاتا ہے یہ فزیکل عمل غالباً کوہ سلیمان اور کوہ کیر تھر کے درمیان ایک نشیبی کو کھ (کچھی) بن جانے پر منتج ہوا۔ دریائے سندھ تو ابھی موہنجوڈارو کے مشرق میں پہنچا ہے۔ اور اس کے لیئے الا خطرہ بن چکا ہے۔ غالباً چناب ...... اور سندھ کے سنگھم کے نیچے قدیم تاریخ کے ایام میں دریائے سندھ کے غرب میں یہی نکلنے والی پانچ شاخیں اور سبی و ڈھاوڑ پر نکلنے والے بلوچستانی دریا، دریائے ناری اور دریائے بولان دراصل ضلع لاڑکانہ کے موہنجوڈارو کی زرخیزی اور خوشحالی میں شریک تھے۔

۵۲۔ ملتان سے لاڑکانہ تک

سوگڈیا کے محل کے جائے وقوع کی وضاحت

پنجاب اور سندھ کے سنگھم سے چلنے کے بعد سکندرِ اعظم ایک مقام سوگڈیا پر پہنچ گیا۔ جس کو ایرین نے رائل پیلس آف سوگڈیا کا نام دیا ہے۔ (یعنی سوگڈیا کا محل) جنرل کننگھم نے موجودہ دور کے پنجاب سندھ سنگھم کے، کوٹ مٹھن پر ہونے کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ضلع رحیم یار خان کے مقام سرواہی (سیوراہی) کو سوگدیا کا محل قرار دے دیا۔ جنرل کننگھم کا یہ قیاس ایک صدی پہلے کے عدم سہولتِ سفر کی مشکلات کے زمانے میں قابلِ تحسین تو ہے مگر قابلِ یقین نہیں۔ شمالی کرۂ ارض میں چلنے والے میدانی دریا خطِ استوا اور قطب شمالی پر گردش زمین میں فرق کی وجہ سے ہمیشہ اپنا شمالی کنارہ

Scanned by CamScanner

کاٹ کاٹ کر شمال اور غرب کی طرف ہٹتے رہے ہیں۔ اسی طرح ڈھائی ہزار سال پہلے دریائے سندھ کو اس مقام پر موجود سمجھ لینا غلط ہے۔ آیرین کے طرزِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقام اس وقت کے سندھ چناب سنگھم کے قریب ہی نیچے تھا۔ کیونکہ اس تھوڑے سے سفر میں کسی واقعہ کے رونما ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اور دوسری چیز قابلِ غور یہ ہے کہ اگر شاہی محل سے مراد شاہی دار الخلافہ ہے تو کسی مقابلے کا ذکر ہوتا جو مفقود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مملکت کے حکام سے پہلے ہی مصالحت ہو چکی تھی۔ اور یہ قیاس صحیح بھی ہے۔ کیونکہ آکسی ڈرائیکی قوم کے ساتھ راوی چناب کے سنگھم پر صلح ہو چکی تھی۔ اور یہ ان کی راجدھانی تھی۔ اکثر مورخین نے ایرین کی تاریخ میں ستلج کے ذکر کی ناموجودگی کا شکوہ کیا ہے دراصل اس محل سو گدیا پر ستلج اور سندھ کا سنگھم تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سکندرِ اعظم نے یہاں بھی پختہ گودیوں کی تعمیر کرائی اور اپنی کشتیوں کے بیڑے کی مرمت بھی کرائی۔ اور ایک قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ سکندرِ اعظم نے جیسے کہ سندھ اور چناب سنگھم پہ ایک شہر اور پختہ گودیاں تعمیر کرائیں تھیں۔ اسی طرح اس سنگھم سے تھوڑے فاصلے پر نیچے قلعہ اور پختہ گودیاں بنوانے کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی ایک مواصلاتی جنکشن تھا۔ اور اس لئے اہمیت رکھتا تھا۔ قیاس غالب ہے کہ یہی ستلج اور سندھ کا سنگھم تھا۔ چونکہ ستلج ان قدیم ایام میں شمال کی طرف قانونِ غرب روی کے تحت زیادہ نہ بڑھا تھا۔ اور چناب اور سندھ اسی قانون کے تحت زیادہ غرب میں نہیں بڑھے تھے۔ اور اس طرح ان کا مقامِ اتصال ابھی تک ستلج کے

شمال میں تھا۔

آیئے ہم سوگڈیا کی اصطلاح کی وجوہ کو تلاش کریں جن کی بناء پر یونانیوں نے یہ نام رکھا۔ جب سکندرِ اعظم وادیٔ سندھ میں آنے سے پہلے کوہ ہندوکش کو عبور کر کے باختریہ کو فتح کر کے دریائے آکسس (جیحوں) کی طرف بڑھا تو موجودہ روسی ازبکستان کا نام سوگڈیانا رکھا تھا موجودہ تاشقند اسی ملک کا اب دارالخلافہ ہے۔ اور اس کے قریب اوچ کرغان اور اوچ آدھ جاپ ہیں۔

ساگ (ایس۔او۔جی) انگریزی لغت (چیمبرز ڈکشنری) کے مطابق ایک گیلے مقام کو کہتے ہیں۔ جس میں دلدل ہو۔ اس کے ماخذ سے لغت میں لاعلمی ظاہر کی گئی ہے۔ جیسا کہ فصل ۱۵ میں اوپر کہا گیا ہے۔ سکندرِ اعظم نے ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کو دائیں جانب نہیں جانے دیا تھا۔ یہ تصدیق ہو جاتی ہے۔ اس امر کی کہ اس طرف نشیب ہونے کی وجہ سے دریا کا سیلاب نکلا کرتا تھا۔ اور دلدلیں بنی رہتی تھیں۔ ہماری اپنی زبان سرائیکی میں ساگ سبز پتوں والی سبزیوں سے بنی ہوئی لغدہ نما پلپلی غذا کو کہتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ازبکستان کو بھی ایسی سیلابی دلدلوں کی موجودگی کی وجہ سے سکندرِ اعظم نے سوگدیانا کا نام دیا تھا۔ اور وادیٔ سندھ کے اس سیلابی علاقے کو سوگدیا کر دیا۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس علاقے کے باشندوں کو آکسی ڈرآیکی کا نام دیا گیا۔ کیونکہ وہ ان سیلابی علاقہ کی چراگاہوں میں مویشی پالتے تھے۔ اور بعد میں ان کو سوگڈیائی اور سوڈی اور سیوی نام دے دیا گیا۔

Scanned by CamScanner

یقین غالب ہے کہ موجودہ اوچ کے کہیں قریب اس زمانے کا سوگڈیا کا محل تھا۔ اور اس وقت دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ پٹالمی نے ۱۵۰ء میں اوچ کو آرسٹو بوتھرا لکھا ہے۔ اور جیسا کہ اوپر ایک پہلی فصل میں عرض کیا جا چکا ہے۔ دریائے سندھ اس وقت موجودہ احمد پور شرقیہ کے کہیں نزدیک تھا۔ جہاں اس کے ساتھ اس زمانے کے دریائے ستلج کا سنگم تھا۔

ستھین قوم دریائے جیحون کے کنارے اس زمانے کے سوگڈیانا (موجودہ ازبکستان) میں آباد تھی جیسا کہ اوپر فصل ۲۹ میں وادئ سندھ کے حکمرانوں کے چوتھے دور۔ ساکا دور کے ذکر میں عرض کیا گیا ہے۔ کہ باختریوں کے بعد ۱۳۰ ق م میں مشرقی ترکستان میں رہنے والی، ترکی یا ستھین نسل کا قبیلہ شمال سے کراکرم کے راستے وادئ سندھ میں گھس آیا۔ ان کو ان کے قبیلہ کے ایک دوسرے حصہ نے جن کو یوچی کہتے ہیں ۱۶۰ ق م میں ان کے وطن مشرقی ترکستان سے نکال دیا تھا۔ قدرت کا کرنا دیکھئے کہ اب اسی ساکا قوم کے ایک تیسرے قبیلے اولیغر یا اُس نے اپنے وطن ترکستان سے یوچی قبیلہ کو مغربی ترکستان دھکیل دیا۔ جہاں وہ دریائے آکسس کے دونوں کناروں پر آباد ہو گئے۔ یوچی قبیلہ کے پانچ حصے تھے، جن میں سب سے بڑا کشنا قبیلہ تھا اس کے سردار کدفیسس اول نے اپنی قوم کے پانچوں قبیلوں کو متحد کر لیا اور افغانستان کو فتح کرنے چل پڑے۔ اور پھر وادی سندھ کی انڈو پارتھین حکومت پر حملہ کر دیا۔ اور ان کا خاتمہ کر دیا (غالباً مروٹ اور ڈیراور کے درمیان

ہیں کڈڈ والا اسی کڈفیس کی یادگار ہو گا) اور اس کی بجائے کشنا سلطنت قائم کردی ۔ مگر یہ سلطنت کشمیر پنجاب اور بہاولپور سے آگے نہ بڑھی ۔ اوچ سے ۱۴ میل شرق والے احمد پور شرقیہ سے ۲۱ میل دور شرق والے سوئی دیہاڑ کے کتبہ سے پایا گیا ہے کہ یہ دیہاڑ اسی کشنا خاندان کے راجہ کنشکا کے وقت میں اس کی تخت نشینی کے گیارہ سال بعد ۱۲۶ء میں تعمیر ہوا ۔ اس بادشاہ کے وقت میں کشنا سلطنت کا عروج تھا۔ یہ بادشہ غالباً ۱۲۵ء میں تخت پر متمکن ہوا ۔ اور بدھ مذہب اختیار کرلیا۔ اس تبدیلی مذہب کی یادگار میں اس نے ایک میڈل جاری کیا۔ جس میں گوتم بدھ کی شکل کندہ کردی تھی۔ یہ میڈل ۱۵۲ء میں جاری ہوا ۔ اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ ٹالمی کے نقشہ میں وادی سندھ کی جغرافیائی حالت اسی راجہ کنشکا کے وقت کی ہے

میری رائے یہ ہے کہ موجودہ اوچ کے اردگرد کا علاقہ وادی سندھ کے حکمرانوں کے ہر دور میں دارالخلافہ رہا ۔ اور ٹالمی نے آرسٹو بوتھرا لکھ کر اس وقت کے حکمران کنشکا کے دارالخلافہ کی نشاندہی کی ہے ۔ انگریزی لغت میں آرسٹو کے لفظ سے مخصوص با اختیار طبقہ مراد ہے ۔ اور بوتھرا سے غالباً مسکن، رہائش گاہ مراد ہے ، یہ ترکیب دارالخلافہ کے مقام کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ چونکہ اس وقت سیتھین قوم کا یوچی قبیلہ کے کشنا حصہ کا کنشکا برسرِ اقتدار تھا۔ اس لیے یہی کنشکا کا دارالخلافہ تھا اور یوچی قبیلہ کے نام پر اس شہر کا نام یوچی (وائی ۔ یو سی ۔ ایچ ۔ آئی) تھا۔ الفرڈ ہوعرفل نے اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۴۶ میں یوچی

کا یہی انگریزی ہجا دیا ہے ۔ حالانکہ اصل تلفظ صرف یو ۔ سی ۔ ایچ تھا ۔ آج بھی مشرقی ازبکستان کے دارالخلافہ تاشقند کے شرق میں اوچ کرغان اور اوچ ادچک

Scanned by CamScanner

کے شہروں کے نام انہیں تین حروف یو۔ سی۔ ایچ کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ اس طرح ثابت ہوا کہ اوچ کا نام اسی وجہ سے آجتک اوچ مشہور ہے۔ یہ ٹیالے کا ارسٹوپوتھرا اور کنشکا کا دارالخلافہ یعنی یوچی قوم کا دارالخلافہ جس طرح مظفرگڑھ کا سیت پور۔ سیتھین کے دور میں دارالخلافہ تھا۔ اور کوٹلہ موسیٰ خان کے قریب ہتھیجی سفید ہن قوم (ہیتل قوم) کے وقت میں دارالخلافہ تھا۔ اسی واسطے تو یہ روایت مشہور ہے کہ یہ تینوں شہر مختلف ادوار کے اوچ تھے۔ جس طرح جمنا کے کنارے دہلی کے کھنڈرات دور دور تک مختلف حکمرانوں کے ادوار کے صدر مقاموں کے کھنڈرات ہیں۔ وادئ سندھ میں اوچ کے گرد و پیش کے علاقے کو مرکزی حیثیت رہی ہے۔ سکندر اعظم کے وقت میں سوگڈیا کا محل بھی اس قرب وجوار میں تھا۔ آکسی ڈرائیکی کو سوگڈیائی کہا گیا ہے۔ اور پھر سوڈی اور پھر سیوی اور پہلے جیسا کہ عرض ہو چکا ہے سوڈ دلدلی علاقے کو کہتے ہیں۔ جس میں پانی کی جھیلیں ہوں۔ ہندوستان کا سوراشٹر اور یورپ کا سویڈن اسی نسبت سے موسوم ہیں۔ اور غالباً اوچ سے لیکر سیوان تک سارا علاقہ اسی سیوی قوم کا علاقہ تھا۔

۵۳۔ ملتان سے لاڑکانہ تک۔ سکندر اعظم کی سلطنت میسوسی کینس کے دارالخلافہ میں آمد

سوگڈیا کے محل سے روانگی کے بعد وہ بڑی تیزی سے شاہ میسوس کینش کی سلطنت کی حد پر پہنچ گیا۔ پیشتر اس کے کہ اس حکمران کو سوگڈیا سے روانگی کی

Scanned by CamScanner

اطلاع ملی اس وقت تک نہ تو اس حکمران نے خود آکر اطاعت تسلیم کی تھی اور نہ کوئی نمائندے بھیجے تھے۔ اس کی سلطنت ہندوستان میں سب سے زیادہ امیر سمجھی جاتی تھی۔ وہ سکندرِ اعظم کی آمد سے گھبرا گیا۔ اور فوراً قیمتی تحائف اور اپنے تمام ہاتھی لے کر پیش ہو کر معذرت خواہی کی۔ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی اور اپنی رعایا کی طرف سے اطاعت کا اظہار کیا۔

سکندرِ اعظم کے دل کو موم کرنے کے لئے غلطی کا اعتراف ایک بڑا کارگر نسخہ تھا۔ چنانچہ سکندرِ اعظم نے اسے معاف کر دیا۔ اور اس کا اپنی سلطنت پر نام رہنا منظور کر لیا۔ سکندرِ اعظم نے اس کے ملک کی زرخیزی اور اس کے دارالخلافہ کی خوبصورتی کو سراہا۔ سکندرِ اعظم نے جنرل کریٹرس کو جو سندھ کے بائیں کنارے بحری بیڑے کے ساتھ ساتھ نگرانی کرتا ہوا آرہا تھا، حکم دیا کہ وہ دارالخلافہ کے اندرونی قلعہ کو مضبوط اور اس میں یونانی افواج کو تعینات کرے۔ حکم کی پوری تعمیل سکندرِ اعظم کی موجودگی میں کر دی گئی۔ کیونکہ قرب و جوار کے قبائل کی نگرانی کے لئے یہ موزوں مقام تھا۔ اور اس لیے اس کو مرکزی چھاؤنی کا درجہ دے دیا گیا۔

اب تک مورخین کے سامنے قابلِ حل سوال یہ رہا ہے۔ کہ سلطنت میوسی کینش کا دارالخلافہ کہاں واقع تھا۔ جنرل کننگھم نے ضلع رحیم یار خان کے سرواہی (سیوراہی) کو سوگڈیا کا محل تصور کرتے ہوئے جیسا کہ فصل ۵۲ میں عرض ہوا ہے۔ ۹۰ میل نیچے موجودہ سکھر اور روہڑی کے سامنے اس سے ۵ میل جنوب، مشرق میں پہاڑی پر واقع ایک نام نہاد شہر الور کو میوسی کینش کا

دارالخلافہ تصور کیا ہے۔ قارئین کے سامنے گذشتہ فصل میں دلائل کے ساتھ احمد پور شرقیہ سے ۱۴ میل غرب والے اوچ کے مقام کو سوگڈیا کا محل ثابت کیا جا چکا ہے۔ ایسے ہی مضبوط دلائل کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اوچ سے تقریباً ۹۰ میل دور موجودہ رحیم یار خان سے ۷ میل جنوب مشرق میں واقع پتن منارہ میوسی کینس کی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ خدا بھا نے کنجرال کنگھم جیسے جغرافیہ دان اور مورخ کی نظر سے پتن منارہ جیسا بلند و بالا آثارِ قدیمہ جس پر اب تک بدھ مت کی ایک خانقاہ کا پختہ مینار کھڑا ہے۔ کیوں اوجھل رہا۔ اس کے ارد گرد ۲۰ میل کے اندر اندر دروازہ کا کھنڈر۔ کھوکھر کا کھنڈر۔ نبدور کا کھنڈر۔ اور موٗ مبارک کا سرواہی جیسا بلند و بالا ٹیلہ نما قلعہ اور تاجگڑھ کا سرواہی جیسا بلند و بالا ٹیلہ نما قلعہ آج بھی پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہ مقام ہزارہا سال تک اس علاقہ کے تمدن اور تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔ جس طرح اوچ کے گردو پیش کا ۱۰ میل کے اندر اندر کا آثارِ قدیمہ سے پُر علاقہ اس علاقہ کی تہذیب و تمدن کا مرکز رہتا تھا۔ سرواہی اوچ کے مقابلے میں جیسا کہ راقم کے مشاہدہ میں آیا ہے صرف ایک انفرادی ٹیلہ نما قلعہ ہے۔

اور پتن منارے کے علاقے کے مقابلہ میں روہڑی کے مقام سے ۵ میل جنوب مشرق والا ایک پہاڑی پہ واقع نام نہاد الور ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ اور باوجود سکھر بیراج کی نارا کینال کے اس کے قریب بہہ جانے کے آج بھی اس کے گردو پیش چٹیل میدان پڑا ہے۔ کیونکہ دریائے سندھ کی اس نہر کا پانی اس رقبہ پر چڑھ کر سبزا نہیں کر سکتا۔ جبکہ ایرین نے میوسی کینس کے دارالخلافہ کو ایک خوبصورت شہر اور اس کی سلطنت کو ایک سرسبز خوشحال اور امیر ترین سلطنت بتایا ہے۔

Scanned by CamScanner

جو الور کو دیکھ کر بعید از گمان معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں پتن منارہ کا گرد و پیش آج بھی ایک زرخیز اور متمول ترین علاقہ ہے۔ اور متصلہ بالا تمام کھنڈرات سر سبز و شاداب لہلہاتے کھیتوں کے درمیان کھڑے ثبوت بہم پہنچا رہے ہیں۔ کہ میوسی کینس کا دارالخلافہ یہی پتن منارہ تھا۔ جس سے سات میل شمال مغرب میں موجودہ رحیم یار خان کا صنعتی اور تجارتی شہر اس کا تاریخی وارث ہے آیئے ہم مختلف ادوار پتن منارہ اور اس کے گرد و پیش کے کھنڈرات کو مختلف ناموں کے ساتھ ایک عظیم شہر اور دارالخلافہ چلے آنے کے حق میں دلائل تلاش کریں۔ سکندر اعظم کے وقت میں سلطنت میوسی کینس کا یہی پتن منارہ یا اس کے قریب کا کوئی کھنڈر دارالخلافہ تھا۔ بطالمہ کے ۱۵۰ء کے نقشہ میں کشن مہاراجہ کنشکا کے وقت کا بنیا گارا اسی پتن منارہ کے گروپ کا کوئی کھنڈر تھا۔ ہیون سانگ کی آمد پر اس وقت کے سندھ کے برہمن حکمران کا دارالخلافہ بھی یہی پتن منارہ تھا۔ جس کو ہیون سانگ نے پی پشو۔ پو۔ لو لو کا نام دیا ہے۔ ہیون سانگ کے ستر سال بعد آنے والے محمد بن قاسم عربی کا فتح کردہ راجہ داہر کا دارالحکومت اور بھی یہی پتن منارہ تھا۔ اور عربی زبان میں شہر کو کہتے ہیں۔ شہر یا ریاستی کسی ملک کے دارالخلافہ (میٹروپولس) کو کہتے ہیں۔ گو اب عام طور پر کسی چھوٹے یا بڑے شہر کو بھی یہی نام دیا جاتا ہے۔ اور کے صحیح معنی میٹروپلس یعنی دارالخلافہ کے ہیں۔

عربوں نے داہر کے دارالخلافہ کو اور کا نام دے دیا۔

Scanned by CamScanner

۵۴ - مُلتان سے لاڑکانہ تک

کیا پٹن منارہ سلطنتِ میسوسی کینس کا دارُالخلافہ تھا

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ اکثر مؤرخین کی رائے ہے کہ سکھر اور روہڑی کے قریب کا نام نہاد الور سلطنت میسوسی کینس کا دارالخلافہ تھا۔ مگر یہ قیاس سکندرِ اعظم کی رائے کے ساتھ کہ سلطنت میسوسی کینس ایک بہت خوشحال، زرخیز اور امیر ترین سلطنت تھی۔ اور اس کا دارُالخلافہ بہت خوبصورت تھا۔ مطابقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ سکھر کے نیچے دریا مشرقی نارا سے موہنجو ڈارو کے مشرق میں قریب مغربی نارا سے چند میل کے فاصلہ پر اب پہنچ چکا ہے۔ میری رائے میں مشرقی نارا اور مغربی نارا سکندرِ اعظم کے وقت میں دریائے سندھ کے ڈیلٹا کے دو آخری بازو تھے۔ اور سکھر اور روہڑی، اس وقت کی پٹالہ سلطنت کے آغاز پر اس کی راجدھانی تھے۔ اگر آپ مغربی پاکستان کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو اوچ سے لیکر روہڑی تک دریائے سندھ کوہِ سلیمان کی سلامی دار دامن اور کوہِ ارادی کے سلامی دار دامن کے درمیان کی ساٹھ میل چوڑی تنگنائے سے گزرتا ہے۔ کسی دریا کا اس طور کا طویل اور ایک خاص چوڑائی میں محدود راستہ اس خطہ کی دائمی خوشحالی اور زرخیزی کا ضامن بن سکتا ہے۔ اب بھی بہاولپور کی پنجند کینال اوچ کے قریب سے

Scanned by CamScanner

چناب سے نکل کر اور سندھ کی گھوٹکی کینال چناب اور سندھ کے سنگھم (کوٹ مٹھن) کے نیچے سے نکل کر موجودہ دریائے سندھ کے کنارے سے لے کر قدیم دریائے ہاکڑہ کے خشک راستے تک اوچ سے لیکر تقریباً روہڑی تک پوری چوڑائی کی آبپاشی کر رہی ہیں۔ اور پتن منارہ اس ۲۰۰ میل لمبی زرخیز پٹی کے وسط میں سلطنت میوسی کینس کے دارالخلافہ ہونے کا صحیح دعوی کر رہا ہے۔ صرف یہی دلیل کافی نہیں۔ یہ پٹی پنجاب کے چھ دریاؤں کے آخری سنگھم سے سکندر اعظم کے وقت میں شروع ہوتی تھی۔ پنجاب کے میدان پر نظر ڈالیں تو ہمالیہ کے دامن کے روپڑ سے لے کر مادھوپور۔ رسول۔ کالاباغ۔ درہ ٹنک اور ڈیرہ غازی خان کے ہڑند داجل سے گذرتی ہوئی پہاڑوں کی یہ ۱۸۰ درجہ کی نصف قوس اس خطہ کی مختلف المقدار مواسم کے بالائی پانی کی ضمانت دیتی تھی۔ اور اس طرح اس امکان کی بھی نفی کرتی تھی کہ اس ۲۰۰ میل لمبی پٹی میں سیلاب بیک وقت شدت سے یا خشک سالی بیک وقت حدت سے اس سلطنت کے اقتصادیات کو تباہ کر سکتی تھی۔ یہی موسمی امر اس سلطنت کی زرخیزی خوشحالی اور امارت کا ضامن رہا۔ اور اب بھی ضامن ہے۔

آیئے ہم میوسی کینس کے نام کی لغوی اصطلاح کو تلاش کریں۔ میوسی کینس لاطینی زبان میں نباتات کے اس مرطوب آب وہوا والے پودوں کے گروہ کو کہتے ہیں، جن میں کیلا بھی شامل ہے۔ گنا اور دوسرے اسی قسم کے روکھے یا میٹھے پھیکے پودے جو افراطِ آب اور رطوبت ہوا کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور یہی افراط اس ۲۰۰ میل لمبی پٹی میں بموجب تفصیل بالا موجود تھی۔ پچ نامہ

کے صفحہ ۱۹ پر رائے ساہیرس کے اروڑ کے باغات اور سبزہ زاروں کی شادابی کی تعریف بھی ایسے ہی خطہ کے اندر کے کسی شہر پر چائز ہو سکتی ہے۔ نہ کہ خشک پہاڑی پر بنے ہوئے نام نہاد الور کی جو سکھر کے قریب ہے۔ اور میرے یہی دلائل پہچ کے دارالخلافہ، ہیون سانگ کے نام دیئے ہوئے پی۔ شن۔ پو۔ پولو پر بھی صحیح آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ سندھ مصنف لیمبرک کی رائے کہ پہچ کا دارالخلافہ پی۔ شن، پو۔ پولو، جہاں ہیون سانگ گجرات کا ٹھیاواڑ سے ایک (اسں کا بتلایا ہوا) خاص فاصلہ طے کر کے دریائے سندھ کو پار کر کے پہنچا۔ وہ موجودہ الور نہیں تھا۔ بلکہ کوئی اور دریا برد شہر تھا۔ جو کہیں پنوں عاقل کے قریب ہوگا۔ میری اس رائے کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ پنوں عاقل اور پٹن منارہ کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ اور ہیون سانگ کے طے کردہ مسافت پنوں عاقل یا پٹن منارہ دونوں پر پوری بیٹھ سکتی ہے۔ سندھ کے انگریز انں نے خدا جانے کیوں سندھ کی تاریخ کی تلاش موجودہ سندھ کے اندر تک ہی محدود رکھی حالانکہ سندھ کی حد (اوباوڑہ) سے صرف ۲۵ میل اندر پٹن منارہ کے آثارِ قدیمہ کا ایک کثیر اور وسیع گروہ موجود تھا۔ جو اس کے گردو پیش کے دریائی راستوں کے مشاہدہ کے بعد میری رائے میں اس کے ہزاروں سال تک کسی سلطنت کے انتظامی مرکز ہوتے کا بین ثبوت ہیں۔ اب رہا پہچ کے ۷۰ سال بعد آنے والے محمد بن قاسم عربی کا فتح کردہ الور تو اس کے متعلق مجھے مزید دلیل کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا کشن قوم کے مہاراجہ کنشکا کے زمانہ کے پٹالے کے نقشہ ۱۵۰ء میں دکھائے ہوئے جو شہروں کی شناخت

Scanned by CamScanner

بنیاگارا،کاجی گارا، اور دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر اور پار والو تھرا
دائیں کنارے پر اس ضمن میں دُور ڈیلٹا کے آخر پر سمندر کے کنارے
سے کچھ اندر کا شہر بنیا گارا یہ چاروں شہر سکندرِ اعظم کے وقت سے
۵۰۰ سال بعد کے زمانہ میں اسی جغرافیائی پوزیشن میں دکھلائے ہوئے ہیں
جو قریب قریب پٹن مُنارہ کے آثار قدیمہ کے گروپ پر صحیح بیٹھتے ہیں۔
اگر آپ مینا گارا کے ساحلی شہر کے نام سے سراغ تلاش کریں تو بڑا دلچسپ
رہتا ہے۔ کسی مشرق سے غرب بہنے والے دریا کے ڈیلٹا میں شرقی طرف کے
بازو زیادہ دیر تک مستحکم رکھے جا سکتے ہیں جبکہ اس کے غرب کے بازوں کے
کسی شہر پر غرب رَوی کے تحت دریان کے رَدوبدل کی تحریک بڑی شدت سے
اثر انداز ہوتی رہتی ہے۔ بنیا گارا اپنی اس جغرافیائی پوزیشن کے لحاظ سے سمندر سے
کچھ اندر لائٹ ہاؤس یا روشنی کے مینار کی حیثیت سے بہت عرصہ تک قائم رہا
تھا۔ غالباً سکندرِ اعظم کے وقت میں بھی یہی شہر یا اس کے قریب مشرقی طرف کے
اندر کا کوئی شہر اندرونِ ملک جہازرانی کے لئے لائٹ ہاؤس یا روشنی کے مینار
کا کام دیتا تھا۔ مینا گارا خود بھی منارا کی قریب ترین صوتی مشابہت رکھتا ہے۔
موجودہ زمانے کے رواج کے مطابق بڑے بادبانی جہاز دور دراز ملکوں سے
تجارتی سامان لے کر اسی مینا گارا کے مقام پر پہنچ جاتے تھے۔ اور پھر وہ سامان
چھوٹے جہازوں پر لاد کر دریا کے راستے بنیا گارا پہنچتا تھا۔ بنیا گارا کے لغوی
معنی تلاش کریں تو انگریزی لفظ بن (بی۔ آئی۔ این) سے مشتق معلوم ہوتا ہے۔
یعنی تجارتی سامان کا ذخیرہ جو اس منڈی سے اندرون ملک مختلف شہروں میں تاجر

لے جاکر پہنچاتے تھے۔ آج بھی اس پٹن منارہ کے قریب ایک آثارِ قدیمہ "بندور" کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ سندھ کے مصنف لیمبرک نے تو یہاں تک بھی کہ دیا ہے پٹالے کا بتایا ہوا بنیا گارا کہیں روہڑی کے قریب کے الور کے پاس تھا۔ اور اس کے قریب ہی پٹالمے کا دکھلایا ہوا مینا گارا بھی تھا جو اس نے غلطی سے دور سمندر کے کنارے دکھایا تھا۔ اگر میری رائے اختیار کر لی جائے کہ موجودہ پٹن منارہ کے قریب بندور بنیا گارا تھا تو لیمبرک کی رائے کہ مینا گارا بنیا گارا کے کہیں قریب تھا۔ اس پٹن منارے پر صحیح منطبق ہو سکتی ہے اور میری یہ قیاس آرائی کہ مینا گارا دراصل مینار تھا، یعنی ساحل سمندر یا ساحل دریا پر روشنی کا مینارا اور یہی پٹن منارے کے نام کی بھی تصدیق کر دیتا ہے۔ اور آج بھی پٹن منارے کے کھنڈرات پر واقع ایک بدھ مت کی خانقاہ کے مینار کو بعض مورخین روشنی کا مینار بھی سمجھتے ہیں۔ سر آرل سٹین کا قول ہے کہ یہ تیسری صدی کی بنی ہوئی بودھ خانقاہ ہے۔ راجہ کنشکا کی دوسری صدی کے درمیان کے نقشہ کی تاریخ (۱۵۰ء) سر آرل سٹین کا اندازہ کوئی حرفِ تورات نہیں سمجھا جا سکتا۔ اب آیئے بنیا گارا کے سراغ کو موجودہ زمانے میں تلاش کریں۔ کیا ہندی زبان کا لفظ بنجارہ اسی شہر کے وجود کا ثبوت نہیں دیتا۔ آج بھی بنجارہ قوم کے افراد سر پر تجارتی سامان لاد کر بستی بستی فروخت کرتے رہتے ہیں۔ غالباً اسی تاریخی تجارتی منڈی کے نام پر ان گشتی تاجروں کو آج تک بھی بنجارہ کہا جاتا ہے۔ اور یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بنیا گارا کے کچھ عرصہ تک دریا کے ہٹ جانے کی وجہ سے ویرانی کی طرف جانے سے اس تجارتی شہر کے باشندے

Scanned by CamScanner

اس شہر کو چھوڑ کر دوسری جگہ پھیل گئے۔ اور اپنے وطن کے نام پر بنجارہ کہلائے جس طرح بعد کے اروڑ سے ترکِ سکونت کرنے والے اروڑا کہلائے۔

آیئے اب کامیگارا کی طرف، میری رائے ہیں اس زمانے کی طرزِ حکومت کے مطابق تجارتی شہر اور صنعتی شہر علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے۔ اس وقت بھی مناسب ہوگا، جیسے آج بھی مناسب ہے، میرا خیال ہے کہ کامیگارا ایک صنعتی شہر تھا۔ اور اسکی نسبت سے ہم تک بھی ایک کم معروف لفظ کمنگر سرائیکی بولنے والے علاقے میں مستعمل ہے۔ جس کے معنی عام طور پر ان معماروں کے لئے جاتے ہیں۔ جو عمارتوں میں نقاشی کا کام کرتے ہیں۔ گارا کا لفظ اگر غور کریں تو ماخذ ہے گرڈھ گڑھی جیسے لفظوں کا اور اس طرح کامیگارا مزدوروں کا گڑھ تھا یعنی کمی، ہاتھ سے کام کرنے والے صنعتی مزدوروں کا شہر۔ اب لیجئے دریائے سندھ کے پار کے بنیاگارا کے تقریباً سامنے پار دا بوتھرا کو پاردا لفظی مشابہت کی وجہ سے فرانسیسی لفظ پاردیو بمعنی خدا انگریزی لفظ پرڈیشن بمعنی خدا کے منکر ہونے کے قریب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہ غالباً یونانیوں کے وقت کی یادگار رہا۔ اور یہ ایک مذہبی مرکز تھا جس طرح اوچ کے آثارِ قدیمہ کے گروپ میں آرسٹو بوتھرا ایک انتظامی اور سیاسی مرکز تھا۔ غالباً یہی پاردا بوتھرا برہمن گڑھ جس کے برہمنوں نے شاہ میوسی کینس کو سکندرِ اعظم سے صلح وصفائی کے بعد ورغلا کر بغاوت پر آمادہ کرلیا تھا جس کی یادداشت میں (دیکھیئے ایرین کی تاریخ سکندرِ اعظم، صفحہ ۲۰۹) سکندرِ اعظم نے ان برہمنوں اور شاہ میوسی کینس کو اس کے دارالخلافہ ہی میں پھانسی چڑھا دیا تھا۔ جس طرح پنجاب کے میدان میں ہڑپہ

Scanned by CamScanner

برہمن گڑھ تھا، اس طرح اس دو سو میل لمبی اور ۶۰ میل چوڑی زرخیز سلطنت کا یہ پاروا لوتھرا برہمن گڑھ تھا۔ تیسرا برہمن گڑھ جس کا ذکر بعد میں آئے گا سندھ اور کچھی کے میدان کے وسط میں تھا۔ جس کو اب موہنجوداڑو کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر پہلے بھی ہڑپہ کے ضمن میں آیا ہے۔

ایک اور نمایاں خصوصیت پٹن منارے کو سکندرِ اعظم سے عطا ہوئی کہ اس نے اس مقام سے گورنر آکسی کینس کے خلاف بڑی مہم اختیار کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی پٹن منارے کے سامنے کوہ سلیمان کے دامن تک دریائے سندھ کے دائیں کنارے اسی گورنر آکسی کینس کی حکومت تھی، اور غالباً وہ ایرانیوں کے حلیف ہونے کی وجہ سے سکندرِ اعظم کے مفتوح قرار دیئے جاتے تھے۔ اور اس لیئے اس پر لازم تھا کہ وہ سکندرِ اعظم کے پیش ہو کر اطاعت قبول کرتا ایسا نہ کرنے کی پاداش میں اس کے خلاف مہم اختیار کی گئی۔ اس گورنر کا علاقہ غالباً۔ رودجھان۔ جیکب آباد اور اس کے پرے تک بھاگ ناڑی تک جاتا تھا۔ اور اسی علاقہ میں بنیا گارا اور پاردا لوتھرا کے قریب سے ایک شاخ دریائے سندھ سے نکل کر کوہ باتیاں تک جاتی تھی۔ جس کو چچ نامہ نے کوہ پایہ کہا ہے۔ اور یہ وہ پہاڑ ہے جو موجودہ رودجھان سے کوہ سلیمان کی شمال مغربی شاخ کی صورت میں مڑ کر سبی تک جاتا ہے۔ میں ٹپالمے کے نقشہ (۱۵۰ء) کا حوالہ دے رہا ہوں۔ اس شاخ کی انتہا ایک دوشاخہ کی صورت میں ہوتی تھی جس مقام کے قریب ایک شہر موزونا واقع تھا۔ چچ نامہ نے ایک ..... شہر رودجھان کا ۱۹ صفحہ پر ذکر کیا ہے جہاں

Scanned by CamScanner

اب مزاری بلوچ قوم آباد ہے۔ اغلب ہے کہ موزدنا اس وقت بھی اس مزاری قوم کا وطن تھا۔ اور آج بھی اس رو جھان سے کچھ دور مغرب میں دریائے سندھ سے ایک قدیم دریائی راستے کے نشانات جیکب آباد کے شمال تک اور پھر مڑکر بھاگ ناری کے علاقہ کے علاقہ میں سے گزرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ اور دوسری شاخ میں جا ملتی ہے۔ ان شاخوں کا ذکر اور فصل ۱۵ میں بھی آچکا ہے۔

آکسی ڈرائیکی کی طرح آکسی کینس کا نام بھی قابل غور ہے۔ جس طرح آکسی ڈرائیکی کے قدیم علاقہ داجل کے بیلوں کی نسل آج بھی مشہور ہے۔ اسی طرح آکسی کینس کے علاقہ میں بھاگ ناری بیلوں کی نسل آج بھی مشہور ہے۔ میری غرض اس طویل توضیح سے یہ بھی ہے کہ سکندر اعظم راجہ کنشکا اور رائے ساہیرس کے وقت تک جغرافیائی حالات تقریب قریب ایک ہی تکوینی طرز پر تھے۔

آیئے اب پاردابوغرا کو موجودہ آثارِ قدیمہ کے درمیان تلاش کریں۔ پٹالمے کا نقشہ سکیل کے لحاظ سے زیادہ معتبر نہیں کہا جا سکتا۔ پٹن منارہ سے پرندے کی اڑان ۲۰ میل دور شمال مغرب میں بھٹہ واہن کا ایک بلند و بالا شہر موجود ہے۔ موجودہ دریائے سندھ کے قرب کی وجہ سے ابتک ایک چھوٹی سی بستی کی صورت میں آباد ہے۔ پٹالمے کے نقشہ میں پٹن منارہ اور پاردابوغرا دریائے سندھ کے آرپار تھے۔ اور دریائے سندھ ایرین کے الفاظ میں بھی اور موجودہ مشاہدہ میں بھی طغیانی کے وقت

۱۰ میل سے کم چوڑا نہیں ہوتا۔ اس لیے پتن منارہ سے ۲۰ میل پر بھٹہ واہن پر پاردا ابوتھرا ہونے کا صحیح گمان ہوسکتا ہے۔ مزید برآں بہاول پور گزیٹیر کے مطابق اس قدیم شہر میں جس کی تاریخ دو ہزار سال سے بھی زیادہ پرانی کہی گئی ہے۔ برہمنوں کی ایک نسل آباد تھی اور وہاں ایک ایسا مقام ہے جہاں اگر کوئی بچہ پیدا ہو تو وہ معزز ترین انسان بنتا ہے۔ روائیت ہے کہ ابوالفضل اور فیضی بھی اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ اور مشہور عشقیہ کہانی سسّی پنوں کی سسی بھی یہاں پیدا ہوئی جو مشہور تھانی برہمنوں کے خاندان سے تھی۔ آئین اکبری میں اس شہر کا نام بھورتی واہن کہا گیا ہے جو پوتھرا کے لگ بھگ صوتی مشابہت رکھتا ہے۔ تھانی برہمنوں کی ایک شاخ پشکارناس کہلاتی ہے۔ اغلب ہے کہ بھٹہ واہن ہی پاردا ابوتھرا تھا۔ اسی مرکزی چھاؤنی (پٹن منارہ) میں پیالا کا بادشاہ سکندر اعظم کو ملنے آیا۔ اور اطاعت قبول کی ایرین نے کہا ہے وہ سندھ کے پورے ڈیلٹا کا بادشاہ تھا۔ اور اس کا یہ ملک دریائے نیل کے ڈیلٹا سے بھی کہیں بڑا تھا۔ اسی ایک قول کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ پیالا اس وقت روہڑی اور سکھر کے مقام پر واقع تھا۔ جہاں سے اب بھی قدیم مشرقی نارا۔ اور غربی نالہ ڈیلٹا کے دو تہائی بازوؤں کی صورت میں موجود ہیں۔ اور دریائے سندھ آج تک بھی مشرق سے غرب روی کے قانون کے تحت غرب تک ابھی غربی نارا کو نہیں پہنچ سکا۔ موہنجو دارو آج غربی نارا اور موجودہ دریائے سندھ کے درمیان گھرا ہے۔ اگر ہم روہڑی سکھر کو پیالا تسلیم کرلیں تو پتن منارہ کا اردگرد ہونا سمجھ

Scanned by CamScanner

میں آسکتا ہے۔ یہ بھی ایک صحیح قیاس ہے کہ سندھ کے موجودہ دو اضلاع ٹھٹھہ (سندھ کے شرق میں) اور تھرپارکر سکندرِ اعظم کے وقت میں سمندر تھے۔ آج بھی نقشہ کا مطالعہ صاف تبلا رہا ہے کہ ان دو اضلاع میں زمین کی سطح سمندر کی سطح سے اکثر و بیشتر ۵۰ فٹ سے کم ہے۔ آج موجودہ زمانے میں نواب شاہ اور حیدرآباد کے ٹنڈو محمد خان میں کیلا کاشت ہو کر مغربی پاکستان کی ضرورت پوری کر رہا ہے۔ تو جس وقت اضلاع ٹھٹھہ اور تھرپارکر سکندرِ اعظم کے وقت میں سمندر تھے تو سمندر کی مرطوب ہوائیں پچن منارہ تک پہنچ کر کیلے کی کاشت کے لئے موافق مرطوب موسم پیدا کر سکتی تھیں۔ اس لئے یونانیوں نے اس میوہ کی کاشت کی بنا پہ اس علاقہ کا نام میبوسی کینس رکھ دیا۔ عربی میں بھی کیلے کو موز کہتے ہیں۔ جو عربی کے مادرالسنہ ہونے کا ثبوت ہے۔ یونانی فوج کے واقعہ نگار ایسی طبع آزمائی کے عادی تھے۔ پٹالہ کا لفظ خود بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ دریا وہاں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ پاٹ دینا تقسیم کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا قیاس ہے پٹالہ موجودہ حیدرآباد کے سامنے سانگھڑھ کے ضلع میں تھا۔ اور بعد میں اس جگہ برہمن آباد کا مشہور ایرانی شہر بنا۔ جس کو بعد میں عربوں نے نیا رنگ دے کر منصورہ رکھ دیا۔ آئینِ اکبری نے منصورہ کو روہڑی اور سکھر کے درمیان والے بکھر میں بتایا ہے۔ یہ میرے قیاس کی ایک اور تائیدی دلیل ہے کہ سکندرِ اعظم کے وقت میں پٹالہ یہیں تھا۔ اور سکھر کے الور کے کھنڈرات برہمن آباد

کے کھنڈرات ہیں جو پرانے کھنڈرات سانگڑھ کے ضلع میں پٹالہ برہمن آباد اور منصورہ کے بتائے جاتے ہیں۔ وہ چچ نامہ کے مطابق اروڑ کے تھے جس کو چچ نے سمندر کے قریب میں بنانا شروع کیا تھا۔ اور داہر سینہ نے آ کر مکمل کیا (چچ نامہ صفحہ ۱۷) اس جغرافیائی ترتیب مقامات سے محمد بن قاسم کی پیش قدمی کی روئداد بھی سمجھ آسکتی ہے۔ ورنہ چچ نامہ کا یہ کہ محمد بن قاسم اروڑ سے روانہ ہو کر منزل بہ منزل طے کرتا ہوا۔ بیاس کے کنارے آپہنچا قابل فہم نہیں رہتا۔ اگر اروڑ سکھر اور روہڑی کے قریب سمجھ لیا جائے تو بیاس کے کنارے تک ۲۰۰ میل لمبے علاقے میں اس کو کسی مزاحمت کا درپیش نہ آنا دور از فہم ہو جاتا ہے۔ اب بھی اس ۲۰۰ میل لمبی پٹی میں جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ بے شمار پرانے شہروں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اگر اروڑ پٹن منارے پر سمجھ لیا جائے تو پھر پٹن منارہ کے مضافات سے بیاس تک کسی فوجی رکاوٹ کا درپیش نہ آنا سمجھ میں آسکتا ہے۔

آیئے لگے ہاتھوں تین اور دلائل پٹن منارہ کے میسوسی کینس کا دارالخلافہ ہونے کنشکا کا مینا کارا ہونے، چچ کا پی۔شن۔پو۔پولو ہونے (بمطابق ہیون سانگ) اور داہر کا اروڑ (بمطابق چچ نامہ) ہونے کے پیش کردوں۔

۱۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ سکندر اعظم نے پٹن منارہ کی مرکزی چھاؤنی سے گورنر آکسی کینس کے خلاف بڑی مہم جاری کی۔ اس کو موجودہ چیلب آباد تک ختم کرنے کے بعد سندیمانا کے بادشاہ سمبوس کے خلاف

Scanned by CamScanner

جنوب کی طرف حملہ آور ہوا۔ (دیکھیئے تاریخ ایرین صفحہ ۲۰۸) اس کا تفصیلی ذکر نیچے علیحدہ فصل ۵۵ میں آئے گا۔ اس جگہ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ سکندرِ اعظم کے وقت میں بھی جغرافیائی تکوینی ترتیب اسی طرح تھی جس طرح آج ہے۔ پنجاب کے اضلاع بہاول پور اور رحیم یار خان سندھ کے اضلاع جیکب آباد سکھر۔ لاڑکانہ ۔ دادو اور قلات کا ضلع کچھی کوہِ سلیمان اور کوہِ کیرتھر کے دامنوں میں سیہوان تک دریائے سندھ کے ڈیلٹائی علاقہ کے بالکل باہر تھے۔ یعنی پٹالہ کی شاہی سے باہر تھے۔ بالفاظِ دیگر پٹالہ اس وقت کا صوبہ سندھ تھا۔ اور یہ اضلاع زرخیزی شادابی اور خوشحالی کے لحاظ سے مختلف تھے۔ اور شاہ میسوسی کینس، گورنر آکسی کینس اور سندیمانا کے بادشہ سمبوسس کے زیرِ نگیں تھے۔ طرفہ یہ ہے کہ رائے ساہیرس، چچ اور محمد بن قاسم کے وقت میں بھی یہی اضلاع ان کے صوبہ سیوستان میں شامل تھے۔ طرفہ تر یہ ہے کہ ابوالفضل کے آئینِ اکبری کے صوبہ ملتان کی سرکار بکھر میں بھی یہی علاقے شامل تھے۔ آج بھی سرائیکی کے مقابلہ میں خالص سندھ زبان کو "وچولو" کہتے ہیں۔ یعنی وچ والی یعنی اندر والی جس سے مراد یہ ہے کہ اس قدیم زمانہ کے ڈیلٹائی علاقہ کی یہی زبان تھی جو روہڑی سکھر سے شروع ہو کر مغربی نارا اور مشرقی نارا کے درمیان بولی جاتی تھی۔ یہ امر بھی دلچسپ ہے کہ سندھ کے اضلاع جیکب آباد، سکھر، لاڑکانہ، اور دادو، اور قلات کے ضلع کچھی کی زبان سرائیکی ہے جو ملتان اور بہاول پور کی زبان ہے۔ اگر سندھی وہاں مروج ہے تو وہ انتظامی اختلاط کی وجہ سے ہے۔ ورنہ جیکب آباد

Scanned by CamScanner

لاڑکانہ، دادو اور کچھی کے تمام اصلی باشندے بلوچ اور ہندو (کراڑوں) کی زبان سرائیکی ہے جو ملتان اور بہاولپور کی زبان ہے۔ راقم کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ مارے بلوچستان میں جہاں جہاں بھی ہندو ہوں گے۔ چاہے وہ کچھی ضلع کے لہری، ڈھاوڑ۔ گندھاوا۔ اور کوٹڑا کے ہوں یا ضلع چاغی کے نوشکی کے ہندو ہوں یا وہ ضلع قلات کے قلات اور خضدار کے ہندو ہوں، سرائیکی بولیں گے۔ اور سندھ میں "وچولو" بولی بولنے والے علاقے میں بھی جہاں جہاں بلوچ ہوں گے وہ سرائیکی بولیں گے۔ چاہے وہ سانگھڑ کے مری بھی کیوں نہ ہوں اس مشاہدہ سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ بلوچ اور ہندو دراصل قدیم وادیٔ سندھ کے اصل باشندوں کے باقی ماندہ ہونے کا اپنی بولی سے ثبوت بہم پہنچاتے ہیں فرانسیسی جغرافیہ دان ویوین وی سینٹ مارٹن نے بھی یونانی جغرافیہ دان پلینی کے جمنا اور انڈس کے درمیان اور انڈس کے ساتھ ساتھ کنارے پر رہنے والے ۵۳ قبیلوں کو موجودہ زمانہ کے بلوچ قبیلوں کے ناموں کے مترادف بتلایا ہے۔ گو جرمن جغرافیہ دان وان لیسن نے اس پر اعتراض کیا اور بلوچوں کو بعد میں ماضی قریب میں وادی سندھ میں آیا ہوا بتلایا۔ تاریخ سندھ کے مصنف لیمرک نے جرمن لیسن کو صحیح بتایا ہے۔ مگر میری رائے میں فرانسیسی سینٹ مارٹن کی عمیق نظر صحیح نکتہ پہ پہنچی تھی۔ رگ وید میں بتلائی ہوئی ایک قوم مستوئی آج بھی ملتان اور سندھ کے علاقوں میں مستوئی بلوچ کے نام سے مشہور ہے۔ حالانکہ مستوئی بگڑ کر مستوئی ہوا۔ اور بلوچ کا نام غلط العام رواج کے مطابق ٹانک دیا گیا۔ تاریخ مغربی پاکستان مصنفہ اردو ترقی بورڈ لاہور نے

رگ وید کی ایک قوم گورمان کا ذکر کیا ہے۔ آج بھی گورمانی قوم گورمانی بلوچ کے نام سے مشہور ہے۔ بلوچ کا غلط العام تتمہ لگا دیا ہے۔ اس طرح سے پنوں قوم کا بھی ذکر ہے۔ اور غالباً سسی پنوں کی کہانی میں سسی کے عاشق کا نام پنوں دراصل اس کے قبیلہ کا نام ہے۔ جو آج بھی مکران کے علاقے میں پنوں بلوچ کے نام سے مشہور ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ تینوں مثالیں کوہِ سلیمان کے دامن کے ساتھ ساتھ کی ہیں۔ رگ وید کی بتائی ہوئی دو قومیں داگہ اور سمو کا بھی کوہِ سلیمان کے دامن میں سندھ کے کنارے ضلع رحیم یار خان میں آج بھی موجود ہیں۔ مگر کسی وجہ سے ان کے ساتھ بلوچوں کا تتمہ نہیں لگ سکا۔ پرانی عشقیہ کہانیوں میں بھی عاشق اور معشوق کے نام بھی قبائلی ہوتے تھے۔ نہ کہ انفرادی۔ جھنگ شورکوٹ کے ہیر رانجھا کی مثال لیجیے دراصل ہیر سے مراد آہیر قوم کی عورت ہے اور یہ ذکر ایک اور دلچسپ موضوع کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ قرآن کے اصحاب الرّس اس وادی میں شورکوٹ سے سبی تک تھے۔ جیسے اوپر کی ایک فصل میں ذکر آچکا ہے۔ ہندوؤں کی سنسکرت کتابوں نے اس کو سویرس یا ابھی رس کر دیا ہے۔ جب ان کے باقیاتِ سکندرِ اعظم کے حملے کے بعد سمٹ سمٹا کر دریائے سندھ کے ڈیلٹا کے اوپر تک پہنچ گئے تھے۔ تو اس علاقہ کو ابیریا کہا جانے لگا۔ بٹالمے نے اس کو اپنے نقشہ میں پٹالہ کے علاقہ کے اوپر دکھلایا ہے۔ ۲۰۰ ق م میں لکھی گئی پتنجلی کی مہا بھاشیا نے بھی ابھی رس اور شدرراز (اوچ کے کشدر کا) کو ایک دوسرے کا حلیف بتایا ہے۔ اور مہابھارت نے سندھ سویراسس کا ذکر کیا ہے۔ الٰلہ آباد

کی لاٹھ پر بھی ابھی رس کا نام کندہ ہے۔

پی۔سی۔ لا نے اپنی کتاب "قدیم ہندوستانی قبائل" میں لکھا ہے کہ ابھی رس کی موجودہ زمانہ میں نمائندگی پنجاب کے آہیر کرتے ہیں۔ تاریخ سندھ کے مصنف لیمبرک نے اس پر کہا ہے کہ کاٹھیاواڑ کے آہیر بھی ابھی رس کی نمائندگی کا حق رکھتے ہیں (تاریخ سندھ مصنف لیمبرک نمبر ۱۱ نوٹ ۱۵) تاریخ میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ نام گھٹ یا بڑھ کر بھی پرانا لغوی تعلق قائم رکھتے ہیں۔ سندھ میں ایک قوم آبڑو بھی مشہور ہے۔

۲۔ سکندرِ اعظم نے انہی وجوہات کی بنا پر پٹن منارہ ہی سے گورنر آکسی کینس اور سمبوس کے خلاف مہم جاری کی، اور ان مہمات سے فارغ ہونے کے بعد اپنے جنرل کریٹرس کو جس کو وہ پنجاب اور سندھ کے سنگم ہی سے بائیں کنارے پر ہاتھیوں اور بھاری اسلحہ کے ساتھ پٹن منارے پر لایا تھا سندھ کو عبور کر کے کوہِ سلیمان کے دامن کے ساتھ ساتھ اضلاع رحیم یار خان، جیکب آباد اور کچھی کے راستے درہ بولان سے گزر کر آراکوسیا (موجودہ کوئٹہ) زرنگیا (موجودہ زنجان) کے راستے کرمانیہ (موجودہ کرمان) جانے کی ہدایت کی۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ پٹن منارہ کے نیچے سندھ کا ڈیلٹا شروع ہوتا تھا۔ اور کریٹرس کی واپسی کیلئے مفصلہ بالا راستہ دریائے سندھ کی دائمی حدودِ سیلاب کے باہر تمام سیلابوں سے محفوظ تر تھا۔

اس دوسری دلیل کے ضمن میں یہ بیان کرنا قارئین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ انگریزی کا مقولہ ہے کہ عظیم شخصیتیں ایک ہی نہج پر سوچتی ہیں۔ اکبر اعظم

Scanned by CamScanner

جیسی عظیم شخصیت کے نورتن سکندرِ اعظم کے ہم خیال ثابت ہوئے۔ جس طرح سکندرِ اعظم نے کریٹیرس کی افواج کی واپسی کے لئے سندھ کے ڈیلٹا کو ترک کرنے اور اس راستہ کو انتخاب کرنے پر مجبور کیا۔ اسی طرح اکبر اعظم کے جنرل مان سنگھ چوہان کو کابل اور قندھار کی مہمات پر جانے کے لئے پنجاب کے پانچ دریاؤں کی گزرگاہوں کو ترک کرنے کے لئے پتن منارہ کے سامنے پنجاب اور سندھ کے مٹھن کوٹ سنگم کے نیچے غالباً اسی گزرگاہ کو اختیار کرنا پڑا جو سکندرِ اعظم کے جنرل کریٹیرس نے اختیار کی تھی۔ میری رائے میں یہ ایک افسوسناک امر ہے کہ ہم اپنی تاریخ اپنی سرزمین کے اندر تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ضلع رحیم یار خان کی تحصیل رحیم یار خان کے اندر ایک مقام "بدلی" کے نام سے مشہور ہے جو ایک بلند و بالا کھنڈر پر واقع ہے۔ اس کے عین سامنے دریائے سندھ کے پار ضلع ڈیرہ غازی خان میں ایک دوسرا مقام "بدلی" ہے۔ یہ موجودہ راجن پور اور روجھان کے درمیان ہے۔ ضلع رحیم یار خان والے بدلی کے ملحق صحال کا ایک موضع کرڈھ مان سنگھ کے نام سے اب بھی موجود ہے (اگر کسی نودولتیے نے اسی موضع میں زمین خرید کر کے اپنے بیٹے کے نام پر اس کا نام کسی جاہل راشی افسر کے توسط سے تبدیل نہ کرا لیا ہو اور تاریخ کے سراغ کو مسخ نہ کر دیا ہو۔ گو زرعی اصلاحات نے یہ امکانات رفع کر کے تاریخ کا تحفظ کر دیا ہے) کرڈھ سرائیکی میں ایک وسیع اصطبل کو کہتے ہیں۔ جہاں سدھے اور ان سدھے گھوڑے پرورش اور تربیت پاتے رہتے ہیں۔ جنرل مان سنگھ جمنا کے دائیں کنارے آگرہ یا دہلی سے روانہ ہو کر دریائے ہاکڑہ کے ساتھ ساتھ

Scanned by CamScanner

رحیم یار خان کے مقام بدلی میں پہنچ جاتا تھا۔ جہاں وہ اپنی افواج کے تھکے گھوڑے تبدیل کر لیتا تھا۔ اور دریائے سندھ عبور کر کے شمالاً کوہِ سلیمان کے ساتھ کابل کی طرف یا غرباً کوہِ سلیمان کے ساتھ سبی اور درہ بولان کے راستے قندھار چلا جاتا تھا۔ اور واپسی پر انہیں دو مقامات پر گھوڑوں کی بدلی پھر کر لی جاتی تھی۔ اسی کر دھمان سنگھ کے ساتھ دو اور مواضعات ہیں جن کے نام کبیر چوہان اور ٹب چوہان ہیں مغلوں کے زمانے میں رسم تھی کہ منصب یافتہ جنرل اور دیگر عمائدین اپنی قوم یا ان کے اعتمادی آدمیوں سے بادشہ کا سپرد کردہ منصوبہ مکمل کرتے تھے اس ضمن میں غالباً مان سنگھ چوہان نے اپنی قوم کے چوہان راجپوت یہاں آکر بسائے جو گھوڑوں کی نسل کشی، پرورش اور تربیت کرتے تھے۔ اب بھی یہاں چوہان قوم کے کثیر افراد موجود ہیں۔ جو اب مسلمان ہیں۔

۳۔ چچ نامہ نے رائے ساہیرس کے خوبصورت دارالحکومت ارور کی تعریف کرتے ہوئے دریائے سیحون یا مہران پر واقع ایک سرسبز اور شاداب علاقہ کہا ہے۔ جیسا کہ اب تک ثابت کیا گیا ہے۔ وہی پتن منارہ تھا۔ آگے چل کر چچ نامہ کہتا ہے کہ رائے ساہیرس نے اپنی حکومت کے چار صوبے وضع کئے تھے۔ جن پر چار حکمران حکومت کرتے تھے۔ ایک جو کشمیر تک حکومت کرتا تھا۔ کا دارالخلافہ ملتان تھا۔ دوسرے کے اسکلندہ اور بھاٹیہ دارالحکومت تھے۔ تیسرے کا جو مکران تک حکومت کرتا تھا۔ سیوستان کا مرکزی شہر اور چوتھے کا برہمن آباد تھا اور آگے چل کر چچ نام کہتا ہے کہ "رائے ساہیرس خود دارالحکومت ارور میں تخت پر جلوہ افروز رہتا اور کردان، کیکانان اور برہاس

کے علاقے براہِ راست اپنے زیرِ فرمان رکھتا تھا"، قارئین خود اندازہ کریں کہ کیشیر اور مکران کے درمیان یا ملتان اور اسکلندہ کے دو شمالی صوبوں اور سیوستان اور برہمن آباد کے دو جنوبی صوبوں کے درمیان مناسب مقام سلطنت کے وسط میں یہی پنج منارہ ہی ہوسکتا ہے۔ شارحین نے کیکانان سے مراد بلوچستان کے اضلاع ژوب (فورٹ سنڈیمن) اور لورالائی لیئے ہیں۔ اور میری رائے میں برہاس سے مراد براہوی قوم جو آج بھی قلات کے پہاڑوں میں آباد ہے اور کردان سے مراد کرد قوم ہے۔ جو آج بھی قلات کے پہاڑوں میں اسی نام سے کہیں کہیں پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ تواں پور کے قریب مشہور اسپلنجی وادی میں ایک اور امر اسی وضاحت میں قابلِ ذکر ہے کہ رائے ساہیرس میدانی دریائی علاقے تو اپنے حکمرانوں کے سپرد کر دیتا تھا۔ لیکن پہاڑی علاقے کے قبائیلیوں کو وہ خود براہِ راست زیرِ نگرانی رکھتا تھا۔ غالباً انگریزوں نے ہماری اس تاریخ سے سبق حاصل کر کے قبائلی امور کو مرکز کے زیرِ نگرانی رکھا۔ جس پر آج تک بھی ہم پاکستان میں قائم ہیں۔

۵۵ ۔ ملتان سے لاڑکانہ تک ۔ کیا شاہِ سمبوس کا دار الخلافہ سند میانہ لاڑکانہ کے قریب تھا ۔ کیا موہنجو دارو بھی اس کی سلطنت کا برہمن گڑھ تھا ؟

خدا جانے حال کے مورخین نے جنہیں جنرل کننگھم جیسا مخلص ماہر آثارِ قدیمہ بھی شامل ہے۔ ایرین کے بتلائے ہوئے سند میانہ کی تلاش میں موجودہ سیوان پر کیوں انگلی رکھ لی۔ اور اب تک اس پر قائم ہیں۔ آئیے ہم اس کے لغوی ماخذ تلاش کریں۔ یونانی فوجی واقعہ نگاروں نے یہاں بھی زرعی اور صنعتی خصوصیات کو مدِ نظر رکھ کر اس کا نام رکھا۔ یونانی زبان میں سنڈان نرم اور ملائم کپڑے کو کہتے ہیں۔ انہوں نے جب اس علاقہ میں کپاس کی کاشت اور اس سے بنے ہوئے کپڑے کی صنعت کو دیکھا تو اس شہر کا نام سند یانہ درج کر لیا۔ یاد رہے کہ موہنجو دارو کے کھنڈرات سے کپاس کے ریشہ سے بنے ہوئے کپڑے کے آثار ملے ہیں۔ سیوان کے جغرافیائی محلِ وقوع کو دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ نہ تو وہ سکندرِ اعظم کے وقت میں اور نہ موجودہ زمانے میں کپاس کی کاشت اور کپڑے کی صنعت کے لئے موزونیت کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ دریائے سندھ اس کے سامنے مشرق

Scanned by CamScanner

میں ہے اور خشک پہاڑ اس کی پشت پر غرب میں ہے۔ کپاس کی کاشت سیلابی کاشت نہیں جس طرح تِل (کنجد فارسی۔ سیم عربی) کی کاشت۔ جوار کی کاشت وغیرہ وغیرہ جو ایک یا دو سیلابی پانی پر بھی پختہ ہو جاتی ہے۔ راقم نے مکران کے دریائے دشت کے ویران میدان ننگھار میں جہاں وادیٔ سندھ کے آخری تجارتی شہر ست گگن ڈوَر کے کھنڈرات موجود ہیں۔ بارش سے بنے ہوئے کٹاؤ کے اندر کپاس کی خود رو کاشت دیکھی ہے۔ جو صاف میدان میں کہیں بھی موجود نہ تھی وجہ در اصل یہ تھی کہ کٹاؤ کے اندر تھوڑی یا بہت بارش کے بعد اس پودے کو پانچ یا چھ ماہ تک وقتاً فوقتاً چار پانچ بار تراوت مل سکتی تھی۔ جو اوپر کی سطح پر نہ مل سکتی تھی۔ مزید براں ایک سلطنت کے دارالخلافہ کے لیئے اس کے گرد و پیش زرعی اور صنعتی پیداوار کا وسیع عریض علاقہ کا ہونا ضروری ہے۔ جو موجودہ سہراں کو کبھی بھی مہیا نہیں ہوا۔ سکندر اعظم کے وقت میں دریائے سندھ بہت دُور شرق میں ہوگا۔ اور بیٹی مُنارے کے قریب سے نکلنے والی دریائے سندھ کی شاخیں ضلع جیکب آباد اور لاڑکانہ تک ہی پہنچ سکتی تھیں۔ جنہیں کوہستانِ کوئٹہ اور کوہستان قلات کے ندی نالے اور دریا لہری۔ تلی۔ ناری۔ بولان اور مولا ۱۸۰ درجہ کی نصف کوس کے مختلف المواسم بارانی مقدار کے علاقوں سے دریائے سندھ کی ان شاخوں کے لاتے ہوئے پانی میں اضافہ کرتے چلے گئے۔ اور اس طرح لاڑکانہ کے وسیع دعریض میدان میں کپاس کی ششتاہی فصل کے لیئے وقفہ وقفہ کے بعد سیرابی کا ذریعہ پیدا کرتے ہوں گے۔ یہ جغرافیائی امر بھی زیر نظر رہے کہ دریائے مولا

کے بہاؤ کا رُخ آج بھی لاڑکانہ کی طرف ہے۔ اگر کیرتھر اور چاول کینال کی طرف بائیں طرف آبپاشی کرنے والی نہریں درمیان میں نہ ہوتیں تو اب بھی پانی لاڑکانہ میں پہنچ جاتا۔ آج بھی ایک منصوبہ زیر غور ہے کہ دریائے مولا سے لاڑکانہ تک ایک سڑک قدیم راستہ کی یادگار میں بنائی جائے جو موہنجو دارو اور لاڑکانہ کے قریب سے ہو کر درہ مولا کے راستے خضدار تک جاتا تھا۔ کیرتھر کینال اور چاول کینال اور ان کے تحفظ کیلئے سیلابی بندات نے کچھی کے پانچ دریاؤں کے سیلاب کا رُخ اب کوہ کیرتھر کے ساتھ ساتھ جھیل منچھر تک موڑ دیا ہے۔

آئیے ہم لاڑکانہ کے تہذیبی مرکز کا سراغ ہیون سانگ کے سفرنامہ سے تلاش کریں۔ سکندر اعظم کے فوجی واقعہ نگاروں کی طرح ہیون سانگ بھی مختلف علاقوں اور مختلف شہروں کو اپنی چینی زبان میں ان کی خصوصیات پر مبنی نام رکھ دیتا تھا۔ اگر آپ تاریخ سندھ مرتبہ لیمبرک کے صفحہ ۱۷۰ کے سامنے کا دیا ہوا نقشہ دیکھیں تو لاڑکانہ کے گرد و پیش کے علاقہ کو اس نے "آفان۔ تو" کا نام دیا ہے۔ اگر آپ چینی لغت کو دیکھیں تو 'آفان۔ تو' کے معنی سیلاب کی کثرت کی گذرگاہ کے نکلتے ہیں ظاہر ہوا کہ وہاں سیرابی کیلئے پورے چھ ماہ پانی کی کثرت رہتی تھی۔ جو صورتِ حال کپاس کی کاشت کے لئے موزوں رہتی ہوگی۔ آئیے اب ہم یونانی مورخ ایرین کی تاریخ کی طرف لوٹتے ہیں۔ صفحہ ۲۰۸ پر ایرین کہتا ہے کہ گورنر آکیسی کینس کے خلاف مہم سے فراغت کے بعد سکندر اعظم نے کنگ سمبوکس کے علاقہ کا رُخ کیا جس کا دارالخلافہ سندیمانہ تھا۔ اسی کنگ سمبوکس کو سکندر اعظم نے بقول ایرین ہندوستانی قبائل کا بادشاہ بنایا

تھا۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق دریاؤں کے مخارج آب سے جو لپشت کوہ پہ ہوتے تھے لے کر دامن کوہ کی سلاسیوں کے آخر تک ایک ہی قوم یا ایک ہی حکمران کی ایک مکمل راجدھانی ہوتی تھی۔ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ شاہ ہمبوس کی راجدھانی لاڑکانہ سے لے کر مولا۔ بولان۔ ناڑی تلی اور لہری کے مخارج آب تک زیارت کی ہر بوٹی پہاڑیوں تک تھی۔ آیئے میرے اس گمان کی ایرین کے قول سے تصدیق کریں۔ سکندر اعظم نے کنگ سمبوس کو کب پہاڑی قبائل کا بادشاہ بنایا۔ ایرین کی تاریخ کے صفحہ ۱۲۱ کے پیرا ۲ میں حسب ذیل عبارت درج ہے۔

• سپاس (دیزاز) کا پیچھا کرتے ہوئے باختریہ جانے سے پہلے سکندر اعظم زرنگیا (موجودہ زرنجان) گڈروسیا (موجودہ مکران) اور آراکوسیا (موجودہ کوئٹہ بلوچستان) کے علاقوں کو اپنے زیر نگین لایا۔ کوئٹہ بلوچستان کے ایک باشندہ مینن کو آراکوسیا کا گورنر بنایا۔ دراصل اس مہم میں وہ بلند برفانی پہاڑوں کو گذر کر دوسری طرف کے ہمسایہ ہندوستانی قبائل تک جا پہنچا۔ ان برفانی پہاڑوں کو گذرنے کے دوران اس کی افواج کو بڑی دقت کا سامنا ہوا اور اس کی رسد ختم ہو گئی۔

اس تحریر سے عیاں ہوتا ہے کہ سکندر اعظم کوئٹہ سے زیارت کی برفانی پہاڑیوں کو گذر کر دوسری طرف موجودہ ضلع کچھی کے اندر داخل ہوا۔ اور غالباً اس دوران اس کی شاہ ہمبوس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے رسد مہیا کی کیونکہ یہ علاقہ پیداوار کے لحاظ سے خوش حال تھا۔ اس امداد

Scanned by CamScanner

امداد کے لئے اس تے شاہ سمبوس کو پورے پہاڑی علاقہ کے قبائل کا بادشاہ بنا دیا۔ آج بھی کوئٹہ قلات کے قلت زدہ علاقوں کے باشندوں کو سردیوں میں ضلع کچھی اور نصیر آباد سب ڈویژنوں میں پناہ ملتی ہے جہاں وہ رہ کر اپنی سردیوں کی غذا کے لیئے گیہوں اور تیل کی اجناس کی کاشت کرتے ہیں اور گرمیوں میں پھر پہاڑیوں پر چلے جاتے ہیں۔ سکندر اعظم کے وقت میں میری رائے میں لاڑکانہ اور موہنجو دارو تک ایک پورا مکمل انتظامی اور اقتصادی نظام تھا۔ جس کا شاہ سمبوس حکمران تھا۔ سندیمانا کہاں تھا۔ اس کی تلاش لاڑکانہ کے گرد ونواح کے آثار قدیمہ سے کرنی پڑیگی لاڑکانہ سے چند میل دور جنگر جو دڑو لاڑکانہ کی طرح پرانے دریائی راستے گھارو پر واقع ہے۔ اغلب ترین مقام بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ گھار چینل یقیناً سندھ کی وہ شاخ ہے جو روہڑی سکھر کے ڈیلٹائی آغاز کے اوپر سکندر اعظم کے وقت میں بھی نکل کر کیرتھر کے پہاڑوں کی طرف آتی تھی غربی نارا اس کے جنوب کی طرف غربی ترین ڈیلٹائی بازو تھا۔ اور شرقی نارا، مشرقی ترین بازو تھا۔ گڑھی خیرو کے قریب ملے جو دڑو ضلع جیکب آباد کی حدود میں اسی گھارو پر اور دھمراڑ بھی دعویدار ہو سکتے ہیں۔ مگر گمان غالب جنگر جو دڑو پر ہے۔ موہنجو دارو تو شاہ سموس کی سلطنت کا بر سمن گڑھ تھا۔ ایرین کی تاریخ صفحہ ۲۰۸ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب سکندر اعظم شاہ سمبوس کے دارالخلافہ سندیمانا کے قریب پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ شاہ سموس بھاگ کر روپوش ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس کو سکندر اعظم نے ہندوستانی پہاڑی

Scanned by CamScanner

قبائل کا بادشاہ بنایا تھا۔ جب وہ کوئٹہ سے زیارت کی برفانی پہاڑیوں کو گذر کر کچھی کے میدان میں آگیا جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ شاہ سمبوس کے رشتہ داروں نے سندیانہ کے دروازے کھول دیئے اور خزانہ کی کنجیاں اور ہاتھی ساتھ ملا کر پیش ہوئے اور معذرت کی کہ شاہ سمبوس مخالفت کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے روپوش ہو گیا ہے چونکہ شاہ میوسی کینس کے ساتھ اس کی دشمنی تھی اور اس کے دشمن کے ساتھ سکندرِ اعظم کی نوازشات نے اس کو بدگمان کر دیا تھا۔

اس کہانی میں ایک دلچسپ موضوع نکلتا ہے کہ اس قدیم زمانہ کے بادشاہ ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی کرتے تھے۔ جس طرح آج کل کے بادشاہ کرتے ہیں۔ جہلم پار پنجاب کے دوآبوں میں پورس شاہ گجرات اور پورس ثانی شاہ سیالکوٹ کا بھی یہی حال تھا۔ جب سکندر اعظم کی پورس اول سے صلح ہوئی تو پورس ثانی خوف سے بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ امر شہادت دیتا ہے کہ سکندر اعظم کے وقت میں بھی بادشاہی نظام دیمک خوردہ تھا۔ جتنا آج کل ہے۔ ایک بادشاہ شکست کھا جاتا تھا تو دوسرا خوف سے بھاگ جاتا تھا۔ لیکن سنگالا، ملی اور آکسی ڈرائیکی کے خود مختیار جمہوری نظام رکھنے والے قبائل نے سکندر اعظم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بلکہ ملی قوم کے علاقہ میں، سکندر اعظم زخمی بھی ہوا۔ شاہ سمبوس کے علاقے ہی میں جو تقریباً اس کا حلیف بن چکا تھا۔ ایک شہر کے برہمنوں نے بغاوت کر دی۔ اور سکندر اعظم نے بزورِ شمشیر ان کی سرکوبی کی۔ قیاس غالب ہے کہ یہی موہنجو دارو کا

برہمن گڑھ تھا (دیکھیئے ایرین کی تاریخ کا صفحہ ۲۰۹) ایرین نے اس مقام پر ایک معنی خیز وعدہ کیا ہے۔ کہ وہ برہمنوں کے فلسفۂ حیات کے متعلق ایک علیحدہ کتاب میں ذکر کرے گا۔ اور ساتھ ہی دوسرے پیرے میں وہ ذکر کرتا ہے کہ اسے اس مقام پر ہی اطلاع ملی کہ شاہ میوسی کینس نے بغاوت کر دی ہے ۔ سکندر اعظم نے فوراً جنرل پیتھو FEITHO جو میوسی کینس کے علاقے کا فوجی گورنر تھا۔ حکم دیا کہ وہ فوراً شاہ میوسی کینس کی سرکوبی کے لئے پہنچے اور وہ خود میوسی کینس کے علاقے کے شہروں کو زیر کرتا ہوا اور تباہ کرتا ہوا اور ان کے شہریوں کو غلام بنا کر فروخت کرتا ہوا شاہ میوسی کینس کے دارالخلافہ ”پٹن منارہ“ میں واپس آ پہنچا جو اس کا فوجی مرکز تھا شاہ میوسی کینس گرفتار ہو چکا تھا۔ اس کو اکسانے والے برہمن بھی گرفتار ہو چکے تھے اس نے بادشاہ اور ان برہمنوں کو دارالخلافہ ہی میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ یہ امر شہادت دیتا ہے کہ چاہے خود مختار ملی قبائل تھے یا بادشاہ برہمنوں کا ان کے ذہنوں پر غلبہ رہتا تھا۔ ہڑپہ۔ پٹن منارہ اور موہنجو دارو کے بلند و بالا کھنڈرات شاہد ہیں کہ یہ تینوں مقامات دریائے سندھ کی بالائی وادی پنجاب اور درمیانی ۲۰۰ میل لمبی پٹی اور دریائے سندھ کی زیریں وادی کچھی سندھ کے مذہبی مراکز تھے جو صدیوں سے قائم تھے۔

یہاں برہمنی فلسفہ کے تخت برہمن پور سے علاقہ کے ذہنوں پر سوار رہتے تھے اور کسی دوسرے فلسفہ کو نہ پنپنے دیتے تھے۔ چاہے وہ بدھ مت کا فلسفہ ہو جو سکندر اعظم کی آمد سے تین صدی پہلے آ چکا تھا۔ مگر ابھی برہمنوں نے دبا رکھا تھا سکندر اعظم کے خلاف بھی یہی مقصد کارفرما تھا۔ اس کا بین ثبوت اس بات سے

ملتا ہے۔ کہ جونہی سکندر اعظم کی واپسی کے پچاس سال بعد شہنشاہ اشوک جو موریا گپتا کا بیٹا تھا برسر اقتدار آیا اور بدھ مت کو اختیار کر لیا۔ اس نے ہڑپہ اور موہنجو دارو کے تباہ کردہ برہمن گڑھوں پر اپنے سٹوپا بنوا دیئے۔ اور پتن منارہ میں جس شہر کو سکندر اعظم نے خوبصورت ہونے کی وجہ سے تباہ نہیں کیا تھا۔ اشوک نے بدھ مت کا مرکز قائم کر دیا۔ جس کی نشانی آج بھی پتن منارہ کے کھنڈرات پہ ایک پختہ بدھ خانقاہ کی صورت میں کھڑی ہے۔

موہنجو دارو کا سٹوپا تو اب بھی برہمنوں کے کفر کی شکست کی نشانی کے طور پر کھڑا ہے۔ مگر ہڑپہ کا سٹوپا بقول بگٹ مصنف قدیم ہندوستان مسمار ہو کر ہڑپہ اور میر داد معانی کے ریلوے اسٹیشنوں کے درمیان کی ریل کی پٹڑی پر کنکر کی صورت میں بچھا ہوا ہے۔ جیسا کہ اوپر ایک فصل میں ذکر آ چکا ہے ہڑپہ اور موہنجو دارو کے غسلخانے اور ان سے نکلنے والی پختہ نالیاں برہمنوں کے اشنان خانے تھے۔ نہ کہ مہذب اور متمدن شہریوں کے غسلخانے۔ ان دونوں شہروں میں نہ تو پختہ کوچے تھے اور نہ یہ ثابت ہوا ہے کہ وہاں کے شہری جوتے پہنتے تھے۔ موہنجو دارو کی چار منزلیں اس کے تقدس اور قدامت کی شاہد ہیں۔ کہ جہاں دوسرے شہر سیلاب یا سیم زدگی کے بعد چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور کسی دوسری جگہ از سر نو بنائے جاتے تھے۔ ان مقدس مقامات کے محل وقوع کو متبرک سمجھ کر قائم رکھا جاتا تھا۔ تاکہ پوری قوم کی نظروں میں اس کی مرکزی حیثیت صدیوں تک قائم رہے۔

Scanned by CamScanner

۵۶ - سکندرِ اعظم کی شاہ پٹالہ کی راجدھانی میں آمد

آیئے اب ہم سلطنت پٹالہ کے جغرافیائی محلِ وقوع اور حدود کی وضاحت کر کے سکندرِ اعظم کے وقت میں وادیٔ سندھ کے پورے نقشہ کو واضح اور مکمل کریں۔ انگریز ماہرینِ آثارِ قدیمہ اور جنرل کننگھم اور میجر راورٹی جیسے جغرافیہ دان مورخین نے بڑی مستحسن کوشش کی ہے کہ پٹالہ کا صحیح محلِ وقوع قائم کیا جائے مصر اور عراق جیسے دریاؤں کی مٹی سے بننے ہوئے ڈیلٹائی ممالک سے وادیٔ سندھ کی جغرافیائی تاریخ کچھ مختلف نہیں۔ یہ تو یقین سے کہا جا سکتا ہے۔ کہ آغاز میں دریائے دجلہ اور فرات بغداد کے اوپر علیحدہ علیحدہ پہاڑی سطح سے براہ راست سمندر میں آ پڑتے تھے اور خلیج فارس ان قدیم دس ہزار سال پرانے ایام میں وہاں تک پہنچتی تھی۔ آہستہ آہستہ ان دریاؤں کی مٹی سے بھرتی گئی اور ایک وقت آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا وطن کلدانیوں کا شہر اُر کنارہ سمندر کے قریب تھا۔ اور اب تو عراق کی حدود بصرہ سے بھی بہت نیچے کویت کے قریب تک آ گئی ہیں۔ یہی حالت مصر کی تھی۔ دریائے نیل پر اب جس مقام اسوان پر بند ھ باندھا گیا ہے۔ جس کے اوپر نیل کا پانی روک کر بجلی پیدا کرتے اور آبپاشی کرنے کیلئے استعمال ہوگا۔ ایام قدیم ترین میں ایک سمندر کی خلیج یا کھاڑی کے جنوبی اختتام پر تھا۔ اور دریائے نیل اس میں افتادِ آب (دفال) بنا کر گرتا تھا اب الیگزینڈریہ تک دریائے نیل نے خلیج کو بھر کر بحیرہ روم کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ یہی حالت وادیٔ سندھ میں ہوگی۔

Scanned by CamScanner

سکندرِ اعظم کی آمد سے اب تک ڈھائی ہزار سال تقریباً گذر چکے ہیں یہ عرصہ
کوئی تھوڑا عرصہ نہیں جیسے کہ پچھلی فصل ۴۵ میں کہا جا چکا ہے کہ دریائے سندھ
کے شرق والے ضلع ٹھٹھہ اور تھرپارکر کے اضلاع کی سطح زمین سمندر سے
پچاس فٹ کے اندر اندر ہے۔ سمندر سے نیچے ہوں گے یا مدوجزر کے حملہ کا
شکار ہوتے ہوں گے۔ اگر یہ گمان صحیح مان لیا جائے تو وہ پٹالہ جس کی نشاندہی
اب سانگھڑ ضلع میں کی جاتی ہے اور جو تقریباً موجودہ حیدرآباد کے سامنے ہے
یونانی مؤرخ ایرین کے قول سے مطابقت نہیں رکھتا کہ پٹالہ سے شروع ہونے
والا ڈیلٹا دریائے نیل کے ڈیلٹا سے بھی بہت بڑا تھا۔ ایک مقام پر تو ایرین نے
(صفحہ ۲۱۲) صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ ڈیلٹا کے شرقی بازو اور غربی بازو
کے درمیان ۲۲۵ میل کا فاصلہ تھا۔ جو تقریباً موجودہ دریائے سندھ
اور شرقی نارا کے درمیان ہے۔ اگر پٹالہ کو سانگھڑ میں سمجھ لیا جائے
تو ڈیلٹا کی تکون کا عمود ۱۰۰ میل سے بھی کم ہو گا۔ ڈیلٹا کو کم از کم مساوی
الاضلاع ہونا چاہیئے۔ جو امر پٹالہ کو روہڑی اور سکھر کے مقامات پر
ہونے کی ہی دلیل پیش کرتا ہے۔ اور اب بھی سکھر سے نکلنے والی شرقی
نارا کینال اور روہڑی کینال میری رائے میں اس قدیم ڈیلٹا کو محیط کرتی ہیں
اور اسی میں ہی آبپاشی تا حدِ امکان کرسکتی ہیں۔ کوٹڑی بیراج سے نکلی ہوئی
نہروں کے ذریعے آبپاشی کی کوشش ٹھٹھہ اور تھرپارکر کے

Scanned by CamScanner

ضلعوں میں اسی وجہ سے ناکامیاب ہوئی کہ اس علاقے کی سطح زمین کی سلامی زیرِ زمین چلنے والے سیم کے پانی کا سمندر تک اخراج نہیں کر سکتی مقصلہ بالا جغرافیائی دلیل کے علاوہ ایک اور دلیل قوی تر ہے۔ کہ مقام پٹالہ پر سکندرِ اعظم نے پختہ گودیاں اور قلعہ بنوایا جو اغلباً بھکر کے موجودہ قلعہ اور سکھر کی مستحکم دریائی بندرگاہ کے پیش رَو تھے۔ اس امر سے کوئی جغرافیہ دان اور مؤرخ انکار نہیں کر سکتا کہ دریا سکھر اور روہڑی کے درمیانی اور گردو پیش کی پہاڑیوں میں ہزارہا سال سے مستحکم رہا ہے۔ غربی نارا اور شرقی نارا انہیں پہاڑیوں کے اردگرد بہتے رہے اور اب بھی سکھر بیراج کی دائیں اور بائیں طرف سے نکلنے والی نہریں شرقی نارا اور غربی نارا کو استعمال کر رہی ہیں۔ اور گھارو شاخ جو پٹالہ کے نقشے کے مطابق آغازِ ڈیلٹا کے پٹالہ سے کہیں اوپر پٹن منارہ کے محاذ سے نکل کر لاڑکانہ اور کوہ کیرتھر کی طرف بہہ جاتی تھی وہ بھی انہی نہروں میں منتقل کر لی گئی ہے۔ یہاں ایک دلچسپ اشارہ جملہ معترضہ کے طور پر عرض ہے کہ جہاں سندھ کے غربی اور شرقی نارا کا ذکر آتا ہے۔ کوئٹہ کے پہاڑوں سے نکلنے والے دریائے ناری کا مؤنث نام بھی قابلِ ذکر ہے غالباً ناری اور نارا کا سُراغ قدیم علم الاصنام میں چلا جاتا ہو گا۔ یہی قصہ موجودہ ڈیراور (ضلع بہاولپور) کے قریب سننے میں آتا ہے۔ قلعہ ڈیراور کے قریب ایک بہت بڑا پانچ ہزار سال پرانا کھنڈر (بقول سر آرل سٹین) پڑا ہے معمر آدمیوں سے اس کی روائت دریافت کی گئی تو انہوں نے بتلایا کہ اس

Scanned by CamScanner

ڈیرانہ کا نام "جاند اکھاندا" (تحفۃ نامہ کا جنکن) ہے۔ اور دریائے ہاکڑہ جو اس کے قریب بہتا تھا۔ اس کے پتن کو پتن دھارا دھاری کہتے تھے۔ جیسے کہ میں اوپر کی ایک فصل میں عرض کر چکا ہوں۔ ڈیراوڑ ازمنہ قدیم میں پانچ ہزار سال سے بھی پہلے دریائے سندھ اور دریائے چناب کے سنگھم پر تھا۔ یعنی وہ اس زمانے کا کوٹ مٹھن سنگھم تھا جو اب اس مقام سے ۸۰ میل غرب میں قانونِ غرب روی کے تحت چلا گیا ہے۔ اغلباً دریائے سندھ نارا کی طرح مذکر دھارا اور کوہ ہمالیہ کے دامن سے نکلنے والے پانچ دریاؤں ستلج، بیاس، راوی، چناب اور جہلم کے اجتماع کے دریائے پنجند کو جو آخری بار مروٹ کے مقام پر ستلج کو ساتھ لے کر ڈیراوڑ تک چناب بن کر جاتا تھا۔ مؤنث دھاری کہتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ اس کی اور شہادت بھی موجود ہے۔ کہ مہابھارت میں دروپدی دریائے سندھ کو سائیں دھارا کہکر پکارتی ہے۔ اس کا ذکر اوپر بھی کسی فصل میں آچکا ہے۔

پٹالہ کے روہڑی سکھر پر سکندر اعظم کے وقت میں ہونے کی ایک اور دلیل بھی دی جاسکتی ہے۔ پٹالہ سے غربی بازو کی سیاحت کے دوران سکندر اعظم کو راستے میں کئی بڑے اور چھوٹے جزیروں سے واسطہ پڑا۔ موجودہ حیدرآباد، ٹھٹھہ۔ ایک آخر میں ایک چھوٹے جزیرہ آبن شاہ پر جو اب اندرون ساحل ہے۔ یہ پوری تفصیلی مطابقت کھا جاتی ہے خاص طور پر یہ ذکر سکندر اعظم کے کشتیوں کے بیڑے نے ایک جزیرہ کے قرب

میں ہوا سے پناہ لی تو سمندر میں مدو جزر کے غلبہ سے ان کی کشتیاں
کم گہرائی کے سمندر میں چھپی ہوئی پہاڑی چٹانوں پر لڑھک کر ٹوٹ گئیں
یہ امر میری اس دلیل کی تائید ہے۔ کہ اس زمانے میں حیدر آباد ٹھٹھہ کے
سامنے تک ایک کم گہرا سمندر آجاتا تھا۔ جو مدو جزر کے اثر سے پانی ہٹنے
تک کے بعد پہاڑی سطح ظاہر کر دیتا تھا۔ کیلوٹہ کے جزیرے کا نام میری
رائے میں موجودہ ٹھٹھہ کی جزیرہ نما شکل میں نکلی ہوئی سطح مرتفع پر پورا
عمائد ہوتا ہے۔ جو اس زمانے میں جھم پیر کی طرف کوہستان سے علیحدہ
جزیرہ کی طرح تھا۔ شرقی نارا کی سیاحی مہم کا ذکر بھی بڑا دلچسپ ہے
اس بازو میں جزیروں کی بجائے ایک جھیل راستے میں پڑی جو دہانہ کی
شکل کی طرح چوڑی تھی ایرین نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے
کہ شاید اس جگہ دائیں یا بائیں طرف سے کوئی معاون ڈیلٹائی بازو یا
یا کوئی چھوٹا بڑا دریا آپڑتا تھا۔ یاد رہے کہ اسی طرح جیسلمیر کی ریاست
میں ۱۲۰۰ تا ۱۷۰۰ کی بلندی کی بقیۃ المدفون پہاڑیاں کھڑی ہیں دریائے
لونی جو کوہ اراولی سے نکل کر اب رن آف کچھ میں آپڑتا ہے۔ وہ ان دونوں
جیسلمیر کی پہاڑیوں تک شرقاً غرباً سمت میں آکر جنوب کی طرف رخ کر
لیتا ہے۔ حال میں طبع شدہ کتاب "گراؤنڈ واٹر" مصنفہ مسٹر ہیوار نیس بعد
تحقیق بتایا گیا ہے۔ کہ ضلع تھرپارکر کا نگر پارکر پہاڑ ماضی قریب میں دریائے
لونی کے جنوب میں دریائے لونی کے جنوب میں تھا اور اس پر واقع

Scanned by CamScanner

ایک قدیم بندرگاہ اب اندرونِ ساحل ویرانہ کی صورت میں پڑی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ دریائے لونی کسی زمانے میں جیسلمیر کی ان پہاڑیوں کے گرد پیش میں بہہ کر سیدھا تقریباً ڈیرہ غازی خان/صلع کی شمالی ترین حدود پر شرقی نارا میں آ پڑتا تھا۔ اور وہاں تحصیل بنا دیتا تھا اور سکندرِاعظم نے اس لئے وہاں حسب عادت اور حسب معمول اسی دریائے لونی کے سنگھم کا تنبہ کرتے ہوئے پختہ گودیاں بنوانے کا حکم دیا تھا۔ جس طرح اس نے پٹالہ پر اور ستلج کے سندھ سے سنگھم پہ اور چناب کے سندھ سے سنگھم پر تین بار پہلے بنوائی تھیں وہ ان فوجی مواصلاتی جنکشنوں کو بڑی اہمیت دیتا تھا۔

ایک اور دلچسپ دلیل پیش ہے جب سکندرِاعظم شاہ پٹالہ کی راجدھانی میں پہنچنے والا تھا۔ اس کو معلوم ہوا کہ میوسی کینس کے دارالخلافہ (دہن منارہ) پر آ کر اطاعت کر جانے والا شاہ پٹالہ اپنی راجدھانی سے معہ رعایا کے مفرور ہو گیا ہے اس نے اپنی رفتار دوگنی کر دی۔ اور پٹالہ پہنچ کر مفروروں کی گرفتاریوں کا حکم دے دیا کہ وہ لوگ واپس آ کر ایستادہ فصلوں کی نگرانی کریں۔ اسی ضمن میں ایرین نے ایک معنی خیز ذکر کیا ہے۔ کہ پانی کی کمی کو دیکھ کر سکندرِاعظم نے چاہات کی کھدائی کا حکم دیا۔ مگر بھاگ کر جانے والے روپوش لوگوں نے چاہات کھودنے والی افواج کی مزاحمت کی۔ اور انہوں نے کئی آدمی مار دیئے۔ یہ کیوں ہوا کیا وہ لوگ کنوؤں کے کھودے جانے کے مخالف تھے جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ وادیٔ سندھ کے مہذب اصحاب آکرس کنوؤں کا پانی استعمال نہیں کرتے

تھے۔ سوائے اس کے برہمن اس کے ساتھ اشنان (مذہبی غسل) کریں۔

پٹالہ کا ذکر چھوڑنے سے پہلے میں کلکتہ ریویو جولائی ۱۸۷۴ء میں انڈین سول سروس کے مسٹر ولیم ہیلی کے مضمون "تبت" کے چند حوالوں کا ذکر کرتا ہوں۔ میں صفحہ ۴۰ اکے حاشیہ نوٹ ۱۸ کا پورا ترجمہ پیش کرتا ہوں تبت کے شہر لاسہ کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لاسہ میں دلائی لامہ کے محل پوٹالہ کا ذکر کیا ہے۔ بدھ مت والوں کا عقیدہ ہے کہ دلائی لامہ، گوتم بدھ کا اوتار ہے۔ لاسہ کا محل روم کے پوپ کے ویٹیکن محل کی سی عظمت رکھتا ہے یہ محل ایک زینہ کی طرح چڑھتی ہوئی تین پہاڑیوں پر تین علیحدہ علیحدہ منزلوں میں بنایا گیا ہے۔ جو ایک دوسرے کے ساتھ سیڑھیوں سے ملی ہوئی ہیں۔ اس محل کو پوٹالہ کا نام دیا جاتا ہے اور اس پہاڑی کو بھی پوٹالہ کا نام دیا گیا ہے اس پوٹالہ کے نام کا ماخذ کی تلاش کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ہیلی نے کہا ہے کہ ایک مصنفِ حق نے اس کو بودھالہ کہا ہے۔ یعنی بودھا کا پہاڑ۔ مسٹر ہیلی نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ یہ صحیح نہیں "لا" کے معنی پہاڑی درّہ کے ہیں۔ نہ کہ پہاڑ کے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے مسٹر ہیلی کہتے ہیں کہ ایک دوسرے مصنف سوما نے اپنی کتاب "تبتی گرامر" صفحہ ۱۹۸ پر صحیح کہا ہے۔ کہ پوٹالہ کا نام سندھ کے قدیم پوٹالہ کی یادگار ہے۔ جہاں گوتم بدھ کے قبیلہ ساکیا کے افراد نے ہجرت کی۔ بدھ مت کے لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ پوٹالہ کا مقدس محلاتی مسہ منزلہ پوٹالہ ایک آسمانی یروشلم کا درجہ رکھتا ہے

جو مغربی سمندر میں ایک پہاڑ پر محل کی صورت میں واقع تھا۔ جس میں گوتم بدھ کے اوتار آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے وہاں استراحت و آرام فرماتے تھے۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ تیسرا یا چوتھا پوٹالہ بحیرۂ چین کے کنارے ننگپو کوپن پر واقع تھا (دریائے زرد کے دہانے پر)۔

اوپر کے اس اقتباس میں بدھ مت والوں کے اعتقاد میں ایک شبہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آیا اس دنیا میں تین پوٹالہ تھے۔ یا چار۔ پوٹالہ کی تین منزلہ عمارت قارئین کو غالباً یاد دلائے گی۔ کہ راقم نے پچھلی ایک فصل میں ابراہیم کے پیدائشی وطن کلدانی اُر کے اندر ایک اینٹوں سے بنے ہوئے ایک سہ منزلہ بلند و بالا معبد زگارورت کا ذکر کیا تھا۔ اور اس ضمن میں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ معبد کی پوجا کرنے والے کسی پہاڑی ملک سے آئے تھے۔ جہاں ان کا ایسا ہی معبد پہاڑ پر واقع تھا۔ انہوں نے اس کا ہم شکل اینٹوں سے بنایا۔ کیا یہی چوتھا پوٹالہ تھا جس کے متعلق بدھ مت والے کہتے ہیں کہ وہ مغربی سمندر پر تھا۔

پہلا ساکیا خاندان کے وطن پٹالہ کا پوٹالہ، دوسرا کلدانی اُر کا پٹالہ، تیسرا دریائے زرد کے دہانے پر بحیرہ چین کا پوٹالہ اور چوتھا موجودہ تبت کا لاسہ کا پوٹالہ۔

قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ چین کے دریائے زرد کی قدیم ترین تہذیب کا ذکر پہلی بار ضمناً آگیا ہے۔ آپ دنیا کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو چار دریاؤں کی وادیوں کی تہذیبیں ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں

ایک چین کے دریائے زرد کی۔ دوسری دریائے سندھ کے پٹالے کی۔ تیسری دجلہ اور فرات کے عراق کی۔ چوتھی دریائے نیل کی۔ کیا فراعنہ مصر کے بلند و بالا اہرام مصران چاروں تہذیبوں کے اندر ایک تخیل کی یگانگت کا اظہار نہیں جو آج بھی کلیساؤں کے اور مساجد کے بلند و بالا میناروں کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

آیئے اصحاب ارس اور بدھ مذہب کے اعتقادات میں یگانگت بیان کی جائے جیسا کہ اوپر کی ایک فصل میں بیان ہوچکا ہے کہ اصحاب ارس صنوبر کے درخت کی جسے انگریزی میں جونیپر کہتے ہیں۔ پرستش کرتے تھے۔ درخت کی صورت میں یہ صرف زیارت کے پہاڑوں پر ہوتا ہے۔ دنیا میں کسی اور جگہ یہ درخت کی صورت میں نہیں ہوتا بلکہ جھاڑی کی صورت میں ہے۔ میدانوں میں اسی جھاڑی کو ماجو کہتے ہیں۔ کوہ ہمالیہ پر بھی یہ جھاڑی کی صورت میں ہوتا ہے میدانوں میں اسی جھاڑی کو ماجو کہتے ہیں۔ کوہ ہمالیہ پر بھی یہ جھاڑی کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور بدھ مت کے لاماؤں کو مرنے کے بعد اسی جونیپر جھاڑیوں کی لکڑی سے جلاتے ہیں۔ اس کا ذکر بھی ہیڈن نے اپنے مضمون "تبت" کے حاشیہ میں کیا ہے

۵۷۔ سکندر اعظم کا پوٹالہ سے واپس براستہ لاس بیلہ اور مکران، ایران جانا

Scanned by CamScanner

ایرین کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ پوٹالہ سے خشکی کے راستے سکندر اعظم موجودہ سہوان اور موجودہ حیدر آباد کے درمیان سے گذر کر موجودہ کیکر کے اوپر دریائے حب کو عبور کیا۔ جسکو آرابیس کا نام دیا گیا ہے اور اس علاقہ کے لوگوں کو آرامیا کا نام دیا گیا ہے۔ غالباً یہ وہی علاقہ ہے جو دریائے حب کے دونوں کنارے زمانہ حال میں ضلع لاس بیلہ کی دریجی تحصیل ہے۔ جس میں چھٹہ بلوچ آباد ہیں۔ آرابیٹا کا لفظ عرب سے مشتق ہے اور یہ غالباً اس روائیت کی صدائے باز گشت ہے۔ کہ سندھ کا کوہ کیر تھر عمان اور مسقط کے پہاڑوں کا حصہ ہے جو خلیج عدن کے درمیان میں آجانے سے جزیرہ نمائے عرب سے ہزاروں سال کے لئے جدا ہوگیا۔ پٹالمے نے اپنے نقشہ ۱۵۰ء میں کوہ کیر تھر کو کوہ آربیٹا کہا ہے۔ یہ چیز قابل غور ہے کہ عدن حضر موت اور عمان کے ساحلی باشندوں کا طرزِ لباس اور سر پر پگڑی۔ سندھ کے لباس کی طرح ہے نسلی عادات اور خصائل چاہے ایک ہی نسل کے دو حصے سمندر کے آر پار کسی غرض یا حادثہ کی وجہ سے کیوں نہ ہو جائیں۔ جڑواں بچوں کی عادات و خصائل کی طرح ہزارہا سال تک لینڈ اور زیلینڈ کی ہم آہنگی رہتی ہے۔ یاد رہے کہ کوہ کیر تھر کے شرق میں دادو اور لاڑکانہ کے اضلاع میں بھی جتوئی اور دوسری بلوچ قومیں آباد ہیں۔ کیا بلوچ عرب نسل ہیں؟

دریائے حب کو عبور کر کے سکندر اعظم لاس بیلہ کے میدان سے گذرا جو دریائے پورالی کا میدان کہا جا سکتا ہے۔ جو غالباً سکندر اعظم کے وقت

Scanned by CamScanner

سے لے کر اب تک جنوب کی طرف بڑھ آیا ہے۔ جیسے کہ سندھ کا میدان۔ سمندر کی طرف ان ڈھائی ہزار سال میں اور بڑھ گیا ہے۔ ایرین کی طرز تحریر معلوم ہوتا ہے کہ لاس بیلہ کے میدان میں اس وقت اور یٹا قوم آباد تھی چچ نامہ نے لس بیلہ کی جگہ اور من بیلہ اور ارمابیل کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ یہ غالباً اسی اوریٹا کے قدیم نام سے منسوب ہیں۔ موجودہ لاس بیلہ اور مکران کی حد کے قریب دریائے ہنگول کے دہانے پر غرب میں سمندر سے ذرا دور ایک مقدس مقام ہنگلاج کھنڈر کی صورت میں پڑا ہے یا تو دریائے ہنگول کا نام اس سے مشتق ہے یا اسی مقام کا نام دریائے ہنگول کے نام سے مشتق ہے۔

ایرین نے جس چھوٹے دریا کا ذکر کیا ہے۔ جہاں سکندر اعظم نے جنرل ہفیسٹین کی آمد کی انتظار کی میرے خیال میں وہ یہی دریائے ہنگول ہے جب جنرل ہفیسٹین اسے آکر ملا تو جس بستی کی طرف وہ آگے بڑھا وہ یہی ہنگلاج تھا۔ جسکو ایرین نے رام باسیا کا نام دیا ہے۔ اور جس کو سکندر اعظم نے خوبصورت شہر بنانے کا حکم دیا۔ اس کی ترکیب لفظی بھی اس کے مقدس ہونے کا ثبوت ہے۔ رام کے معنی خدا کے ہیں بعض مورخین نے موجودہ لاس بیلہ کو رمباسیہ سمجھا ہے۔ یہ ساحل سمندر سے موجودہ کراچی کے سامنے ..امیل اندر ہے جہاں سکندر اعظم کے جانے کا کوئی پروگرام ہی نہ تھا۔ اس نے تو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ اور امیر البحر نیرحیس کے بیڑے کے لئے کنوئیں کھدواتا تھا

۔ ایرین (صفحہ ۲۱۳) ایک اور امر میری اس دلیل کا بیّن ثبوت ہے کہ رمباسیا (ہنگلاج) سے سکندرِ اعظم لاس بیلہ (اوریٹیا) اور مکران، (گڈروسیا) کی حد تک کی طرف بڑھا تو اسے معلوم ہوا کہ حد پر پہاڑی درہ میں ان دونوں علاقوں کی فوجیں اس کے مقابلے کے لئے تیار ہیں لیکن جب وہ قریب پہنچا تو وہ ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کے سرداروں نے اطاعت قبول کی۔ اس نے حکم دیا کہ اپنے تمام بھاگے ہوئے آدمیوں کو اکٹھا کر کے واپس اپنے بستی اور شہروں میں لے جائیں۔ اور ان سے ان کو جان بخشی کی یقین دہانی کی۔ آگے چل کر ایرین کہتا ہے کہ سکندر اعظم نے اپالونیٹس کو اس علاقے کا گورنر مقرر کیا اور اس کے ماتحت ایک فوجی افسر لیونیٹس کو مقرر کیا۔ جس کے سپرد اس نے اپنی افواج کا ایک حصہ کر دیا۔ جس میں یونان کی فوج بھی شامل تھی حکم دیا کہ وہ اس علاقے کی نگرانی کرے اور امن عامہ قائم کرے اور نئے شہر کی تعمیر کی نگرانی بھی کرے اور جب امیر البحر نیرچیس پہنچے تو اسکی امداد کرے۔ موجودہ ہنگلاج کے غرب کیطرف موجودہ ضلع لاس بیلہ آخری غربی کونے میں ایک شہر اور بندرگاہ کا نام آج بھی عرمارہ ہے اور اس کے گرد و نواح کے لوگ اپنے آپ کو عُرمر قوم بتلاتے ہیں عُرمر یونانی زبان کی ترکیب ہے۔ عُر (او۔ آر) یونانی میں علاقے کو کہتے ہیں یعنی ڈسٹرکٹ۔ مار (ایم۔ اے۔ آر) جنگ کو کہتے ہیں۔ یعنی جنگی علاقہ جس سے مراد فوجی چھاؤنی ہے اور عُرمر کے معنی ہوتے

Scanned by CamScanner

چھاؤنی والا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں سکندر اعظم نے پیوسینٹس کے ماتحت فوجیں چھوڑی تھیں۔ ملاحظہ ہو میری تصنیف "سکندر اعظم اور پٹھان غرمر اور اعوان" فصل دوم صفحہ ۴۳ تا ۵۵ جسمیں میں نے ثابت کیا ہے کہ جن مقامات پر افغانستان میں موجودہ گردیز کے قریب سکندر اعظم نے دو شہر موسوم بہ الیگزینڈریہ آباد کئے تھے۔ وہاں بھی غُرمر قوم آج تک آباد ہے۔ ضمناً عرض ہے کہ میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا ہے کہ سکندر اعظم کرم کے راستے پارا چنار کے قریب تھل کے قریب مہرالی کے قریب اور رزمک کے قریب سے گزر کر جنوبی وزیرستان سے ہوتا ہوا دریائے گومل پار کر کے تخت سلیمان کے نزدیک پہنچا اور اس کو دیکھنے کے لئے اس کے اوپر گیا۔ اسی تخت سلیمان کو ایرین نے اور دناس کی چٹان کہا ہے یعنی پہاڑی علاقہ کی چٹان (باقی تفصیل ملاحظہ ہو میری متذکرہ بالا تصنیف میں

جب یہ تمام انتظامات ختم ہو گئے اور جنرل ہیفیسٹین، رمیاسیا (ہنگلاج) میں نئی تعمیرات کا کام ختم کر کے سکندر اعظم سے آملا تو وہ اپنی باقی کثیر افواج کے ساتھ گڈروسیا (مکران) کی طرف چل کھڑا ہوا۔ سارا علاقہ غیر آباد اور ویران تھا اس کو پانی اور خوراک کے حصول کیلئے تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ وجہ یہ تھی کہ اسے اپنے بحری بیڑے کی رسد اور پانی کے لئے انتظام کرنا ضروری تھا۔ ایران کا کوروش اعظم اور اسکی افواج بھی یہاں تلف ہوئی تھیں جب وہ غرب سے شرق ہندوستان پر حملہ کرنے آیا تھا۔ بالآخر سکندر اعظم گڈروسیا کے دار الخلافہ پورا پہنچ گیا۔ یہ نام ظاہر کرتا ہے کہ وہ شہر دریا کے کنارے تھا۔ پورا عربی لفظ قرع سے مشتق ہے کے معنی گھاؤ کے ہیں۔ جو . . .

دریا کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ غالباً یہ شہر دریائے دشت کے کنارے تھا جہاں اب سنگلگندور کے کھنڈرات پڑے ہیں جس کے سامنے سینکڑوں میل وسیع اور عریض میدان پڑا ہے۔ جسے سنگھار کہتے ہیں۔ جس میں آج بھی خود رو کپاس کے پودے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر وادی سندھ کی تہذیب کا ہم عصر شہر بابل سکندر اعظم کے وقت میں موجود تھا تو وادی سندھ کی تہذیب کا آخری غربی ترین شہر کیوں نہ موجود ہو گا۔ ایک اور دلچسپ واقعہ مؤرخ ایرین نے اس شہر کے تذکرہ میں اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۱۹ پر کیا ہے کہ اس جگہ اسے خبر ملی کہ دریائے سندھ اور جہلم چناب کے درمیانی علاقہ یعنی اس زمانہ کے سندھ ساگر دواب جس میں ملتان بھی شامل ہے کے گورنر فلپ کے برخلاف یونانی بھاڑے کے فوجیوں نے بغاوت کر کے اسکو مار ڈالا تھا اور اس کے مقدونی محافظوں نے تمام باغیوں کو مار دیا تھا۔ سکندر اعظم نے یوڈمس اور ٹیکسلا کو احکامات بھجوائے کہ وہ فلپ کے علاقے کو کنٹرول کریں جب تک نیا گورنر وہاں نہ پہنچے۔ جب گڈروسیا کی حد پار کر کے سکندر اعظم کرمان (کارمنیا) پہنچا تو سلطنت میوسی کینس کے دارالخلافہ پتن منارا (رحیم یار خان) سے جنرل کریٹرس کے ساتھ بھجوائی گئی افواج اور ہاتھی وہاں آ پہنچے اس تھوڑی سی تفصیل نے وادی سندھ شہر ٹیکسلا، اور پتن منارہ (رحیم یار خان) سے مکران کے دارالخلافہ اور کرمان تک ڈانڈے ملا دیئے ہیں۔ اور یہی چچ نامہ کے مطابق سندھ کے ساہیرس کی حکومت کے حدود تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی اس باب میں ذکر آ چکا ہے۔

تمت بالخیر

Scanned by CamScanner

حرفِ آخر

میرا اندازہ ہے کہ جب قارئین کی نظر سرورق کے اس جملہ پر پڑی ہو گی "سرائیکی زبان، وطن، اور تمدن کا تذکرہ" تو ان کو گمان ہوا ہو گا کہ ان کو ایک لسانی جنون نامہ سے واسطہ پڑا ہے۔ جب وہ انتساب کے ان الفاظ پر پہنچے ہونگے کہ وادیٔ سندھ میں "حاکمیت کی وراثت" سندھ ساگر دو آب اور طرف الغرب السندھ کی فضاؤں میں پلے ہوئے باشندوں کا حق تھا۔ تو ان کا شبہ مضبوط تر ہوا ہو گا کہ اس تذکرہ میں نسلی تعصب کی آمیزش بھی ہے۔ جب پیش لفظ ان کے سامنے آیا ہو گا۔ تو ان کے گمان نے اور بھی تقویت پائی ہو گی کہ یہ تو ملتان اور اوچ کے قدیم ترین تمدنی مراکز کے پس ماندہ غیر معروف سرائیکی زبان بولنے والوں کی ایک طفلانہ کوشش ہے کہ وہ اس غیر سرکاری غیر معروف زبان کو وادیٔ سندھ کی تہذیب کی اصل زبان ہونے کا درجہ دلائیں۔ تذکرہ کے ابتدائی پانچ ابواب میں مصنف کی تحقیقی کاوش کے خلوص پر مسکرا بھی دیتے ہوں گے۔ مگر جب باب ششم کو پورا پڑھ چکے ہوں گے۔ تو مجھے یقین ہے۔ ان کے دل میں یہ شعور پیدا ہوا ہو گا کہ تاریخ تو واقعی یہ بتلا رہی ہے کہ قدرت نے ایک بار پھر

وادئ سندھ کی عظمتِ گذشتہ کی تجدید کے لئے مغربی پاکستان کو وہی سیاسی حدود عطا کر دی ہیں کہ جن کے اندر رہنے والوں کی یونانی ہیروڈوٹس اور یونانی ایرین نے بالترتیب ایران کے دارا اول کی حکومت کا بیسواں صوبہ اور سکندرِ اعظم کی تسخیر کردہ مملکت بیان کیا تھا۔ محمد بن قاسم عربی کے وقت تو چچ نامہ کا بتلایا ہوا کشمیر بھی انہی حدود میں محدود تھا۔ جس کو ہم آج مقبوضہ کشمیر کہتے ہیں راجوڑی تک کا علاقہ پیر پنجال کے غرب میں رائے ساہیرس کے غاصب جانشین چچ کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور طرفہ تو یہ ہے کہ یک گونہ ایک دوسری مماثلت بھی تھی کہ کشمیر کا راجہ رائے ساہیرس کا رشتہ دار تھا (دیکھئے چچ نامہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد صفحہ ۵ لم اور صفحہ ۲۸۳) یعنی مغربی پاکستان اور کشمیر کی حکومتیں ایک ہی خاندان میں یکجا ہو کر متحد تھیں۔ اس روحانی ولولہ انگیزی کے بعد جب قارئین باب ہفتم پر پہنچے ہوں گے تو "طلمان سے لاڑکانہ تک" کے الفاظ نے پھر بدگمانی میں مبتلا کر دیا ہو گا کہ یہ تو موجودہ سیاسی صورتِ حال کے تاریخی جواز کی ایک کوشش بھی ہے لیکن اس پورے باب پر عبور کے بعد اُن کے دلوں میں روحانی ولولہ نے از سرِ نو جنم لیا ہو گا کہ واقعی ہم مغربی پاکستان کی صورت میں ہزاروں سال پرانی متحدہ عظیم مملکت کے وارث بنے ہیں۔ جس کی قصور، لاہور اور اسلام آباد سے لے کر کوہ سلیمان کے اندر درہ بولان تک اور کوہ کیرتھر کے آر پار لس بیلہ کے اندر مکران کی حد تک ایک ہی زبان بولی جاتی تھی جس کو اب سرائیکی کہا جاتا ہے۔ اس عظیم مملکت کی دور افتادہ شرقی شمال مغربی اور جنوب مغربی حدود پر ہمسایہ مملکتوں کی زبانوں کا بلا واسطہ اور اس اقبال مند اور زرخیز مملکت میں ہمسایہ ملکوں سے مختلف زبانیں بولنے والے مہاجروں اور

آبادکاروں کا لسانی اثر بالواسطہ نمایاں تھا۔ جو آج بھی ہے۔ قارئینِ کرام دراصل اس ناچیز تصنیف میں مغربی پاکستان کے باشندوں کو ان کی ورثہ میں ملی اس عظیم اور قدیم مملکت کی اقتصادی سیاسی نسلی وحدت کا پیغام دیا گیا ہے۔ اس خطہ کی تمام زبانوں کا لغوی تانا بانا قدیم ترین سرائیکی ہے جو اردو کی بھی ماں ہے اور اس خطہ کی اقتصادی خوشحالی کا ضامن اس کا دنیا کے عظیم ترین خاص سندھ کا عظیم ترین نظام آبپاشی ہے۔ میں نے تذکرہ میں ایک جگہ عرض کیا ہے۔ کہ قدرت ہر عظیم دریا کی پوری وادی کی از مخارجِ آب تا کنارِ سمندر با اختلاف موسم و با اختلاف فراز و نشیب پیداوار میں ایک پوری خودکفیل اقتصادی وحدت بنا دیتی ہے۔ وادی سندھ کے کوہستانی علاقہ کے ضلع لورالائی، ضلع ژوب، ضلع سبی، ضلع کچھی، ضلع قلات، ضلع لاس بیلہ ضلع مکران، ضلع خاران، ضلع چاغی، ضلع کوئٹہ پشین، ضلع جنوبی وزیرستان ضلع شمالی وزیرستان، ضلع کرم، ضلع خیبر، ضلع مہمند، ضلع چترال، ضلع دیر ضلع سوات، ضلع ملاکنڈ، ضلع ہزارہ، ضلع گلگت اور ضلع بلتستان جن کو قدرت نے خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان کے ضرورت مند میدانی وادی سندھ دو صوبوں پنجاب اور سندھ میں بستے ہیں۔ اور ان دو صوبوں کو قدرت نے جن نعمتوں سے نوازا ہے اس کے خریدار وادی سندھ کے کوہستانی علاقہ میں بستے ہیں۔ ان دونوں کے اتحاد میں باہمی خودکفالت کی ضمانت ہے۔ مغربی پاکستان کی کوہستانی حدود کے پار آپ نظر دوڑائیں آپ کو ہمسایہ ملکوں کے ایسے علاقے نظر آئیں گے جو خودکفیل نہ ہونے

کے باعث دوسروں کے محتاج ہیں ۔ قادرِ مطلق پروردگار کی اس تخلیق
میں بھی ہمارے موزوں پاکستان کے اتحاد کا اشارہ ہے ۔

وما علینا الا البلاغ

سید نور علی ضامن حسینی

محلہ لقمان شاہ
احمد پور شرقیہ
۶ ۔ ستمبر ۱۹۷۳ء

Scanned by CamScanner

مصنف

سید نور علی ضامن حسینی

Scanned by CamScanner

سلسلۂ تحقیق و تجدید تاریخِ پاکستان کے مصنف کی تین پہلی تصانیف

۱- اصحاب الرّس

مصنف نے ثابت کیا ہے کہ اصحاب الرس دراصل وادیٔ سندھ کی قوم کو قرآنِ حکیم کا عطا کردہ نام ہے۔

۲- سکندرِ اعظم اور پٹھان۔ عُمر اور اعوان

مُصنف نے سکندرِ اعظم کو باجوڑ دیر اور سوات کی بجائے پارہ چنار اور وزیرستان کے راستے گومل پار کر کے تختِ سلیمان (دوراہان - دوا زندا) پہنچ کر دالس پیالہ اور درہ تنگ رغیلے خیل کے رستے میانوالی پر سندھ کو عبور کر کے خوشاب اور دریائے جہلم کے دائیں کنارے پھالیہ (گجرات) پہنچنا ثابت کیا ہے۔ خوشاب نے زیب اس وقت کا ٹیکسلا (فوجی ڈویژنل ہیڈکوارٹر) تھا

۳- رموزِ دین

اسلام کے معاشی نظام کے چھ نکات بیان کر کے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ قرآنِ حکیم کے قوانین تعزیری اور دیوانی کی بُنیاد بچوں کی پرورش کے مقصد کی اوّلیت ہے۔ انسان کے چار بنیادی حقوق ہیں۔ جو حکومت اسلامی کا فرض اوّلیں قرار دیے گئے ہیں۔ بھوک سے نجات، پاک اور صاف پانی مہیا کرنا، ستر پوشی، شدتِ موسم سے تحفظ کیلئے ٹھکانہ۔ تعلیم اور صحت کا ان میں ذکر نہیں کیا گیا۔

ملنے کا پتہ

مُصطفیٰ شاہ اکیڈمی محلّہ نقاش

احمد پور شرقیہ